قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۳﴾
لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۶۴﴾

وقف زندگی کی اہمیت

اور

برکات

ڈاکٹر افتخار احمد ایاز
سابق امیر جماعت احمدیہ برطانیہ

نام کتاب : وقف زندگی کی اہمیت اور برکات

مصنف : ڈاکٹر افتخار احمد ایاز سابق امیر جماعت احمدیہ برطانیہ

تعداد : 500

ناشر : انتصار احمد ایاز ایم ایس سی
230 وارپل روڈ۔لندن
SW 20 , 8 RH, U.K.
Tel. : 0044-208-879-0985

ترتیب وتزئین : کرشن احمد، قادیان

مقام اشاعت : Unitech Publications
Distt. Gurdaspur, Punjab (INDIA)
Ph. 00 91 9815617814 , 9872341117
khursheedkhadim@yahoo.co.in
krishan.qadian@gmail.com

انتساب

یہ سعیٔ ناتمام اپنے شفیق والد محترم مختار احمد ایاز صاحب مرحوم و مغفور کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں

... کہ ...

اُنہوں نے ہمیشہ دین کو مقدم رکھا اور خلافت کے ساتھ اخلاص اور فدائیت کا قابل رشک نمونہ پیش کیا۔ جماعت کی خدمت کا والہانہ جذبہ تھا اور جماعت کیلئے غیرت میں اپنی مثال آپ تھے۔ مالی قربانیوں میں ہمیشہ سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ شروع میں راولپنڈی جماعت کے سیکرٹری رہے بعد میں تحریک جدید کے تحت تبلیغی وفود کے امیر کی حیثیت سے مکیریاں ضلع ہوشیار پور میں خدمت کا موقعہ ملا۔ پھر حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر مشرقی افریقہ تشریف لے گئے۔ وہاں سالہا سال تک ٹانگا جماعت کے صدر رہے اور دیگر نمایاں خدمات سلسلہ کی توفیق ملی۔ زندگی کے آخری دور میں شدید خواہش تھی کہ پنج تن کے ناموں پر پانچ سیکنڈری سکول کھولیں۔ اللہ تعالیٰ نے کمپالہ یوگینڈا میں بشیر ہائی سکول اور لڑکیوں کیلئے حفیظ گرلز سکول کھولنے کی توفیق دی۔ بشیر ہائی سکول نے غیر معمولی ترقی حاصل کی۔ آپ نے یہ سکول جماعت کے سپرد کر دیا اور آخر تک اپنی زندگی کو جماعت کی خدمات کیلئے وقف رکھا۔ آپ موصی تھے اور ایک وقت میں تیسرے حصہ وصیت کی توفیق پائی۔ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک موقعہ پر آپ کے بارہ میں فرمایا کہ:

"بہت مخلص احمدی ہیں اور فدائیت کا رنگ رکھتے ہیں۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ ابّا جان مرحوم و مغفور کے درجات بلند کرتا رہے اور اس نالائق و نابکار کی اس ادنیٰ ترین کاوش کو قبول فرماتے ہوئے دین کی نمایاں خدمات کی توفیق عطا فرماتا رہے اور میرے ابّا جان کی روح اس سے خوشی و مسرت حاصل کرے۔ آمین۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

عاجز افتخار احمد ایاز

لندن

20 فروری 2005ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم　　وعلی عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

اظہار تشکر

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار

اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار

کسطرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس

وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

(دُرِّثمین)

اللہ تعالیٰ کے شکر کے جذبات سے لبریز دل کے ساتھ یہ کلمات تشکر لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم اور احسان ہے کہ اس نے اس کتاب کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کے بعد اپنے پیارے آقا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا دلی دعاؤں کے ساتھ شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ واقفین نو کی تعلیم و تربیت کے متعلق حضور کی خصوصی توجہ اور زندگی وقف کی تحریک کے سلسلہ میں حضور کے ولولہ انگیز خطابات اور ارشادات نے اس عاجز کے دل میں اس مضمون پر لکھنے کی تحریک کی اور پھر حضور کی دعاؤں ہی سے اس کی تکمیل کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ الحمد للہ۔

سب سے پہلے مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت نے از راہ شفقت زندگی وقف کی اہمیت اور برکات کے وسیع مضمون کے مختلف پہلوؤں کی طرف اس عاجز کی راہنمائی کی اور جب مسودہ مکمل ہو گیا تو اسے بہت شوق سے دیکھا اور بخوشی اس کا دیباچہ بھی لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صحت اور عمر میں بے انتہا برکت دے اور جماعت آپکی منفرد صلاحیتوں سے تادیر فیضیاب ہوتی رہے۔ آمین۔

اس کتاب کیلئے مواد اکٹھا کرنے اور اُسے ترتیب دینے میں برادرم مکرم حبیب الرحمن زیروی صاحب

نظارت نشر واشاعت ربوہ نے مسلسل محنت کی اور بڑی ہی محبت اور قربانی سے اس کام کو آخری مراحل تک پہنچایا۔ ازحد ممنونیت کے جذبات کے ساتھ میں ان کیلئے دعا گو ہوں۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء۔**

انگلستان میں مسودہ کیلئے پہلے ڈرافٹ کو میرے قابل قدر برادر نسبتی مکرم عطاء الکریم شاہد صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے باوجود علالت طبع کے بہت محنت سے پڑھا اور اس کی بہتری کیلئے مفید مشورے دئے۔ پھر محترمی مخدومی نصیر احمد قمر صاحب ایڈیشنل وکیل الاشاعت لندن نے سارے مسودے کو گہری نظر سے پڑھ کر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء فی الدارین خیرا۔**

مسودے کے دوسرے ڈرافٹ کو از راہ شفقت مکرم ومحترم نواب منصور احمد خان صاحب وکیل التبشیر ربوہ نے پڑھ کر اپنے گرانقدر مشوروں سے نوازا۔ اور مکرم ومحترم سید میر محمود احمد ناصر صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ نے اپنی نگرانی میں دو اساتذہ جامعہ احمدیہ سے مسودہ کی تفصیلی چیکنگ کروادی اور مسودے کو پسند فرمایا۔ الحمدللہ۔

کتاب کے فائنل ڈرافٹ کو مخدومی حافظ مظفر احمد صاحب ناظر اصلاح وارشاد (دعوت الی اللہ) نے بہت توجہ سے پڑھا اور اس کا پیش لفظ لکھ کر اس عاجز کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے فضل سے ہر مرحلہ پر نہایت قدردان، مخلص اور محنتی معاونین اور مساعدین عطا فرمائے اور وہ سب دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ مکرم ومحترم بھائی مصلح الدین صاحب وکیل التعلیم ربوہ کا دلی مشکور ہوں جنہوں نے اپنی نہایت درجہ مصروفیات اور علالت طبع کے باوجود دفتری اوقات کے بعد تک بیٹھ کر جامعہ مرکزیہ اور جامعات عالمگیر کے بارہ میں تاریخی معلومات فراہم کر کے مہیا کیں۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء۔**

اللہ تعالیٰ مکرم ومحترم سید عبدالحیٔ شاہ صاحب ناظر نشر واشاعت ربوہ کو صحت وسلامتی کے ساتھ عمر دراز عطا کرے۔ انہوں نے مسودہ پسند فرمایا اور اس کی اشاعت کی اجازت دی اور محترم مولانا برہان احمد ظفر صاحب ناظر نشر واشاعت قادیان نے اس کی ہندوستان میں طباعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

طباعت کے لئے مسودہ کی تیاری اور پھر اس کی نگرانی بہت محنت طلب مرحلہ ہے۔ اس کام کو قادیان

میں عزیزان خورشید احمد صاحب خادمؔ اور مکرم منصور احمد صاحب استاذ جامعہ احمدیہ قادیان نے انتہائی خلوص اور محبت کے جذبہ سے تکمیل تک پہنچایا۔ مکرم ومحترم مولانا منیر احمد صاحب خادمؔ پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان و مدیر اعلیٰ ''بدر'' قادیان نے مفید مشوروں اور دعاؤں کے ذریعہ بہت مدد کی۔ خاص طور پر میں اپنی پیاری بیگم امتہ الباسط ایاز صاحبہ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ہر قدم پر اُٹھتے بیٹھتے اس کام کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کیلئے دعائیں کیں۔ اور مسودے کی تیاری میں نہایت قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں بہت برکت دے۔ آمین۔

آخر میں اپنے نہایت پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور ان سب بہت پیار کرنے والے بزرگوں، بھائیوں اور عزیزوں کے لئے خاص دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ سب کام اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ کام بھی اسی کی عنایت اور نصرت سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو بہترین جزا عطا فرمائے اور میری اس ادنیٰ کوشش کو قبول فرمائے اور اس کتاب کی اشاعت کے اعلیٰ مقاصد احسن رنگ میں پورے ہوں۔ آمین۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

عاجز

افتخار احمد ایاز

لندن

20 فروری 2005ء

فہرست مضامین

عرض حال طبع ثانی

محض اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے کتاب ''وقف زندگی کی اہمیت اور برکات'' اس سال کے شروع میں شائع کرنے کی توفیق ملی تھی۔اب اس کا دوسرا ایڈیشن پیش خدمت ہے۔اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم ہے کہ اس کتاب کو توقعات سے بڑھ کر قبولیت عطا فرمائی۔الحمد للہ۔حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت جلسہ سالانہ U.K 2005ء کے دوسرے دن خطاب میں اس کتاب کی اشاعت کا بھی ذکر فرمایا۔اور بھی بہت سارے احباب نے اپنے خطوط میں پسندیدگی کا اظہار نہایت اچھے پیرایہ میں کیا ہے۔اللہ تعالیٰ سب کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔اور ہر ایک احمدی کو وقف زندگی کا دلکش نمونہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں میں نے یہ کتاب بھیجی تو حضور نے دعائیں دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

لندن

30-05-05

پیارے مکرم ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تصنیف ''وقف زندگی کی اہمیت اور برکات'' مل گئی ہے۔جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ماشاء اللہ اچھی کوشش ہے۔اللہ آپ کو اپنے بے حساب فضلوں اور نعمتوں سے نوازے۔سب نیک تمناؤں کو پورا فرمائے اور اعلیٰ مقاصد میں کامیابی بخشے۔ہمیشہ اس کی رضا کی راہیں آپ کے پیش نظر رہیں۔اللہ آپ کا حافظ وناصر ہو۔ہم ہم وغم سے آپ کو بچائے۔اور ہمیشہ خود ہی نگہبان رہے۔آمین۔

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

تعارف طبع ثانی

از محترم عطاء المجیب راشدؔ صاحب امام مسجد فضل لندن

(میں مکرم عطاء المجیب راشدؔ صاحب امام مسجد فضل لندن کا دلی مشکور ہوں جنہوں نے اپنی نہایت درجہ مصروفیات کے باوجود کتاب ''وقف زندگی کی اہمیت اور برکات'' کے دوسرے ایڈیشن کیلئے ایک بہت عمدہ اور قیمتی نوٹ تحریر فرمایا جو قارئین کے اِفادہ کیلئے پیش خدمت ہے)

وقف زندگی کا مضمون ایک مومن کی زندگی سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ اسلام کا مطلب بھی اپنے آپ کو کلیۃً خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اُسکے سب حکموں کی اطاعت کرنا ہے۔ پس ایک مومن جب اس انداز میں زندگی بسر کرتا ہے تو وہ ایک لحاظ سے واقف زندگی شخص کے مشابہ ہوجاتا ہے جو اپنے سب ارادوں اور سب خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اُسکے آستانہ پر آبیٹھتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

اسلام چیز کیا ہے خدا کیلئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا

ہمارے آقا مولیٰ رسول مقبول ﷺ کی مبارک زندگی میں وقف زندگی کی روح اپنی انتہائی معراج پر نظر آتی ہے۔ آپ نے عملاً اپنی زندگی کا ایک ایک لحہ اور اپنی طاقت کا ایک ایک ذرہ اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان کر دیا لیکن انتہائی خاکساری، خاموشی اور گمنامی کے انداز میں۔ دنیا کو اس کی خبر تب ہوئی جب خدا تعالیٰ نے خود رسول پاک ﷺ کو وحی کے ذریعہ اس بات کا حکم دیا کہ ''قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔'' (سورۃ الانعام آیت 163)

اس آیت کریمہ میں جو چند الفاظ پر مشتمل ہے حقیقی وقف زندگی کا نہایت جامع اور بلیغ نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ بلند ترین معیارِ وقف زندگی ساری اُمت مسلمہ کیلئے ہمیشہ ہمیش کیلئے مشعلِ راہ ہے۔ اور اسی انداز میں اپنے آپ کو وقف کرنے میں ایک سچے مومن کی فلاح اور کامیابی مضمر ہے۔ یہی ایک مومن کا مقصود و مطلوب ہونا چاہئے اور اسی مقصد کے حصول کی خاطر ہمیشہ دُعا گو رہنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کتنے پیارے الفاظ میں یہ دعا سکھائی ہے:

جانم فدا شود برہ دین مصطفی
این است کام دل اگر آید میسرم

بہت باعث مسرت ہے یہ امر کہ مکرم و محترم برادرم ڈاکٹر افتخار احمد صاحب ایاز نے وقف زندگی کے اس اہم

موضوع پر قلم اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں ایک عمدہ کتاب کا اضافہ ہوا۔ اس کتاب میں آپ نے اس اہم موضوع کے مختلف پہلوؤں کو خوب اُجاگر کیا اور اس کی اہمیت اور برکات کو بھی بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قران مجید کی آیات، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے علاوہ خلفائے احمدیت کے قیمتی اقوال اور ہدایات کو بھی بڑی عمدگی سے یکجا کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں جماعت کی تاریخ میں نمایاں اور قابل تقلید خدمات دینیہ بجالانے والے مبلغین اور مجاہدین کے ایمان افروز واقعات کو بھی اس کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔ اور اس طرح یہ مجموعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک مفید ریفرنس بُک کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وقف زندگی کے حوالہ سے احباب جماعت اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

اچھی کتاب کی اشاعت کے بعد جلد ہی اس کے دوسرے ایڈیشن کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ الحمدللہ کہ اسی ضرورت کے پیش نظر اب اس کا دوسرا ایڈیشن احباب کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ایڈیشن بعض اصلاحات اور مفید اضافہ جات کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ درویشان قادیان کی عظیم قربانیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس ایڈیشن میں ''وقف زندگی کی ایک عدیم المثال داستان'' کے عنوان سے چند صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور چند درویشان قادیان کے ایمان افروز واقعات بھی شامل کتاب ہیں۔ دوسرے یہ کہ یکم اکتوبر 2005ء کو جامعہ احمدیہ لندن کے افتتاح کے موقع پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جامعہ کے واقف زندگی طلباء کو اور ایک لحاظ سے وقف زندگی کی روح کے ساتھ کوئی بھی خدمت سلسلہ بجالانے والے افراد کو جو قیمتی نصائح ارشاد فرمائی تھیں، اُسکا پورا متن بھی مستقل افادیت کی غرض سے کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کو بہت بابرکت فرمائے اور اس ٹھوس کوشش کو قبول فرماتے ہوئے محترم ایاز صاحب کو اس جماعتی خدمت کی بہترین جزاء عطا فرمائے۔ اور قارئین کو بھی توفیق دے کہ وہ اس مفید کتاب سے بھرپور استفادہ کریں۔ اس کی ایک عمدہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اپنے بچوں کو ان مضامین سے احسن رنگ میں آگاہ کریں کہ انکے دلوں میں بھی وقف زندگی کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اور وہ بھی اس مبارک گروہ میں شامل ہونے کا خود فیصلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ اس کتاب کے مفید ثمرات ظاہر ہوتے چلے جائیں۔ آمین۔

خاکسار
عطاء المجیب راشد
امام مسجد فضل لندن
29 نومبر 2005ء

وقف زندگی کی اہمیت اور برکات

﴿......چند تبصرے......﴾

مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر اعلیٰ قادیان تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کی کتاب کو میں نے اور بی امتہ القدوس نے پڑھا ہے۔ واقعی نئے اور پرانے تمام واقفین کیلئے نہایت مفید ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں پر اس کا اچھا اثر قائم کردے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو نمایاں خدمات کی توفیق دیتا رہے۔'' 24-07-05

مکرمہ محترمہ سیّدہ امتہ القدوس صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اپنے خط بنام امتہ الباسط ایاز صاحبہ میں تحریر فرماتی ہیں:

''آپ کے میاں ڈاکٹر افتخار احمد صاحب کی لکھی ہوئی کتاب'' وقف زندگی کی اہمیت اور برکات'' پہنچ گئی۔ کتاب پڑھتی جاؤں آپکے میاں کیلئے دعائیں کرتی جاؤں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے اقتباسات ایک جگہ پڑھکر وہ لطف آیا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ پھر اس سلسلہ میں ابتدائی کوششیں وقف کی اور پیارے حضرت مصلح موعودؓ کا جذبہ اور کوششیں پڑھ پڑھ کر ایک طرف دعائیں دوسری طرف آنکھوں سے آنسو بہیں۔ الحمد للہ الحمد للہ کہاں پہلے دو تین واقفین کیلئے کسطرح قربانیاں ہوئیں آج اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے وقف نو کی فوج تیار کرنی شروع کردی ہے۔ خدا کرے یہ ساری فوج مکرم مولوی ابو العطاء صاحب اور مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس اور قربانیاں دینے والے مجاہدین کی طرح نکلیں۔ اتنا مزہ آیا ہے یہ کتاب پڑھ کر۔ اپنے میاں کو میری طرف سے دلی مبارکباد پیش کریں۔ بڑی زبردست محنت کی ہے انہوں نے۔'' 10-08-2005

مکرم ومحترم دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کی تازہ معرکہ آراء تالیف'' وقف زندگی کی اہمیت اور برکات'' جو ایمان افروز واقعات کا خزانہ اور نایاب تصاویر کا مرقع ہے عطا ہوگئی ہے ؎

تیرے اس لطف کی اللہ ہی جزا دے ساقی

بلاشبہ یہ کتاب تحریک وقف زندگی پر ایک مستند دستاویز ہے جسے وقف زندگی کے موضوع کا

پہلا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا۔

ربّ العرش آپ کی شاہکار تالیف کو درجہ قبولیت بخشے اور قیامت تک آنے والی احمدی نسلوں کیلئے مینارنور بنادے۔آپ کی خدمت میں صمیم قلب سے حضرت مسیح موعودؑ کے الہامی الفاظ میں ''مبارک صد مبارک'' اور ہدیہ شکریہ۔ 19-07-05

مکرم ومحترم سلطان محمود انور صاحب ناظر خدمت درویشان تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی کتاب بہت علمی وتحقیقی کتاب ہے۔یہ احباب جماعت کیلئے بہت مفید ثابت ہوگی۔اور خاص طور پر واقفین زندگی کیلئے مشعل راہ کا کام دیتی رہے گی۔ اور نوجوانوں میں وقف کرنے کی تحریک پیدا کرتی رہے گی۔آپ نے واقفین زندگی کیلئے وقف کے تقاضے،اہمیت اور برکات پر حضرت مسیح موعودؑ وخلفاء احمدیت کے ارشادات کی روشنی میں مواد کا ایک خزانہ اکٹھا کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کی اس کتاب کو کل عالم کیلئے باعث برکات بنائے۔ آمین۔'' 21-07-05

مکرم ومحترم چودھری شبیر احمد صاحب وکیل المال اوّل تحریک جدید تحریر فرماتے ہیں:

''بفضل خدا آپ نے بڑے اہم اور وقت کی ضرورت کے مطابق مضمون پر قلم اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نافع الناس بنائے اور آپ کو حسنات دارین سے نوازے۔آمین۔''19-07-05

مکرم ومحترم سیّد قمر سلیمان صاحب وکیل وقف نو تحریر فرماتے ہیں:

''ماشاء اللہ بہت اچھی کاوش ہے۔محنت اور عرق ریزی کے ساتھ آپ نے مواد کو اکٹھا کیا اور ترتیب دیا۔احباب جماعت ، واقفین زندگی اور واقفین نو کیلئے یقینا مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اجر عظیم سے نوازے۔آمین۔'' 24-07-2005

مکرم ومحترم نسیم احمد باجوہ صاحب صوبائی مبلغ شمال مشرق برطانیہ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ آپ کی یہ خدمت قبول فرمائے اور اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ نافع الناس بنائے۔ آمین۔جزاکم اللہ واحسن الجزاء۔ماشاء اللہ بہت پُرلطف کتاب ہے۔خاکسار کو اس کتاب سے کئی رنگ میں فائدہ حاصل کرنے کی توفیق ملی ہے۔

اوّل...... واقف زندگی کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں ہیں کتاب پڑھ کر اس کا پہلے سے بہت زیادہ احساس ہوا ہے اور ایک خاص بات جو پڑھی یہ تھی کہ مبلغین کو ہر ہفتے حضور کو رپورٹ بھجوانی چاہئے چنانچہ اب اس پر پہلے سے زیادہ عمل شروع کر دیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خاص برکت عطا فرمائے گا۔

دوم...... بعد نماز مغرب وعشاء اس کتاب سے درس بھی شروع کر دیا ہے۔ ایک روز درس کے بعد ایک دوست آئے اور کہا کہ میں نے کل کا درس سن کر ایک دیہاتی مبلغ کا خرچ برداشت کرنے کی نیت کر لی ہے۔ مجھے بتائیں کہ میں کتنی رقم ادا کیا کروں؟

سوم......وقف زندگی سیمینار کا ایک پروگرام تھا اس میں خاکسار کو اس کتاب سے بہت فائدہ پہنچا اور دوسرے احباب کو بھی بعض ارشادات سنائے۔

چہارم...... وقف اولاد کی تحریک والا حصہ پڑھ کر دل میں خصوصی دُعا کی تحریک ہوئی کہ اللہ تعالیٰ آئندہ خاکسار کی ہر بیٹی کو کم از کم ایک واقف زندگی بیٹا عطا فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا ایک رنگ میں قبول فرمالی اور مورخہ 5 جولائی کو خاکسار کی دوسری بیٹی وجیہہ کو بیٹی کے بعد بیٹا عطا فرمایا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔'' 17-07-05

اس کتاب کے انتساب میں میں نے اپنے والد ماجد چودھری مختار احمد ایاز صاحب مرحوم ومغفور کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اُن کو مکیریاں ضلع ہوشیار پور میں بھی بطور امیر وفد تبلیغ جانے کا موقع ملا تھا۔ اس پر مکرم ومحترم حکیم محمد دین صاحب ناظم قضاء بورڈ قادیان نے مکیریاں سے تعلق میں ایک نہایت ایمان افروز تاریخی واقعہ رقم فرمایا ہے جو پیش خدمت ہے:

'' آنمکرم کا پُرشفقت علمی عطیہ آپکی تالیف منیف مطبوعہ بعنوان ''وقف زندگی کی اہمیت اور برکات'' جو ضرورت حقہ کے تقاضا کو بروقت پورا کر رہی ہے، موصول ہوئی۔ اس میں آپکے والد بزرگوار کے سفر مکیریاں کا ذکر پڑھ کر نہ صرف مکیریاں کی یاد دل میں تازہ ہوئی بلکہ مکیریاں کے مکان اور اُس کے مکینوں اور اُس مکان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیت دُعا کا نشان ظاہر ہونے کی پوری تاریخی عظمت سامنے آ گئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مکیریاں کا گھر جو آپ کے والد ماجد صاحب مرحوم کے سفر کے وقت دار التبلیغ کے طور پر صدر انجمن احمدیہ قادیان

کی ملکیت تھا یہ گھر ناچیز کے دادا جان حضرت مولوی وزیر الدین صاحبؓ کا آبائی رہائشی مکان تھا جواُن کی وفات کے بعد والد صاحب مرحوم حضرت مولوی محمد عزیز الدینؓ جواُن کے اکلوتے فرزند اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعا کی قبولیت کے نشان کے طور پر حضور کے دعوائے ماموریت سے قبل پیدا ہوئے تھے، کے حصے میں آیا۔ جسے والد صاحب مرحوم نے اپنے وصیت کے واجبات کی ادائیگی کے سلسلہ میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام پر ہبہ کر دیا تھا۔ دادا جان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ کے ابتدائی کچھ اوراق مکیریاں میں کسی کے ذریعہ ملے۔ جن کے مطالعہ سے متاثر ہو کر آپ حضور کی ملاقات کیلئے قادیان پہنچے اور حضور کے درِدولت پر آپکی ملاقات کے شوق میں بیٹھ گئے۔ حضور جب گھر سے باہر تشریف لائے تو دادا جان کو منتظر پا کر حضور نے دادا جان کے آنے کی غرض وغایت دریافت فرمائی۔ آپنے حضور کا براہین احمدیہ میں تحریر فرمودہ شعر پڑھ کر آمد کی غرض و غایت یہ بیان کی کہ وہ آب زلال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے آپ سے پیا تھا آج وہ آپکی غلامی میں آپ تقسیم فرما رہے ہیں۔ دادا جان نے عرض کی کہ حضور میں اُس آب زلال کو حضور سے حاصل کر کے پینے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضور مسکرائے اور اندرون خانہ تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک پیالی چائے کی لا کر دادا جان کو عطا فرمائی۔ دادا جان نے بعد اشتیاق اُسے پی لیا اور تادم زیست اُس کی پُرشوکت معجزانہ افادیّت کے مدّاح رہے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دادا جان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بڑے درد والحاح سے التجا کی کہ حضور خدا تعالیٰ نے مجھے چھ بیٹیاں عطا کی ہیں اور میں اولاد نرینہ سے محروم ہوں۔ دُعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ مجھے صالح فرزند عطا فرمائے۔ چنانچہ حضور کی دُعا سے آپکے گھر میں 22 جون 1888ء میں والد صاحب پیدا ہوئے۔ دادا جان نے اس خدائی نشان کا ذکر کرتے اپنے ایک فارسی قصیدہ میں جو پاک شاعری کے عنوان سے اخبار الحکم میں شائع شدہ ہے اس کا اظہار اس طرح کیا ہے ؎

یارب مدام شاد زید میرزائے ما......☆......کز فیض اوست رونق بستاں سرائے ما
کو اندرین زمانہ نیا ورد نور حق......☆......گر دید بے چراغ ہمہ خانہ ہائے ما

(1: مکان مکیریاں 2: اولاد نرینہ سے محروم)

آپ کی مرسلہ کتاب نے دل میں اس نشان آسمانی کی یاد تازہ کر دی اور اس نے اظہار تشکر کے بعد یہ چند سطور لکھنے پر مجبور کیا۔ آپ کی اس مطبوعہ کتاب کی افادیت، اہمیت و ضرورت کے پیش نظر بروقت طباعت کے تعلق سے جید علمائے سلسلہ نے جو تعارفی کلمات تحریر کئے ہیں یہ برمحل اظہار حقیقت پر مشتمل ہیں۔ آپ کیلئے اور اُن سب کیلئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں اور ان سب سے بڑھ کر آپکو جو دعائیں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملی وہ کلام الامام۔ امام الکلام کی زینت سے مزین ہیں۔ خدا تعالیٰ اس نعمت عظمیٰ سے آپکو ہمیشہ سرور و راحت قلبی عطا فرمائے اور آپکے والد ماجد کی روح کو تسکین و راحت نصیب کرے۔ آمین۔ الھم آمین۔" 15-11-05

مکرم و محترم ظہیر احمد صاحب خادم ناظر دعوت الی اللہ صدر انجمن احمدیہ قادیان تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کی تالیف "وقف زندگی کی اہمیت و برکات" ملی۔ جزاکم اللہ۔ یوں تو وقف زندگی کے متعلق امور کا ذکر مختلف کتب میں موجود ہے لیکن آپ نے ان سب کو یکجا کر کے جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ "مبارک صد مبارک"۔ پُرانے واقفین زندگی کیلئے آپ کی یہ کتاب مشعل راہ ثابت ہوگی۔ اسی طرح انشاء اللہ آپ کی یہ تصنیف جہاں آپ کیلئے صدقہ جاریہ ہوگی وہاں ہزاروں واقفین زندگی کی ڈھیروں دعاؤں کی موجب بھی ہوگی۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ شکریہ۔

ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ اور محتاج دعا

مکرم و محترم داؤد احمد صاحب حنیف مشنری انچارج یو. ایس. اے جماعت تحریر فرماتے ہیں:

مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی کتاب "وقف زندگی کی اہمیت اور برکات" موصول ہوئی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

آپ نے بڑی محنت سے اس نہایت اہم موضوع پر وقف کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ اور جماعت احمدیہ کے ذریعہ وقف میں غیر معمولی وسعت پزیر ہونے کا ذکر کیا ہے اور حضرت امام الزمان مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء احمدیت کے زرّیں ارشادات کے بیش بہا خزانہ میں سے اغلباً اہم ترین اقتباسات کے انتخاب سے اس تصنیف کو مزین کر دیا ہے۔ مزید برآں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بزرگ واقفین اور جید ربانی

علماء کے میدان عمل کے واقعات بمعہ حوالہ جات جمع کئے ہیں۔ جو ہر قاری ہر قسم کے واقفین کے جذبہ وقف کو مزید بڑھانے کا موجب ہونگے اور غیر واقفین کو اپنے اوقات اور زندگیاں وقف کرنے کیلئے زبردست ترغیب کا باعث ہونگے۔ مختصر یہ کہ اس تصنیف میں مندرجہ اقتباسات قارئین کی زندگیوں میں انقلاب برپا کرنے کا موجب ہونگے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ کے ارشاد ''اب تو بچوں کو بھی مبلغ بننا پڑے گا، بوڑھوں کو بھی مبلغ بننا پڑے گا، یہاں تک کہ بستر پر پڑے ہوئے بیماروں کو بھی مبلغ بننا پڑے گا'' پر پورا اترنے کے قابل بنا سکتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حقیقت یہی ہے کہ اسی قوم کے دن زندہ ہوتے ہیں جن کی راتیں زندہ ہوتی ہیں جو لوگ ذکر الٰہی کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے ان کا مذہب کے ساتھ وابستگی کا دعویٰ محض ایک رسمی چیز ہے کئی نوجوان ایسے ہوتے ہیں جو تبلیغ بڑے جوش سے کرتے ہیں چندوں میں شوق سے حصہ لیتے ہیں مگر ذکر الٰہی کیلئے مساجد میں بیٹھنا اور اخلاق کی درستی کیلئے خاموش بیٹھنا اُن پر گراں ہوتا ہے اور جو وقت اس طرح گزرے اُسے وہ سمجھتے ہیں کہ ضائع ہو گیا، اُسے تبلیغ پر صرف کرنا چاہئے تھا۔ ایسے لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ تلوار اور سامان جنگ کے بغیر لڑائی نہیں جیتی جا سکتی جس طرح لڑائی کیلئے اسلحہ اور سامان جنگ کی ضرورت ہے اسی طرح تبلیغ بھی بغیر سامانوں کے نہیں ہو سکتی۔ تبلیغ کے میدان جنگ کیلئے ذکر الٰہی آرسنل اور فیکٹری ہے اور جو مبلغ ذکر الٰہی نہیں کرتا وہ گویا ایک ایسا سپاہی ہے جس کے پاس تلوار نیزہ یا کوئی اور اسلحہ نہیں۔ ایسا مبلغ جس چیز کو تلوار یا اپنا ہتھیار سمجھتا ہے وہ کرم خوردہ لکڑی کی کوئی چیز ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ وہی دلیل محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتے تھے اور دل پر اثر کرتی تھی لیکن وہی دلیل دوسرا پیش کرتا ہے لیکن سننے والا ہنس کر گزر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا بیہودہ باتیں کر رہا ہے۔ یہ فرق کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُس شخص کے پاس جو ہتھیار ہے وہ لکڑی کا کرم خوردہ ہتھیار ہے مگر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوہے کی ایک ایسی تیز تلوار تھی جو ذکر الٰہی کے کارخانے سے تازہ ہی بن کر نکلی تھی۔ کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتوں میں جو اثر تھا وہ دوسروں کی باتوں میں نہیں۔ ہمارے مبلغوں کی تقریروں میں وہ اثر نہیں۔'' (الفضل 16 اکتوبر 1942ء)

اس ارشاد مبارک پر عمل پیرا ہو کر ہر احمدی خواہ مرد ہو یا عورت بچہ ہو یا بوڑھا خدا کے فضل سے یقیناً مؤثر داعی الی اللہ بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کی محنت اور خدمت کو قبول فرمائے اور مثمر ثمرات حسنہ بنائے اور آپکو اسکا اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام خاکسار

داؤد احمد حنیف

مشنری انچارج یو ایس اے جماعت

مکرم و محترم مولانا منیر احمد صاحب خادم ایڈیٹر اخبار ''بدر'' قادیان اخبار ''بدر'' کی اشاعت 13/20 ستمبر 2005ء میں کتاب ''وقف زندگی کی اہمیت اور برکات'' پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''الحمد للہ کہ جماعت احمدیہ مسلمہ عالمگیر کی کتب و لٹریچر میں مذکورہ کتاب کے منظر عام پر آنے سے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔ وقف زندگی کی اہمیت اور برکات کے موضوع پر اس قدر شرح و بسط کے ساتھ یہ پہلی کتاب ہے جس میں مصنف نے وقف کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ اس مناسبت سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب ایک احمدی، بالخصوص ایک واقف زندگی کو وقف کی اہمیت و عظمت اور اس کے فیوض و برکات دل میں جاگزیں کرنے اور اس کے تمام پہلوؤں سے روشناس کرنے کے لئے مفید ہوگی۔ کتاب کے گیارہ ابواب ہیں اور ہر باب وقف کے ایک نئے عنوان اور نئے موضوع پر روشنی ڈالتا ہے۔

وقف زندگی کی اہمیت اور برکات سے متعلق آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام اور خلفاء کرام کے ارشادات عالیہ کتاب کو خاص زینت عطا کرتے ہیں۔ ہر احمدی، بالخصوص واقفین نو کی وہ جماعت جو اب کالجوں میں پہنچ گئی ہے اور جامعات کے طلباء کیلیے اس کتاب کا مطالعہ از حد مفید ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر صحابہ کرام اور علماء سلسلہ کی 40 کے لگ بھگ تصاویر کے ساتھ ساتھ ان کے ایمان افروز حالات و واقعات کتاب کو بے حد دلچسپ اور پُر از معلومات بناتے ہیں جنہیں پڑھ کر صحیح طور پر وقف کی روح سے آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ بلا شبہ مصنف نے کمال عرق ریزی کے ساتھ ایک قیمتی خزانہ ہمارے ہاتھ میں دیا ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔''

❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

از محترم حافظ مظفر احمد صاحب ناظر اصلاح وارشاد (دعوت الی اللہ)

یوں تو آدم تا ایں دم ایک لاکھ چوبیس ہزار فرستادگان الٰہی دنیا میں آئے اور ان میں سے ہر ایک خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرنے والا تھا۔ مگر ایک ''ابراہیمی'' قربانی ہے جو ضرب المثل بن گئی۔ اس کامل للّٰہی وقف کا ذکر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:۔

''ابراہیم وہ تھا جس نے وفا کا حق ادا کر دکھایا'' (النجم:3) جب اللہ نے ابراہیم سے کہا'' اپنا سب کچھ خدا کے سپرد کرتے ہوئے اس کا کامل فرمانبردار ہوجا تو اس نے ایسا ہی کیا اور کہا میں نے اپنا سب کچھ رب العالمین کو سونپ دیا۔'' (البقرہ:10) اللہ نے ابراہیم کو دوست بنالیا۔ (النساء:126) ''ابراہیم یقیناً اللہ کا ایک فرمانبردار گروہ تھا۔'' (النحل:21)

گویا وہ خود تو کامل فرمانبردار تھا ہی مگر تنہا نہ تھا اس نے اپنے نمونہ اور تاثیر سے اور اطاعت گزار بھی پیدا کئے۔ جن میں ایک ان کی بیوی ہاجرہ تھی جس نے عورت زاد ہو کر اپنے معصوم لخت جگر کے ساتھ ایک جنگل بیابان میں ڈیرے ڈالنا محض خدا کی خاطر قبول کیا گویا موت کو گلے لگالیا اور کہا اگر خدا کی منشاء یہی ہے تو پھر پرواہ نہیں۔ وہ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ خدا کی خاطر قبول کی گئی اس موت کے نتیجہ میں اس جنگل بیابان میں صرف زمزم کا چشمہ پھوٹنے کا معجزہ ہی رونما نہیں ہوا بلکہ روحانی زندگی کے وہ سوتے پھوٹے جس سے ایک دنیا سیراب ہوئی۔

ابراہیمی وفا شعار گروہ میں خالصتہً اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے والا اسماعیل بھی تھا تبھی تو جب باپ نے کہا ''اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟'' وفا کا یہ پتلا گویا ہوا۔ ''اے میرے اَبّا! جو حکم آپ کو ملا ہے کر گزریں۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔'' (الصّٰفّت:103)

یہ تھے ابراہیمی امت کے وہ نابغۂ روزگار وجود جن کے بارہ میں خدا نے گواہی دی کہ ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جنہوں نے اس کی پیروی کی اور پھر یہ نبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور اللہ ایسے مومنوں کا دوست ہے۔ (آل عمران:69)

ہم کتنے خوش نصیب ہیں جو محمد مصطفی ﷺ اور ان کے غلام مہدی دوراں کے صدقے آج پھر ''ابراہیمی قربانی'' کے وارث بنائے گئے۔امت مصطفی ﷺ ہونے کے ناطے آج ہمارے سامنے قربانی کے عظیم معیار اور اطاعت و وفا کے بہت بلند مینار ایستادہ ہیں کیونکہ خدا کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے جس طرح جان فدا کر کے دکھائی اس کی کوئی نظیر بھی اس سے پہلے نہیں ملتی آپ فرماتے تھے میں خدا کی خاطر دو قربان ہونے والوں (یعنی اسماعیل اور عبداللہ) کی نسل ہوں۔آپ کی قربانی کا معراج وہ تھا جو آپ کی اس دلی تمنا سے ظاہر ہوتا ہے فرماتے تھے:

''میرا دل کرتا ہے میں خدا کی راہ میں قربان کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر اس کی راہ میں جاں نذر کر دوں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر اس کی خاطر جان فدا کر دوں''

یہ کوئی حسرت نہ تھی بلکہ آپؐ نے واقعی ایسا کر دکھایا تبھی تو عرش کے خدا نے بھی گواہی دی کہ ''اے نبی! تو کہہ دے میری نماز اور میری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہو چکا ہے۔جو رب العالمین ہے۔(الانعام:163) بلاشبہ آپ کی تمام خواہشات مرضیٔ مولیٰ پر قربان تھیں اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جس نے خدا کی راہ میں اپنی جان کو وقف کر دیا وہ شہید ہو چکا''......یہ مقام شہادت جیتے جی آپ کو عطا ہوا۔جس کے سینکڑوں ہزاروں گواہ پیدا ہوئے۔جنہوں نے اس راہ پر چل کر دکھا دیا۔

للّٰہی وقف کی پُرخطر اور خاردار راہ پر چلنے والوں کے سردار تو ابوبکرؓ وعمرؓ اور عثمانؓ وعلیؓ تھے ہی مگر اس گروہ میں قربانیوں کے ان سردار کی پیروی میں ابوعبیدہؓ بھی تھے اور عبدالرحمنؓ بن عوف بھی،طلحہؓ بھی تھے اور زبیرؓ بھی،وہ زیدؓ بن حارثہ بھی تھے جنہوں نے ماں باپ پر رسول خدا کو ترجیح دی اور بلالؓ بھی تھے جو عمر بھر رسول اللہ ﷺ پر فدا رہے۔ان میں سے مصعبؓ بن عمر مدینہ میں اسلام کے پہلے مبلغ بھی تھے اور انسؓ بن مالک بھی۔جنہوں نے بچپن اور جوانی کا بڑا حصہ خدمتِ رسول ﷺ میں گزار دیا۔پھر مدینہ میں انصار کے فدائی گروہ میں سعد بن معاؓذ ،اور سعد بن ربیع بن ابوایوب انصاریؓ ،ابوطلحہؓ ،خبیب بن عدیؓ ،زید بن دثنہؓ اور ان کے ساتھی اصحاب کی طویل فہرست ہے۔

اِس زمانہ میں اس للّٰہی وقف کا نمونہ رسول کے روحانی فرزند حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے پھر زندہ کیا۔اور اپنا سب کچھ خدا اور رسول پر وار دیا اور کہا

ع وقف راہ تو کنم گر جاں دھندم صد ہزار

کہ اگر ایک لاکھ دفعہ بھی مجھے جان دی جائے تو اسی راہ میں وقف کردوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دورِ آخرین کے وہ وفا شعار غلام عطا کئے جنہوں نے قرونِ اولیٰ کی یادیں تازہ کردیں۔ جن کے سرخیل مولانا نورالدین، سیدنا محمود، سیدنا ناصر، سیدنا طاہر اور سیدنا مسرور ہیں۔ اس مہدیٔ دوراں کو شہزادہ عبداللطیف شہید، مولانا عبدالکریم، مولانا برہان الدین، مولانا شیر علی، مولانا مفتی محمد صادق، مولانا سید سرور شاہ، مولانا غلام رسول راجیکی، منشی ظفر احمد اور منشی اروڑے خاں جیسے خدام عطا ہوئے۔ جنہوں نے دنیا تیاگ کر خدا کو اختیار کیا اور درِ مسیح پہ دھونی رما بیٹھے۔

مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب سابق امیر یو کے جو سلسلہ کے ایک معروف و بزرگ عالم و واقف زندگی حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب سے رشتہ مصاہرت رکھتے ہیں۔ آپ طوالو کی طرف سے برطانیہ میں کونسل جنرل ہیں۔ آپ نے وقف زندگی کے اہم موضوع پر قلم اُٹھا کر واقفین بلکہ جماعت کی بنیادی ضرورت پوری کرتے ہوئے ایک شاندار خدمت انجام دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف عالمی ایوارڈ یافتہ ہیں آپ کے اعزازات کی فہرست طویل ہے۔ ایک عرصہ تک تنزانیہ کے محکمہ تعلیم میں کام کرنے کے بعد یو این او کے اداروں ایف اے او، یونیسکو اور یو این ڈی پی میں اعلیٰ عہدوں پر کام کیا۔ کامن ویلتھ کے فیلڈ ایکسپرٹ کی حیثیت سے بحرالکاہل ریجن میں متعین رہے۔ اب کونسل جنرل اور انٹرنیشنل کمیشن آف پیس کے مشیر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ہیومن رائٹس اور کامن ویلتھ کے مختلف ترقیاتی اداروں کے ساتھ منسلک ہیں۔ 1998ء میں ملکہ برطانیہ کی طرف سے او بی ای کا اعزاز حاصل کیا۔ علاوہ ازیں الفریڈ نوبل میڈل اعزازی ڈاکٹریٹ اِن ایجوکیشن، ایمبیسڈر آف پیس کے اعزازات حاصل کئے۔ انڈیا کی طرف سے ہندرتن اور نورتن کے ایوارڈ اور گولڈ میڈل ملے۔ امریکن بائیوگرافیکل انسٹی ٹیوٹ نے گریٹ مائنڈز آف اکیسویں صدی کا ایوارڈ دیا اور 2004ء کی شخصیت کا اعزاز دیا۔ تنزانیہ قیام کے دوران مختلف جماعتی عہدوں پر خدمت کی توفیق ملی۔ بحرالکاہل کے جزائر طوالو، کیری باس ناؤرو اور وانوآٹو میں احمدیت کا پودا لگانے کی توفیق ملی۔ طوالو قیام کے دوران احمدیہ مسجد اور مشن ہاؤس کی تعمیر ہوئی۔ قرآن کریم کا طوالو زبان میں ترجمہ ہوا جو جماعت نے شائع کیا۔ انگلستان میں شعبہ تبلیغ کے ساتھ کام کرنے اور پھر قائد تبلیغ، صدر مجلس انصاراللہ۔ امیر جماعت یو کے خدمت کی توفیق ملی۔ قضاء بورڈ کے ممبر اور قائمقام صدر رہے۔ مرکزی مجلس

افتا کے اعزازی رُکن بھی رہے۔اب سیکرٹری امور خارجہ یو کے۔ڈائریکٹر طاہر فاؤنڈیشن اور وکالت تصنیف کی انگریزی تراجم کی ٹیم کے ساتھ کام کی توفیق مل رہی ہے۔

ہمارے نزدیک ان کا بڑا اعزاز یہ ہے کہ انہوں نے طوالو اور دیگر بحر الکاہل کے جزائر میں جماعت احمدیہ کا پودا لگا کر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ کی سند خوشنودی حاصل کی ہے۔آپ نے گزشتہ سو سال پر پھیلی ہوئی سلسلہ احمدیہ کی وقف کی غیر معمولی قربانی کا جائزہ پیش کرتے ہوئے وقف کے تقاضے، اہمیت اور برکات پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام وخلفاء احمدیت کے ارشادات کی روشنی میں مواد اکٹھا کر دیا ہے کہ کس طرح انہوں نے راہ وقف پر قدم مارنے کے لئے جماعت کو مختلف اوقات میں جان و مال راہ مولیٰ میں قربان کرنے کی تحریک کی اور فرمایا ’’اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔‘‘ اور سیدنا حضرت مصلح موعود کا یہ قابل توجہ فرمان کہ ’’ہماری جماعت کی ترقی کا مدار وقف پر ہے‘‘ نیز یہ کہ آئندہ تین سو سال میں اسلام کے غالب آنے تک ہمیں کم از کم پندرہ نسلوں کو وقف کرنا ہوگا۔‘‘ چنانچہ خلفاء سلسلہ مسلسل ایسی تحریکات کرتے رہے۔وقف کی ان تمام تحریکوں کا مقصد اسلام کی نشاۃ ثانیہ تھا۔خواہ وہ شدھی میں وقف کی تحریک ہو یا وقت رخصت موسمی یا وقفِ تجارت یا وقف برائے دیہاتی معلمین اور وقف ریٹائرمنٹ یا وقف خاندان یا وقف اولاد یا وقف عارضی ہو یا مستقل۔

آئندہ احمدیت کی فتوحات کا دور واقفین نو کا دور ہوگا۔اس میں ابتدائی دور کے واقفین کے نمونے مشعل راہ رکھنے بھی ضروری ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب موصوف نے بعض بزرگ واقفین کی تصاویر کے ساتھ ان کے بعض ایمان افروز واقعات کا تذکرہ کر کے مضمون کو اور دلچسپ بنا دیا ہے۔

آخر میں آپ نے یہ اہم نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ واقفین سے مراد محض باضابطہ زندگی وقف کرنے والے ہی نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ہر فرد جماعت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی وقف کرے اور اس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کر کے کہہ سکے کہ میری زندگی میری موت میری قربانیاں میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور محترم ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس بے لوث خدمت کی بہترین جزا عطا فرمائے۔آمین

والسلام　　　　**خاکسار**

حافظ مظفر احمد

15-01-2005　　　　ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد (دعوت الی اللہ)۔ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلے عبدہ المسیح الموعود

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ

هو النـــــــــــــــاصر

دیباچہ

(محترم دوست محمد صاحب شاہد مورّخ احمدیت کے قلم سے)

تحریک وقف زندگی اتنی ہی پرانی تحریک ہے جتنا قدیم سلسلہ ماموریت و رسالت ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اس تاریخی دور میں خدائی نوشتوں کے مطابق چونکہ وحدت اقوام کی عالمگیر سطح پر تکمیل کے لئے جہاں پچھلی صدی سے برقی، آفاقی اور مواصلاتی اعتبار سے بے شمار ایجادات منصۂ شہود پر آ چکی ہیں وہاں موعود اقوام مسیح موعود مہدی دوراں اور آپ کے خلفاء ہمیشہ جو تحریکات کرتے آ رہے ہیں ان میں دعوت الی اللہ کے اعتبار سے سب سے نمایاں اور پر جوش تحریک وقف زندگی ہی کی ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا سے علم پا کر خبر دی تھی۔ ''ہمارے متبعین پر ایسا زمانہ آوے گا کہ عروج ہی عروج ہوگا'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ 459)

نیز فرمایا:۔

''اگر کوئی مر کر واپس آ سکتا تو وہ تین صدیوں کے بعد دیکھ لیتا کہ ساری دنیا احمدی قوم سے اُسی طرح پُر ہے جس طرح سمندر قطرات سے پُر ہوتا ہے۔''

(تشحیذ الاذھان جنوری 1913ء صفحہ 39)

خلافت خامسہ کے عہد مبارک کا انقلاب انگیز آغاز شروع ہی سے انکشاف کر رہا ہے کہ مستقبل کی عالمگیر فتوحات کا یہ نہایت اہم سنگ میل ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اس دور کے لئے خدائی القاء سے وقف نو کی جو روحانی فوج تیار فرمائی اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اس میں دعوت الی اللہ کے لئے بالخصوص وقف نو کے مجاہدین کے وسیع پیمانہ پر فوری اضافہ کی پر شوکت انداز میں توجہ دلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے عظیم بخشے کہ سلسلہ احمدیہ کے پر جوش داعی الی اللہ اور انگلستان کے سابق نیشنل

امیر مخدومی ومحترمی جناب افتخار احمد ایاز صاحب نے عصر حاضر کے اس فوری تقاضا کے عین مطابق ''وقف زندگی کی اہمیت وبرکات'' کے زیر عنوان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اور امام الزمان کے نائب خلفاء کے مقدس ارشادات کے حسین پھولوں کا نفیس گلدستہ ہی نہیں بنایا بلکہ دنیائے احمدیت کو معطر کرنے کیلئے ایک گلستان آباد کر دیا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ شمع خلافت کے پروانے اور جہاد القرآن کے فدائی اور شیدائی اس کو حرز جان بنائیں، سینہ سے لگائیں اور دل میں بسائیں۔

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ نے اپنے عہد خلافت کے پہلے سال (1914) مخلصین احمدیت کو ان کی عظمت شان وجلالت مرتبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے نہایت دل آویز اور ولولہ انگیز انداز میں فرمایا:

''تم خوب یاد رکھو کہ سیاست میں پڑنے اور اس کی طرف توجہ کرنے سے سلسلہ احمدیہ نہیں بڑھ سکتا اور ہم میں سے جو کوئی اوروں کے ساتھ مل کر سیاست میں پڑے گا وہ بھی کامیاب نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دنیا کی طرف جاتا ہے اس کو وہ بھی نہیں ملتی۔ پس اگر تم خدا تعالیٰ کے قرب کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہو تو وہ دنیا طلبی میں تمہیں نہیں ملے گا بلکہ خدا طلبی میں ملے گا۔خدا نے ہمارے لئے اپنے فضلوں کے دروازے کھولے ہوئے ہیں اور وہ انسان جس کو آنحضرت ﷺ نے سلام بھیجا اور جس کے ملنے کی توقع کرتے کرتے کئی بڑے بڑے بزرگ گزر گئے وہ خدا نے ہم میں پیدا کیا پھر اس کے ماننے کی ہمیں توفیق دی پھر ماننے ہی کی توفیق نہیں دی بلکہ اس کے سلسلہ کی خدمت کرنے کی بھی توفیق دی ہے۔پس تم خدا تعالیٰ کے دربار کے وائسرائے اور لیفٹننٹ گورنر ہو۔تمہیں دنیا کے کسی درجہ کی ضرورت نہیں ہے۔مسیح موعودؑ کا خادم آنحضرت ﷺ کا خادم ہے اور آنحضرت ﷺ کا خادم خدا تعالیٰ کا خادم ہے اس لئے تمہارے نام خدا تعالیٰ کے خادموں میں لکھے گئے ہیں۔اس سے بڑھ کر انسان کو اور کیا فخر مل سکتا ہے؟ ایک صحابی کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تمہیں سورہ فاتحہ یاد کراؤں اس نے عرض کی یارسول اللہ کیا خدا تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ کو یہ فرمایا ہے۔آپ نے کہا ہاں تمہارا نام لے کر فرمایا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ زور سے رونے لگ گیا کہ کیا میری بھی اتنی حیثیت ہے کہ خدا تعالیٰ میرا نام لے۔ہم پر خدا تعالیٰ کے کتنے احسانات اور اس کی کس قدر نعمتیں ہیں کہ ہمیں اس نے یاد کیا ہے۔ دنیا میں اگر کسی کو کوئی چھوٹا افسر بھی بلاتا ہے تو وہ پھولا نہیں سماتا لیکن افسوس اور صد افسوس اس پر جس کو خدا تعالیٰ بلائے اور وہ اس بلانے کی

قدر نہ کرے۔تم کو خدا نے بلایا ہے دنیا کے بادشاہ اور افسر تمہیں وہ نہیں دے سکتے جو خدا تعالیٰ دے سکتا ہے اس لئے تم اس کے بلانے پر دوڑتے اور شکر بجالاتے ہوئے جاؤ۔ دنیا کے مال و متاع، ناز و نعمت کے لحاظ سے اور لوگ تم سے زیادہ اور بہت زیادہ ہیں مگر دین کے خزانے صرف تمہارے ہی پاس ہیں ان کے پاس نہیں ہیں۔'' (''برکات خلافت'' انوار العلوم جلد 2 صفحہ 204)

اگلے سال 1915ء کے روح پرور خطاب میں حضور انور نے یہ بھی پیشگوئی فرمائی:

''دیکھو میں آدمی ہوں اور جو میرے بعد ہوگا وہ بھی آدمی ہی ہوگا جس کے زمانہ میں فتوحات ہوں گی وہ اکیلا سب کو نہیں سکھا سکے گا۔تم ہی لوگ ان کے معلم بنو گے۔ پس اس وقت تم خود سیکھو تا ان کو سکھا سکو۔ خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ دنیا کے لئے پروفیسر بنا دیئے جاؤ۔ اس لئے تمہارے لئے ضروری ہے اور بہت ضروری ہے کہ تم خود پڑھو تا آنے والوں کے لئے استاد بن سکو۔ اگر تم نے خود نہ پڑھا تو ان کو کیا پڑھاؤ گے۔ ایک نادان اور جاہل استاد کسی شاگرد کو کیا پڑھا سکتا ہے۔'' (انوار خلافت)

احمدی اٹھ کہ وقت خدمت ہے ۔۔۔ یاد کرتا ہے تجھ کو رب عباد
خدمت دین ہوئی ہے تیرے سپرد ۔۔۔ دور کرنا ہے تو نے شرّ و فساد
تجھ پہ ہے فرض، نصرت اسلام ۔۔۔ تجھ پہ واجب ہے دعوت و ارشاد
فتح تیرے لئے مقدر ہے ۔۔۔ تیری تائید میں ہے رب عباد
قصر کفر و ضلالت و بدعت ۔۔۔ تیرے ہاتھوں سے ہوگا برباد

(کلام محمود)

رب العرش اس بیش قیمت تالیف کو جو خدائے مہدی اور حضور کے آسمانی خلفاء کی انقلاب آفریں تحریرات وارشادسے مرصّع ہے دنیائے احمدیت ہی کے لئے نہیں کل عالم کے لئے باعث برکات خاصہ بنائے اور وہ وقت ہم سب خلافت خامسہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں جب ایک ہی جھنڈا ہو جو اسلام کا ہو، مرکز انسانیت خانہ کعبہ قرار پائے اور اقوام عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمگیر پیشوا اور قرآن مجید کو دائمی آئین تسلیم کیا جائے آمین ثم آمین۔

طالب دُعا

دوست محمد شاہد۔مؤرخ احمدیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وعلیٰ عبدہِ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھوالنّاصــــر

واجعل لي من لدنك سلطاناً نصيراً
انا فتحنا لك فتحاً مبيناً
ولقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة
خلیفۃ المسیح
امام جماعت احمدیہ

لندن
01-02-05

پیارے مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جس میں آپ نے اپنی تصنیفی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ آپ کی کوششوں میں برکت عطا کرے اور ان کے کامیاب نتائج ظاہر فرمائے۔ اس کے پیاروں میں آپ کا شمار ہو اور ہمیشہ اس کی رضا کی راہیں آپ کے پیش نظر رہیں۔ اللہ آپ کو اپنی جناب سے ہر خیر کا وارث بنائے اور دین و دنیا کی سعادتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام
خاکسار
مرزا مسرور احمد
خلیفۃ المسیح الخامس

یوکے
حال دہلی

مکتوب ازنواب منصور احمد خان صاحب وکیل التبشیر تحریک جدید ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ربوہ
17-1-05

برادرم مکرم افتخار ایاز صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنمکرم کا ارسال فرمودہ مسودہ وقف زندگی کی اہمیت وبرکات خاکسار نے دیکھا ہے۔ زیادہ حصہ تو لفظ لفظ پڑھا ہے۔ کچھ حصہ سرسری دیکھا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی ایمان افروز حوالہ جات بابت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اور آپ کے خلفاء کے اکٹھے ہو گئے ہیں۔ آپ نے اس سلسلہ میں جو محنت کی ہے وہ قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو سب احمدیوں بالخصوص نئی نسل کے لئے بہت مفید بنائے کہ ان میں خدمت دین کی خاطر زندگیاں وقف کرنے کا جوش پیدا ہو۔ نیز جو وقف کر دیں ان کو اس کتاب میں مذکور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء احمدیت کے ارشادات پڑھ کر وقف کی روح کے ساتھ اپنے فرائض کی بجا آوری کی توفیق ملے۔

اگر آخر میں خلفاء سلسلہ کے الفاظ میں بعض ابتدائی مبلغین اور واقفین کے بارہ میں ارشادات بھی اکٹھے ہو جائیں تو بہت مفید رہے گا۔ دور آخر اور وقف زندگی کے باب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فتح اسلام کا حوالہ ’’............سچائی کا آفتاب نکلنے کو ہے لیکن قریب ہے کہ آسمان اسے طلوع ہونے سے روکے رکھے جب تک محنت اور جانفشانی سے جگر خون نہ ہو جائیں......‘‘ شامل کرلیں تو اچھا ہے۔

والسلام

(دستخط)

(الحمد للہ تجاویز کو شامل کرلیا گیا ہے)   وکیل التبشیر۔ تحریک جدید۔ ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سید محمود احمد ناصر

برادرم مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

وقفِ نو کی تحریک کے بعد واقفین زندگی کی تحریک اب سینکڑوں سے ہزاروں میں چلی گئی ہے اور واقفینِ نو اب جامعہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

آپ کی مرتب کردہ کتاب بہت بروقت ہے جامعہ کے دو اساتذہ نے اس کو پڑھ کر دو ایک مفید مشورے بھی دیئے ہیں جو آپ نے بخوشی قبول فرما کر کتاب میں شامل فرمائے ہیں۔

ماشاء اللہ عمدہ مواد ہے بڑی محنت سے آپ نے اس مضمون کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور آپ کی محنت اور کوشش کا دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین خیرا

والسلام

خاکسار

سید محمود احمد ناصر

پرنسپل

جامعہ احمدیہ ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

وقفِ زندگی کی اہمیت و برکات

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رب العلمین۔ لا شریك لہٗ و بِذٰلِكَ اُمِرْتُ و اَنَا اَوَّلُ الْمُسلِمِیْن۔ (الانعام164-163)

(ترجمہ)۔تو (اُن سے) کہہ دے کہ میری نماز اور میری قربانیاں اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے (اور) اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس (امر) کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

دنیا میں پیدا ہونے والا کوئی انسان اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ یوں تو ہر انسان کا وجود کائنات کے عجائبات میں سے ہے مگر اکناف عالم میں دنیا بھر کے انسانوں کا سلسلہ توالد و تناسل تو حد درجہ محیّر العقول ہے۔ خالق کائنات نے کمال مہربانی سے قرآن کریم میں انسان کو اس کی پیدائش کی غرض و غائت سے یوں آگاہ فرمایا ہے کہ جنّ و انس کو خدا تعالیٰ کی عبادت یعنی اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں فرمائی گئی کہ تمہاری پیدائش اور وفات کا سراسر مقصد یہ ہے کہ تم انسانوں میں کون بہتر اعمال بجالا کر اپنے خالق و مالک کو راضی کرتا ہے اور پھر اس لامتناہی جنت کا وارث بنتا ہے کہ جس کی وسعت زمین و آسمان سے بھی بڑھ کر ہے جو جدید سائنس کے مطابق ہر لمحہ پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔ جنت کی وسعت کا یہ تمثیلی بیان تو صرف محدود انسانی عقل کے ادراک کے لئے ہے

ورنہ اس کی عظیم قدرت کی حدوبست کا اندازہ تو عاجز انسان کے لئے ممکن ہی نہیں۔ انسان کے کسی حق کے بغیر اس کی پیدائش اور پھر ہر لحہ اس کی جسمانی اور روحانی ترقیات کے بیش از بیش انتظامات ربّ کریم کے پے در پے احسانات کا محض ایک محدود عکس ہیں جس کا انسان پر ہر آن شکر لازم ہے جس کے طریق اور انداز کی طرف اللہ تعالیٰ نے خود رہنمائی فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اپنی حکمت کاملہ سے انسان کو صفحۂ ہستی پر اُتارا تو اس پر اس کی پیدائش کی غرض وغایت سورہ الانعام کی آیات 164,163 میں یوں بیان فرمائی کہ تو کہہ دے کہ میری عبادت اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں فرماں برداروں میں سب سے اوّل ہوں۔

گو ہر دو آیات کے اوّلین مخاطب آنحضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر دراصل آپ کی اقتداء میں ہر بندۂ مومن اور ساری امت مسلمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہی ہدایت ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ عربی لفظ قُل صرف ایک بار اعلان کرنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بار بار اور آخر دم تک اس اعلان کو جاری رکھنے کی ہدایت کرتا ہے یعنی ہر مومن اپنی زندگی کے آخر دم تک اور پھر کُل جماعت مومنین قیامت تک یہ سلسلہ جاری رکھے اور زبانِ حال سے یہ اعلان کرے اور کرتا رہے کہ وہ تو ایمان لانے والوں میں سب سے آگے ہے۔ اِس بابرکت سلسلہ کا حقیقی آغاز تو سید ولد آدم حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم کی عدیم المثال جانفشانی، عبادتوں، قربانیوں اور صرف خدا کی راہ میں جینے اور مرنے سے ہوا۔ اور اب جماعت احمدیہ کی حد درجہ خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس دورِ آخرین میں دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اکنافِ عالم میں اشاعت کے لئے چُن لیا ہے۔ زہے نصیب کہ جس مسیح الزمان کے انتظار میں کروڑوں چل بسے اُسے ہم جیسے گناہ گاروں نے نہ صرف پالیا بلکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور پھر آپ کے نقش قدم پر چلنے والے خلفاء کرام کے اتباع میں شامل فرمایا، ہماری کسی خوبی کی بناء پر نہیں بلکہ صرف اپنے خاص الخاص فضل اور احسان سے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

جماعت احمدیہ کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے عین مطابق سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ

السلام کی زندگی میں اعلیٰ ترین قربانی برائے اشاعت و ترویج دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سلسلہ وقف زندگی کا شروع ہوا وہ اب خلافت راشدہ خامسہ احمدیہ میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک سرسبز و شاداب درخت بن چکا ہے جس کی شاخیں اکنافِ عالم میں پھیل چکی ہیں اور جس کے پھولوں کے رنگ اور خوشبو سے دنیا کے ملکوں کی سرزمین مہک رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ جو انسان کا خالق بھی ہے، رب بھی ہے اور مالک بھی ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے لئے خالص ہو جائیں، اس سے محبت کریں، اس سے پیار کریں، تا وہ بھی ان سے محبت کرے اور اپنے حسن کے جلوے ان پر ظاہر کرے اپنی نعمتوں اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے مگر وہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے وجودوں سے اور دنیوی چیزوں سے محبت کرتے ہیں ان کے لئے سخت تنبیہہ کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (توبہ: 24)

ترجمہ: تو مومنوں سے کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ دادے اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے دوسرے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارتیں جن کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکان جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے کی نسبت زیادہ پیارے ہیں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنے فیصلہ کو ظاہر کر دے اور اللہ اطاعت سے نکلنے والی قوم کو کبھی کامیابی کا راستہ نہیں دکھاتا۔

یہی سچی اور کامل محبت جو بندے کو خدا سے ہوتی ہے دراصل ''وقف زندگی'' کہلاتی ہے۔ گویا ایک بندہ اپنے رب کے حضور اس کی محبت میں فنا ہو کر اس کی رضا کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ اپنی زندگی اس کے قدموں میں لا ڈالتا ہے۔ اپنا مال اس کی راہ میں فدا کر دیتا ہے، اپنا سب کچھ اس کی رضا کے حصول کیلئے وقف کر دیتا ہے، اپنی عزت اپنے رب کی عزت کو قائم کرنے کے لئے قربان کر

دیتا ہے، وہ اپنے رب کا کامل فرمانبردار اور مطیع بن جاتا ہے یہاں تک کہ خدا کی رضا اس کی رضا ہو جاتی ہے اور خدا کی ناراضگی اس کی ناراضگی بن جاتی ہے اور جن کاموں کو خدا پسند کرتا ہے اسے پسند آنے لگتے ہیں اور جن کاموں کو وہ ناپسند کرتا ہے اسے بھی ان سے نفرت ہو جاتی ہے اور خدا کے احکام پر چلنے سے اسے راحت اور سکون ملتا ہے۔ یہ اطاعت اور فرمانبرداری کسی ڈر اور خوف کے نتیجہ میں نہیں بلکہ محبت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اگر خوف ہوتا ہے تو اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں اس کے کسی قول یا فعل سے اس کا رب اس سے ناراض نہ ہو جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”اصل توحید کو قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت سے پورا حصہ لو اور یہ محبت ثابت نہیں ہو سکتی جب تک عملی حصہ میں کامل نہ ہو............ میری غرض یہ ہے کہ زبانی اقرار کے ساتھ عملی تصدیق لازمی ہے اس لئے ضروری ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرو اور یہی اسلام ہے اور یہی وہ غرض ہے جس کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے۔“ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 138)

اسلام کا مفہوم

اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف کر دینے کا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:

بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ (البقرۃ:113)

کہ رضائے الٰہی کی جنت میں وہی داخل ہوں گے اور وہی اپنی زندگیوں کے مقصد کو پائیں گے جو اپنے نفوس کو کلیۃً اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے اس طرح کہ وہ اپنے جان و مال، عزت و ناموس اولاد اور املاک کی بڑی سے بڑی قربانی دے کر بھی اگر خدا کی رضا حاصل کرنی پڑے تو کریں گے اور اپنی گردنوں کو خدا کی چھری کے نیچے ایسے رکھ دیں گے جیسے قصاب کی چھری کے نیچے بکرے کی گردن رکھ دی جاتی ہے۔ دوسری جگہ اس مفہوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امی وابی) کی مثال دے کر یوں بیان کیا کہ آپ کی نمازیں اور آپؐ کی قربانیاں آپؐ کا زندہ رہنا اور آپ کا مرنا سب کچھ خدا کے لئے تھا چنانچہ فرمایا:

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الانعام:163)

اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''خدا تعالیٰ کے بندے کون ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دی ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیتے ہیں اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا اپنے مال کو اس کی راہ میں صرف کرنا اس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں مگر جو لوگ دنیا کی املاک اور جائیداد کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں مگر حقیقی مومن اور صادق مسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔ سچا اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کر دے تاکہ وہ حیات طیبہ کا وارث ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ اس للّٰہی وقف کی طرف ایماء کرکے فرماتا ہے:

من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجرهٗ عند ربه ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔ (البقرة:113)

''اس جگہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کے معنے یہی ہیں کہ ایک نیستی اور تذلل کا لباس پہن کر آستانۂ الوہیت پر گرے اور اپنی جان مال، آبرو، غرض جو کچھ اس کے پاس ہے خدا ہی کے لئے وقف کرے اور دنیا اور اس کی ساری چیزیں اس کی خادم بنا دے۔،،

غرض اسلام کا مفہوم ہی اللہ تعالیٰ کے لئے وقف زندگی کو چاہتا ہے۔ ایک حقیقی مسلمان خدا کا واقف زندگی ہوتا ہے اور خدا کا واقف زندگی ہی دراصل حقیقی مسلمان ہوتا ہے۔

تین قسم کا وقف

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سچے مسلمان کی زندگی تین رنگ سے اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتی ہے۔

چنانچہ پہلے رنگ کا وقف جس کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان خدا تعالیٰ کے احکام کے جوئے کو کمال رضا اور انشراح صدر کے ساتھ اپنی گردن میں ڈالنے کے لئے تیار ہو جائے اور ہر وقت اس بات کے لئے کوشاں رہے کہ اس کا ہر قول اس کا ہر فعل اس کی ہر فکر محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے

چنانچہ فرمایا:۔

و من النّاس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله و الله رءوف بالعباد (البقرہ:208)

یعنی انسانوں میں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں۔ وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی مرضی کو حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے۔

پھر اسی مفہوم کی طرف یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے کہ:۔

بلیٰ من اسلم وجهه لله (البقرۃ:113)

اس قسم کی دیگر بھی بیشمار آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ غرض پہلی قسم کا وقف جس کا أَسْلِمْ مطالبہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو تمام قویٰ اور اعضاء اور جو کچھ اپنا ہے خدا تعالیٰ کو سونپ دینا چاہئے یہاں تک کہ بلاشبہ ایک قسم کی موت اس پر طاری ہوجائے۔

اس وقف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''کوئی انسان کبھی اس شریف لقب اہل اسلام سے حقیقی طور پر ملقب نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنا سارا وجود معہ اس کی تمام قوتوں اور خواہشوں اور ارادوں کے حوالہ بخدا نہ کر دیوے۔ اور اپنی انانیت سے مع اس کے جمیع لوازم کے ہاتھ اٹھا کر اس کی راہ میں نہ لگ جاوے۔''

نیز فرماتے ہیں:۔

''خدا تعالیٰ کی راہ میں زندگی کا وقف کرنا جو حقیقت اسلام ہے دو قسم پر ہے ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے اور اس کی عبادت اور محبت اور خوف اور رجاء میں کوئی دوسرا شریک باقی نہ رہے اور اس کی تقدیس اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضا و قدر کے امور بدل و جان قبول کئے جائیں اور نہایت نیستی اور تذلل سے ان سب حکموں اور حدوں اور قانونوں اور تقدیروں کو بارادت تامہ سر پر اٹھالیا جاوے اور نیز وہ تمام پاک صداقتیں اور پاک معارف

جو اس کی وسیع قدرتوں کی معرفت کا ذریعہ اور اس کی ملکوت اور سلطنت کے علو مرتبہ کو معلوم کرنے کے لئے ایک واسطہ اور اس کی آلاء اور نعماء کے پہچاننے کے لئے ایک قوی رہبر ہیں بخوبی معلوم کر لی جائیں"

دوسرے رنگ کا وقف

دوسری قسم کا وقف جس کا اسلام مطالبہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرنے کے علاوہ انسان خدا تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت میں اپنی زندگی لگا دے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان وایتائ ذی القربٰی (النحل:91)

یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ باہمی تعلقات کے معاملے میں عدل وانصاف سے کام لیا جائے اور اس سے بڑھ کر احسان سے کام لیا جائے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمام بنی نوع انسان سے اُس طریق سے حسن سلوک کیا جائے اور ایسے رنگ میں ان کی خدمت کی جائے جس طرح اپنے قریب ترین رشتہ دار سے حسن سلوک اور ان کی خدمت کی جاتی ہے۔ نیز فرمایا:۔

فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ و اقام الصلٰوۃ وایتاء الزکوٰۃ۔ (النور:38-37)

یعنی ایسے مسلمان گھرانوں پر خدا کا فضل نازل ہوتا ہے جس میں رہنے والوں کو دنیا کے دھندے دو باتوں سے غافل نہیں کرتے اول اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی تسبیح اور اس کی عبادت سے اور دوئم زکوٰۃ کے ادا کرنے سے۔

اس دوسری بات میں اس طرف اشارہ کیا کہ حقوق العباد کا خیال رکھنے میں بھی وہ اسی ایمان، جذبہ اور ایثار سے کام لیتے ہیں جس سے وہ حقوق اللہ کا خیال رکھتے ہیں اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''دوسری قسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور باربرداری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جاوے۔ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دکھ اٹھاویں اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارہ کرلیں۔''

تیسرے رنگ کا وقف

تیسرے رنگ کا وقف جس کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان دین کی اشاعت اس کے استحکام اور اس کی ترقی کے لیے اپنے نفوس اور اپنے اموال وقف کرے عام حالات میں مسلمان کو اس بات سے منع نہیں کیا گیا کہ وہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے جو دنیوی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اس پر یہ بات فرض کر دی گئی ہے کہ جس طرح عام حالات میں وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے اپنی طاقت اور قوت کے مطابق حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اسی طرح اس پر لازم ہے کہ جب دین کو اور مسلمانوں کو ان کی حفاظت اور ترقی کے لیے اس کی ضرورت ہوتو وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے پیش کر دے۔ اسلام کے مفاد کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے اور جس طرح ان سے عام حالات میں محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے ناجائز باتوں کو ترک کیا تھا اب جائز باتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کے استحکام کے لئے ترک کر دے۔ اس وقف کا پہلی دو قسموں کے وقف سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہو وہ لازماً اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کے دین کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہوگا وہ مجبور ہوگا اپنے اخلاص، اپنی محبت اپنے ایمان کے ہاتھوں کہ وہ ہر قربانی پیش کر دے۔ اور خدا کے مشن کو دنیا میں کامیاب کر دے اور ایسے ہی شخص کو جو رضائے الٰہی کی راہوں پر چلنے والا ہو خدا کے دین کی مدد کے لیے بلایا جاسکتا ہے کیونکہ صرف ایسے شخص کا ہی اخلاص اور صدق دین کے لیے مفید ہوسکتا ہے۔ یہ تیسری قسم کا وقف دراصل معراج ہے اس قربانی کا جو انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے کیونکہ اس وقف کے بعد وہ محض اللہ تعالیٰ کے دین کی اغراض کو پورا کرنے کے لیے ایسی باتوں کو بھی ترک کر دیتا

ہے جو اس کے لیے جائز تھیں۔ وہ خدا کے دین کے لیے اپنے تعلقات کو قربان کرتا ہے۔ اپنے جذبات کو قربان کرتا ہے۔ اپنی آسائشوں کو قربان کرتا ہے۔ اپنی خواہشوں کو قربان کرتا ہے۔ اپنے رشتہ داروں کو قربان کرتا ہے۔ اپنے بیوی بچوں اور ماں باپ کو قربان کرتا ہے۔ اپنے اوقات اپنی املاک کو قربان کرتا اپنی عزت کو قربان کرتا ہے اپنی جان کو قربان کرتا ہے۔ یہی وہ قربانی تھی جو آدم سے لے کر اب تک تمام انبیاء نے دی اور ان کے علاوہ بے شمار خلفاء اور برگزیدہ انسانوں نے دی۔

قرآن کریم میں وقف کا ذکر

یہی وہ قربانی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یوں فرماتا ہے:۔

یاَیھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علی تجارۃٍ تنجیکم من عذاب الیم۔ تؤمنون باللہ و رسولہٖ و تجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم ذالِکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ یغفرلکم ذنوبکم ویدخلکم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار و مسٰکین طیبۃ فی جنّٰت عدن۔ ذالك الفوز العظیم و اخرٰی تحبونھا نصر من اللہ و فتح قریب و بشر المؤمنین۔ یاَیھا الذین اٰمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی ابن مریم للحوارین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ۔ (الصّف: 11تا15)

''اے مومنو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی خبر دوں جو تم کو دردناک عذاب سے بچائے گی۔ وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو اور اگر تم جانو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تمہارے ایسا کرنے پر وہ تمہارے گناہوں کو معاف کریگا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور ہمیشہ رہنے والی جنتوں کے پاک مکانوں میں تم کو رکھے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے جو وہ تم کو دے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جس کو تم بہت چاہتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی تائید ہے اور ایک جلدی حاصل ہونے والی فتح ہے اور مومنوں کو بشارت دے کہ ان کو ایک جلدی حاصل ہونے

والی فتح ملے گی۔ اے مومنو! تم اللہ تعالیٰ یعنی اس کے دین کے مددگار بنو جیسا کے عیسٰی بن مریم نے جب حواریوں سے کہا کہ خدا کے قریب (لے جانے والے) کاموں میں میری مدد کون کرے گا تو وہ بولے کہ ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے۔

پھر فرمایا:-

لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ بأموالھم و انفسھم فضّل اللہ المجاھدین بأموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلاّ وعد اللہ الحسنٰی و فضّل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرًا عظیما درجات منہ ومغفرۃً ورحمۃ وکان اللہ غفورًا رّحیما۔ (النّساء:97,96)

یعنی مومنوں میں ایسے بیٹھے رہنے والے جو ضرر رسیدہ نہیں ہیں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعہ جہاد کرنے والوں کو پیچھے بیٹھے رہنے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو پیچھے بیٹھے رہنے والوں پر (بہت) بڑے اجر کا وعدہ کر کے ضرور فضیلت دی ہے۔

غرض نفوس اور اموال کی قربانی جس کا دوسرا نام جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے وہ تیسرے قسم کا وقف ہے جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ ایک حقیقی مسلمان سے کرتا ہے اور اس وقف کی نوعیت دین کی اغراض کی نوعیت کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب دین کے خلاف تلوار اٹھائی جاتی ہے تو مسلمان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ دین کو قائم کرنے کے لئے تلوار اٹھائے اور اس راہ میں اپنی جان کی قربانی دے دے۔ جب دین کے خلاف اموال خرچ کئے جاتے ہیں تو مسلمان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اموال کو دین کے استحکام اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وقف کر دے۔ جب دین کے خلاف قلم اٹھائی جاتی ہے تو مسلمان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ دشمن کا مقابلہ قلم سے کرے جب اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ دُنیا میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مبلغین تیار کیے جائیں اور قرآن و احادیث کی اشاعت کی جائے تو مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ

مبلغین اور معلمین کی صورت میں تمام اکناف عالم میں پھیل جائیں اور جب تک دنیا میں اسلام نہ پھیل جائے اللہ تعالیٰ کی توحید دنیا میں قائم نہ ہو جائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا میں بلند نہ ہو جائے ہر وقت مبلغین تیار ہوتے رہیں اور اسلام کی تبلیغ اور تعلیم کا کام جاری رہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

ولتکن مّنکم امّۃ یّدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولٰئك ھم المفلحون۔ (اٰل عمران:105)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان

اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے جس رنگ میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا مطالبہ کیا ہے اس کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''یہ انسان کی بات نہیں خدا تعالیٰ کا الہام ہے اور رب جلیل کا کلام ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان حملوں کے دن نزدیک ہیں مگر یہ حملے تیغ وتبر سے نہیں ہوں گے اور تلواروں اور بندوقوں کی حاجت نہیں پڑے گی بلکہ روحانی اسلحہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد اترے گی اور یہودیوں سے سخت لڑائی ہوگی (یعنی یہود صفت لوگوں سے) سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اُس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے وہ آفتاب اپنے پورے کمال کیساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھودیں اور اعزازِ اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کرلیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے۔ ہمارا اس راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمان کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔'' (فتح اسلام صفحہ 13 تا 17)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کو اسی غرض کے لیے قائم کیا کہ وہ حقیقی مسلمان بنیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے احیاء کے لیے جو مطالبہ پیش کیا گیا ہے اس پر لبیک

کہتے ہوئے آگے بڑھیں اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔

اور ہم نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ سے بنی ہوئی جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے گروہ نے انتہائی صدق اور اخلاص کے ساتھ اپنی گردنوں کو خدا کی چھری کے نیچے رکھ دیا اور اسلام کے احیاء کے لیے اس طرح کوشاں ہو گئے کہ فی الحقیقت اپنے نفوس پر ایک موت سی وارد کر لی۔ پھر ابتدائی تابعین کا گروہ آیا اور انہوں نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بڑے خلوص اور قربانی کا نمونہ دکھایا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا نمونہ

قرآن کریم نے اپنے واقف زندگی محبین کے واقعات کو ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما لیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابراھیم علیہ السلام کے کانوں میں اس کے رب کی یہ آواز پہنچی کہ اے ابراھیم

"اَسْلِمْ"

تو کامل فرمانبردار بن جا اور اپنا سب کچھ خدا کی خاطر وقف کر دے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے۔ تو اُس خدا کے عظیم بندے ''ابوالانبیاء'' نے بے ساختہ عرض کی۔

"اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (بقرہ: 132)

کہ میں تو تمام جہانوں کے رب کیلئے فرمانبردار ہو چکا ہوں اپنا سب کچھ اس کے سپرد کر چکا ہوں، میری جان، مال، عزت و آبرو اب میرے نہیں رہے بلکہ سب کچھ میرے خدا کے لئے وقف ہیں۔ صرف میرا نفس ہی نہیں میرے اہل و عیال بھی اُسی کے لئے ہیں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا محض یہ دعویٰ ہی نہ تھا بلکہ جب خدا کا حکم ہوا کہ اپنی محبوب بیوی اور کمسن جگر گوشہ اسماعیلؑ کو بے آب و گیاہ اور ویران وادی غیر ذرع میں اکیلا اور تنہا چھوڑ آئے تو بغیر حیل و حجت، بغیر چوں چرا کامل اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انشراح صدر کے ساتھ اُن دونوں کو بغیر کسی ظاہری آسرے اور سہارے کے وہاں چھوڑ آئے گویا بادی النظر میں موت کی وادی میں چھوڑ آئے۔

اور پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رؤیا میں دیکھا کہ اپنے لخت جگر کی گردن پر چھری چلا

رہے ہیں تو ظاہری طور پر بھی چھری لے کر اُسے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے کیونکہ اس وقت تک انسانی قربانی ممنوع نہ ہوتی تھی۔ نہ صرف خود تیار ہوئے بلکہ آپ کا فرمانبردار بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام جو باپ کی طرح وقف کی روح سے سرشار تھا نے بلا تردّد کہا کہ اے میرے باپ **افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ** (الصّٰفّٰت:103) اے میرے باپ میں حاضر ہوں۔ جو تجھے حکم ملا ہے اسے پورا کر۔ میری گردن خدا کی راہ میں کٹنے کے لئے مستعد ہے اور میری روح حکم باری تعالیٰ کی تعمیل کے لئے تیار ہے۔ اور جب حضرت ابراھیم علیہ السلام کو تبلیغ کا حکم ہوا تو توحید باری تعالیٰ کا پرچار خوب خوب کرتے رہے اور مخالفت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے ذرہ بھر بھی پرواہ نہ کی کہ اس راہ میں انہیں تپتی ہوئی، شعلہ زن آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ آپ نے آگ میں جھونکا جانا قبول کر لیا مگر اپنے وقف کی روح پر آنچ نہ آنے دی۔

اوّلین واقفین زندگی

یہی وہ وقف زندگی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر دور میں جاری وساری رہا ہے۔ ان واقفین کی فوج ظفر موج میں اول درجہ کے واقفین زندگی انبیاء علیہم السلام ہوا کرتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''کامل وقف کے سوا نبوت ہو نہیں سکتی۔'' (خطبہ جمعہ 3۔اپریل 1987ء)

چنانچہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ اپنا سب کچھ پیش کر دو اور اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کیلئے اور بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کر دو تو انہوں نے لبیک کہا اور بڑی خوشی اور مسرت سے اپنی زندگیاں اپنے رب کے حضور پیش کر دیں اور پھر خوب خوب اس وقف کے عہد کو نبھایا اور آخری دم تک کامل فرمانبرداری کے ساتھ اس وقف پر قائم رہے۔

لفظ ''وقف'' کی لغوی تحقیق

وَقَفَ الدَّارَ: حَبَسَهَا فِی سَبِیْلِ اللهِ (المنجد)

اَلْوَقْفُ: عِنْدَ الْفُقَهَآءِ حَبْسُ الْعَیْنِ عَلَی الْمِلْكِ وَقِیلَ لِلموقوف وَقْفٌ۔

(اقرب الموارد)

وَقْفٌ: اَلْوُقُوْفُ: خِلَافُ الْجُلُوْسِ۔ اَلْوَقَّافُ: اَلَّذِی لَا یَسْتَعْجِلُ فِی الْاُمُوْرِ

(لسان العرب)

وَقْفٌ: ما یَحْبِسُهُ الْمُحْسِنُ وَ یُقَدِّمُهُ و یَتَصَدَّق بِهٖ من ارضٍ او بناءٍ او نحوَها فی سبیل اللہِ للتصدُّق بمنفعتِهٖ علی المعُوزین و غیر ذالك

(الرائد۔ معجم لغوی عصری)

وَقْفٌ:

To stop, stand still.
To stand up, get up
To endow.
To dedicate, consecrate, devote unalienable property, entailment.
Unalienable property, entailment.
(by Elias A. Elias- القاموس العصری)

وقف:

خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی چیز جس کا کوئی مالک نہ بنایا گیا ہو۔

رفاہ عامہ کی چیز جسے ہر کوئی استعمال کر سکتا ہو۔

(کسی چیز کو کسی خاص کام یا غرض کیلئے) مخصوص کرنا

کسی کام میں اتنا زیادہ مشغول یا مصروف ہونا کہ دوسری طرف توجہ نہ دے سکے۔

(جامع علمی اردو لغت مؤلفہ وارث سرھندی۔ مطبع علمی کتب خانہ لاہور)

وقف: ’’وہ چیز جو کسی کی ملک نہ ہو اور خدا کی راہ میں دے دی ہو۔ پُن کی ہوئی چیز، خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی چیز جس کا کوئی خاص مالک نہ ہو مگر اُس مذہب کے سب لوگ اس کے نگران ہوں۔

کسی شئے کے فوائد کو ہر شخص کے واسطے مباح کرنا۔ پُن کرنا۔‘‘

لگا دل میں وقف جگر ہوگیا تیرا تیر تیری نظر ہو گیا (زکی)

(فرھنگ آصفیہ مؤلفہ سید احمد خاں صاحب دہلی)

وقف: ''فقہ اسلامی میں مالی املاک یا رفاہ عامہ کی عمارت جسے بانی یا مالک ہمیشہ کیلئے اللہ کی راہ میں دے دیں۔ اس کے شرعی وارث اسے حاصل نہیں کر سکتے بلکہ مسلمانوں کی کسی جماعت یا حکومت کی طرف سے انتظام کیا جاتا ہے۔'' (اردو جامع انسائکلو پیڈیا۔ مولانا حامد علی خان صاحب)

لغوی تحقیق کا خلاصہ

اس لغوی تحقیق سے معلوم ہوا کہ ''وقف زندگی'' کا مطلب ہے کہ اپنی زندگی کو ہمیشہ ہمیش کے لئے خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا۔ وقف کرنے کے بعد انسان اپنی جان، مال، عزت و آبرو اپنے اوقات اپنی خواہشات کسی چیز کا بھی مالک نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا قائم کردہ نظام جماعت اس کے مالک بن جاتے ہیں۔ پس ایک واقف زندگی کامل فرمانبرداری اور اطاعت کا مجسمہ بن جاتا ہے۔

پھر وقف کا یہ معنی بھی ہے کہ اپنی زندگی کو کسی خاص مقصد اور خواہش کے حصول کی خاطر مخصوص کر لینا اور اس مقصد کے لئے اس قدر کوشش کرنا اور اس کے کاموں میں اس قدر مشغول رہنا کہ کسی دوسرے کی طرف توجہ ہی نہ دے سکے۔ گویا ایک واقف زندگی مستعد، چوکس اور ہر وقت کمر ہمت باندھے رکھتا ہے، سست ہو کر بیٹھ نہیں جاتا بلکہ چوکس کھڑا رہتا ہے اور جلد بازی سے کام نہیں لیتا بلکہ تحمل اور مستقل مزاجی سے کام لیتا ہے۔ اس طرح ایک واقف زندگی کے وجود سے خیر ہی خیر پھوٹتی ہے۔ وہ فیض رساں ہوتا ہے جس کے فیض سے ساری قوم حصہ پاتی ہے اور ہر چھوٹا بڑا عالم جاہل امیر غریب یکساں اُس سے مستفید ہوتے ہیں۔

جماعت احمدیہ میں وقف زندگی

جماعت احمدیہ میں زندگی وقف کرنے کی جو روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی زندگی کو کلیۃً سلسلہ احمدیہ کے کاموں کیلئے مخصوص کر کے اس کو خلافت اور نظام جماعت کے حضور پیش کر دینا کہ وہ جس طرح چاہیں اس زندگی وقف کرنے والے سے سلسلہ کی خدمت لیں اور زندگی وقف کرنے کے بعد واقف زندگی کا کوئی حق باقی نہیں رہتا بلکہ یہ سلسلہ کا حق بن جاتا ہے کہ اس کی طاقتوں اور استعدادوں کو سلسلہ جس طرح چاہے اور جس طرح اُسے ضرورت ہو کام میں لاوے۔

قرآن کریم اور وقفِ زندگی

قرآن کریم نے وقف زندگی کا مفہوم لفظ ''اسلام'' میں بیان فرمایا ہے۔ دراصل اسلام کی اعلیٰ اور ارفع حقیقت کا نام وقف کے سوا کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

اسلام کے لغوی معنی

''واضح ہو کہ لغت عرب میں اسلام اس کو کہتے ہیں کہ بطور پیشگی ایک چیز کا مول دیا جائے اور یا یہ کہ کسی کو اپنا کام سونپیں اور یا یہ کہ صلح کے طالب ہوں اور یا یہ کہ کسی امر یا خصومت کو چھوڑ دیں۔''

اسلام کے اصطلاحی معنی

اور وہ اصطلاحی معنی اسلام کے وہ ہیں جو اس آیت کریمہ میں اُس کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ کہ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (بقرہ:113)

یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لئے اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیوے اور پھر نیک کاموں پر خدا تعالیٰ کے لئے قائم ہو جائے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دیوے۔ مطلب یہ ہے کہ اعتقادی اور عملی طور پر محض خدا کا ہو جاوے۔

اعتقادی اور عملی طور پر خدا کا ہونا

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اعتقادی طور پر اس طرح سے کہ اپنے تمام وجود کو در حقیقت ایک ایسی چیز سمجھ لے جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی اطاعت اور اس کے عشق اور محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے بنائی

گئی ہے۔ اور ''عملی'' طور پر اس طرح کہ خالصتاً للہ حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق اور ہر ایک خداداد توفیق سے وابستہ ہیں بجالاوے گو ایسے ذوق وشوق وحضور سے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے معبود حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے۔............

اسلام کی حقیقت تب کسی میں متحقق ہوسکتی ہے کہ جب اس کا وجود مع اپنے تمام باطنی وظاہری قویٰ کے محض خداتعالیٰ کے لئے اور اس کی راہ میں وقف ہوجاوے اور جو امانتیں اُس کو خداتعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں پھر اس معطی حقیقی کو واپس دی جائیں اور نہ صرف اعتقادی طور پر بلکہ عمل کے آئینہ میں بھی اپنے اسلام اور اس کی حقیقت کاملہ کی ساری شکل دکھلائی جاوے یعنی شخص مدعی اسلام یہ بات ثابت کردیوے کہ اس کے ہاتھ اور پیر اور دل اور دماغ اور اس کی عقل اور اس کا فہم اور اس کا غضب اور اس کا رحم اور اس کا حلم اور اس کا علم اور اس کی تمام روحانی اور جسمانی قوتیں اور اس کی عزت اور اس کا مال اور اس کا آرام اور سرور اور جو کچھ اس کا سر کے بالوں سے پیروں کے ناخنوں تک باعتبار ظاہر و باطن کے ہے یہاں تک کہ اس کی نیّات اور اس کے دل کے خطرات اور اس کے نفس کے جذبات سب خداتعالیٰ کے ایسے تابع ہوگئے ہیں کہ جیسے ایک شخص کے اعضاء اس شخص کے تابع ہوتے ہیں۔ غرض یہ ثابت ہوجائے کہ صدق قدم اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو کچھ اس کا ہے وہ اس کا نہیں بلکہ خداتعالیٰ کا ہوگیا ہے اور تمام اعضاء اور قویٰ الٰہی خدمت میں ایسے لگ گئے ہیں کہ گویا وہ جوارح الحق ہیں۔''

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد نمبر 5 صفحہ 57 تا 73)

للّٰہی وقف کی دو قسمیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''خداتعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنا جو حقیقت اسلام ہے دو قسم پر ہے ایک یہ کہ خداتعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے اور اس کی عبادت اور محبت اور خوف اور رجا میں کوئی دوسرا شریک باقی نہ رہے اور اس کی تقدیس اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضاء وقدر کے امور بدل وجان قبول کئے جائیں اور نہایت نیستی اور تذلّل سے اُن سب حکموں اور حدوں اور قانونوں اور تقدیروں کا بارادت تام سر پر اُٹھالیا جاوے

اور نیز وہ تمام پاک صداقتیں اور پاک معارف جو اس کی وسیع قدرتوں کی معرفت کا ذریعہ اور اس کی ملکوت اور سلطنت کے علو مرتبہ کو معلوم کرنے کے لئے ایک واسطہ اور اس کے آلاء نعماء کے پہچاننے کے لئے ایک قوی رہبر ہیں بخوبی معلوم کر لی جائیں۔

دوسری قسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری اور سچی غم خواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جاوے۔ دوسروں کو آرام پہنچانے کیلئے دکھ اٹھاویں اور دوسروں کی راحت کیلئے اپنے پر رنج گوارا کر لیں۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام کی حقیقت نہایت ہی اعلیٰ ہے اور کوئی انسان کبھی اس شریف لقب اہل اسلام سے حقیقی طور پر ملقب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنا سارا وجود مع اس کی تمام قوتوں اور خواہشوں اور ارادوں کے حوالہ بخدا نہ کر دیوے اور اپنی انانیت سے مع اس کے جمیع لوازم کے ہاتھ اٹھا کر اس کی راہ میں نہ لگ جاوے پس حقیقی طور پر اس وقت کسی کو مسلمان کہا جائے گا جب اس کی غافلانہ زندگی پر ایک سخت انقلاب وارد ہو کر اس کے نفس امارہ کا نقش ہستی مع اس کے تمام جذبات کے یک دفعہ مٹ جائے پھر اس موت کے بعد محسن للہ ہونے کے نئی زندگی اُس میں پیدا ہو جائے اور وہ ایسی پاک زندگی ہو جو اس میں بجز طاعت خالق اور ہمدردی مخلوق کے اور کچھ بھی نہ ہو۔" (آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 57 تا 53)

للّٰہی وقف سے انسان خدانما بن جاتا ہے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"للّٰہی وقف محض اُس صورت میں اسم بامسمّٰی ہوگا جب تمام اعضاء للّٰہی طاعت کے رنگ سے ایسے رنگ پذیر ہو جائیں کہ گویا وہ ایک الٰہی آلہ ہیں جن کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً افعال الٰہیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں یا ایک مصفّٰی آئینہ ہیں جس میں تمام مرضیات الٰہیہ بصفاء تام عکسی طور پر ظہور پکڑتی رہتی ہیں اور جب اس درجہ کاملہ پر للّٰہی طاعات و خدمات پہنچ جائیں تو اس صبغۃ اللہ کی برکت سے اس وصف کے انسان کے قویٰ اور جوارح کی نسبت وحدت شہودی کے طور پر یہ

کہنا صحیح ہوتا ہے کہ مثلاً یہ آنکھیں خدا تعالیٰ کی آنکھیں اور یہ زبان خدا تعالیٰ کی زبان اور یہ ہاتھ خدا تعالیٰ کے ہاتھ اور یہ کان خدا تعالیٰ کے کان اور یہ پاؤں خدا تعالیٰ کے پاؤں ہیں کیونکہ وہ تمام اعضاء اور قوتیں للّٰہی راہوں میں خدا تعالیٰ کے ارادوں سے پُر ہو کر اور اس کی خواہشوں کی تصویر بن کر اس لائق ہو جاتے ہیں کہ اُن کو اُسی کا روپ کہا جاوے۔ وجہ یہ کہ جیسے ایک شخص کے اعضاء پورے طور پر اس کی مرضی اور ارادہ کے تابع ہوتے ہیں ایسا ہی کامل انسان اُس درجہ پر پہنچ کر خدا تعالیٰ کی مرضیات وارادات سے موافقت تامہ پیدا کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور وحدانیت اور مالکیت اور معبودیت اور اس کی ہر ایک مرضی اور خواہش کی بات ایسی ہی اس کو پیاری ہوتی ہے کہ جیسی خود خدا تعالیٰ کو۔ سو یہ عظیم الشان للّٰہی طاعت و خدمت جو پیار اور محبت سے ملی ہوئی اور خلوص اور منفیّت تامہ سے بھری ہوئی ہے یہی اسلام اور اسلام کی حقیقت اور اسلام کا لب لباب ہے۔ جو نفس اور خلق اور ہوا اور ارادہ سے موت حاصل کرنے کے بعد ملتا ہے۔'' (آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 57 تا 53)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں:۔ع

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضئ خدا

کامل واقف زندگی

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اعلیٰ درجے کا وقف کرنے کی توفیق انبیاء کو حاصل ہوتی ہے اور تمام انبیاء نے اپنی زندگیاں خدا اور اس کے دین کے لئے وقف کر چھوڑی تھیں۔ مگر اس وقف کے مضمون کو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ کمال تک پہنچا دیا اور کوئی وقف کا ایسا پہلو باقی نہیں چھوڑا جو تشنہ رہ گیا ہو اور کوئی وقف کی قسم باقی نہیں رہنے دی۔ وقف کی ہر راہ پر آگے بڑھے اور اس کی منتہٰی تک پہنچے۔ چنانچہ قرآن کریم نے آپ کے دل کے جذبات اور روح کی آواز کو ہمیشہ ہمیش کے لئے یوں محفوظ فرما لیا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ o (انعام: 163-164)

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''اُن کو کہہ دے کہ میری نماز اور میری پرستش میں جدوجہد اور میری قربانیاں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے اور اس کی راہ میں ہے۔ وہی خدا جو تمام عالموں کا رب ہے۔جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اوّل المسلمین ہوں۔یعنی دنیا کی ابتداء سے اس کے اخیر تک میرے جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جو ایسا اعلیٰ درجے کا فنا فی اللہ ہو۔ جو خدا تعالیٰ کی ساری امانتیں اس کو واپس دینے والا ہو۔''

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 162)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بہت سے انسان ایسے ہیں جو محبت کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہمیں اچھی چیز پیش کرنی چاہئے اور پھر سوچتے ہیں اور متردد رہتے ہیں یہ پیش کروں یا وہ پیش کروں۔ چنانچہ صوفیاء کے بھی بہت دلچسپ واقعات اس میں ملتے ہیں اور عام دنیا میں محبت کرنے والوں کے بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ایک خیال آیا کہ یہ مجھے چیز زیادہ پیاری ہے،اور پھر آخر میں وہی پیش کی۔ چنانچہ ہمایوں کے متعلق بھی بابر نے جب یہ سوچا کہ ہمایوں کی زندگی بچانے کے لئے میں خدا کے سامنے اپنی کوئی چیز پیش کروں تو کہتے ہیں کہ بابر اس کے گرد گھومتا رہا۔ اس نے سوچا کہ میں یہ ہیرہ جو مجھے بہت پیارا ہے دے دوں پھر خیال آیا کہ ہیرا کیا چیز ہے میں یہ دے دوں پھر خیال آیا کہ پوری سلطنت مجھے بہت پیاری ہے میں پوری سلطنت دے دیتا ہوں اور پھر سوچتا رہا پھر آخر اس کو خیال آیا اس کے نفس نے اس کو بتایا کہ تجھے تو اپنی جان سب سے پیاری ہے اس وقت اس نے یہ عہد کیا اور خدا سے دعا کی کہ اے خدا واقعی اب میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھے سب سے زیادہ پیاری چیز میری جان ہے۔اے خدا! تو میری جان لے لے اور میرے بیٹے کی جان بچالے تاریخ میں لکھا ہے کہ واقعۃً اس وقت کے بعد سے پھر ہمایوں کی صحت سدھرنے لگی اور بابر کی صحت بگڑنے لگی۔

تو لوگ یہ سوچتے رہتے ہیں کہ کیا چیز پیاری ہے اور کیا کم پیاری ہے۔ آنحضرت

ﷺ نے یہ نہیں سوچا بلکہ اپنا سب کچھ پیش کر دیا۔ اپنا سونا، جاگنا، اٹھنا اور بیٹھنا کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی ہر چیز پیاری ہوتی ہے اور جب وہ زیادہ پیاری چیز دیتا ہے تو اس کے دل میں ایک اطمینان رہ جاتا ہے کہ کچھ کم میں نے اپنے لئے بھی روک لی ہے۔ اس سے کم پیاری جب دے دیتا ہے تو پھر اس کو کچھ نہ کچھ اپنے ہاتھ میں بھی دکھائی دیتا ہے اور وہ پھر اس کے بعد سب سے پیارا ہو جاتا ہے۔ جو چیز پیچھے ہٹتی چلی جاتی ہے وہ زیادہ پیاری ہوتی چلی جارہی ہوتی ہے۔ کسی ماں کا سب سے لاڈلا بچہ مر جائے تو دوسرے بچے سے پہلے سے بڑھ کر پیار ہو جاتا ہے۔ اور یہ مضمون انسانی فطرت کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔

پس آنحضرت ﷺ نے یہ سودا نہیں کیا کہ اے خدا! میں نے اپنی سب سے زیادہ پیاری چیز پیش کر دی۔ یعنی اپنی جان دے دی اس لئے اب باقی چیزیں میری رہ گئیں۔ بلکہ فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الانعام:163)

پس جب آپ ﷺ نے اپنی ہر چیز خدا کے لئے وقف کر دی اور اپنے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اپنا ہر رنگ زائل کر کے اس پر اپنے رب کا رنگ چڑھایا گویا فنافی اللہ ہو گئے تب فنا کے بعد لقاء کا مضمون جاری ہوا۔ خدا تعالیٰ آپ کے وجود پر نازل ہوا اور رب العالمین کا تخت آپ کے دل کے اندر بچھایا گیا اور خدائے پاک وقدوس کا چمکتا ہوا چہرہ اپنے تمام دلکش حسن و جمال کے ساتھ ہمیشہ کے لئے آپ کے سامنے رہنے لگا۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''یہ لقاء کا مرتبہ تب سالک کے لئے کامل طور پر متحقق ہوتا ہے کہ جب ربانی رنگ بشریت کے رنگ و بو کو بتمام وکمال اپنے رنگ کے نیچے متوازی اور پوشیدہ کر دیوے جس طرح آگ لوہے کے رنگ کو اپنے نیچے ایسا چھپا لیتی ہے کہ نظر ظاہری میں بجز آگ کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا یہ وہی مقام ہے جس پر پہنچ کر بعض سالکین نے لغزشیں کھائی ہیں اور شہودی پیوند کو وجودی پیوند کے رنگ میں سمجھ لیا ہے۔ .... اور اس درجہ لقاء میں

بعض اوقات انسان سے ایسے امور صادر ہوتے ہیں کہ جو بشریت کی طاقتوں سے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور الٰہی طاقت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں جیسے ہمارے سید و مولیٰ سید الرسل حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنگ بدر میں ایک سنگریزوں کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دعا کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی مگر اُس مٹھی نے خدائی طاقت دکھلائی اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اُس کا اثر پڑا کہ کوئی اُن میں سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پہنچا ہو اور وہ سب اندھوں کی طرح ہو گئے اور ایسی سراسیمگی اور پریشانی اُن میں پیدا ہو گئی کہ مدہوشوں کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اس معجزہ کی طرف اللہ جل شانہ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے۔ **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى**۔ یعنی جب تو نے اُس مٹھی کو پھینکا وہ تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا یعنی درپردہ الٰہی طاقت کام کر گئی انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا۔

اور ایسا ہی دوسرا معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو شق القمر ہے اسی الٰہی طاقت سے ظہور میں آیا تھا کوئی دعا اس کے ساتھ شامل نہ تھی کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو الٰہی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع میں آ گیا تھا اور اسی قسم کے اور بھی بہت سے معجزات ہیں جو صرف ذاتی اقتدار کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دکھلائے جن کے ساتھ کوئی دعا نہ تھی۔ کئی دفعہ تھوڑے سے پانی کو جو صرف ایک پیالہ میں تھا اپنی انگلیوں کو اُس پانی کے اندر داخل کرنے سے اس قدر زیادہ کر دیا کہ تمام لشکر اور اونٹوں اور گھوڑوں نے وہ پانی پیا اور پھر بھی وہ پانی ویسا ہی اپنی مقدار پر موجود تھا اور کئی دفعہ دو چار روٹیوں پر ہاتھ رکھنے سے ہزارہا بھوکوں پیاسوں کا اُن سے شکم سیر کر دیا اور بعض اوقات تھوڑے دودھ کو اپنے لبوں سے برکت دے کر ایک جماعت کا پیٹ اُس سے بھر دیا اور بعض اوقات شور آب کنوئیں میں اپنے منہ کا لعاب ڈال کر اس کو نہایت شیریں کر دیا۔ اور بعض اوقات سخت مجروحوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر ان کو اچھا کر دیا اور بعض اوقات آنکھوں کو جن کے ڈیلے لڑائی کے کسی صدمہ میں باہر جا پڑے تھے اپنے ہاتھ کی برکت سے پھر درست کر دیا۔ ایسا ہی اور بھی بہت سے

کام اپنے ذاتی اقتدار سے کئے جن کے ساتھ ایک چھپی ہوئی طاقت الٰہی مخلوط تھی۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 64-66)

پس یہی وہ وقف زندگی کی عالمگیر تحریک ہے جو ہمیشہ جاری رہنے والی ہے اور جو مذہب کا خلاصہ اور اس کی حقیقت ہے یہ تحریک حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکات میں اپنے نقطہ کمال کو پہنچی۔ انہی اعلیٰ درجہ کے واقفین یعنی انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا پر ظاہر ہوتا رہا اور اس کے نشانات اور معجزات بارش کی طرح برستے رہے جس کے ذریعہ شرک کی بنجر اور سنگلاخ زمین میں توحید کے خوشنما گل بوٹے پھوٹنے لگے اور شرک کی تاریک دنیا توحید کے نور سے جگمگانے لگی۔ خدا تعالیٰ کی پاک تعلیم کا نزول ہوا جس نے بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت دکھائی اور دکھوں اور مصیبتوں کے شکار انسان کو امن وسلامتی کے سامان بہم پہنچائے۔

باب دوئم

مختلف زمانوں میں وقف کی تحریک

چونکہ وقف کی بے شمار برکات اور فیوض ہیں۔ انبیاء علیھم السلام جو کامل واقفین تھے انہوں نے ان برکتوں کو ایک جُزرس شخص کی طرح صرف اپنی ذات تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کے لئے ہمیشہ وقف کی تحریک کرتے رہے نیز اس لئے بھی کہ دنیا کی اصلاح اور بنی نوع انسان کی ہدایت کا کام کوئی معمولی اور آسان کام نہیں بلکہ اس کے لئے بے شمار قربانیاں اور نسلاً بعد نسلٍ لمبی جدوجہد درکار ہوتی ہے۔ اس لئے ہر دور میں وقف کی تحریک کی ضرورت رہی۔ چنانچہ **انبیاء** علیہم السلام **مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ** کا اعلان کرتے ہوئے مومنین کی جماعت کو اللہ اور اس کے دین کی خاطر اپنی زندگیوں کو وقف کرنے کی تحریک فرماتے رہے۔ چنانچہ حواریوں اور اصحاب کہف کے ایک گروہ نے ہر دور میں للّٰہی جہاد میں حصہ لیا اور اپنی زندگیوں کا نذرانہ پیش کر کے اللہ کے دین کو دوام بخشا۔

صحابۂ رسولؐ اور وقفِ زندگی

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت محض جزیرہ نما عرب تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ صحابہ کا ایک گروہ اپنے عظیم واقفِ زندگی سپہ سالار کی فوج بامرام میں داخل ہو۔ چنانچہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے ہر قاری پر یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ صحابہ اس میدان میں بھی دوسری امت پر بازی لے گئے۔ انہوں نے صدق وصفا کے وہ نمونے دکھائے جو قرطاس تاریخ بنی آدم میں عدیم المثال ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ پر نظر کر کے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ کس طرح

اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی تھیں۔''

(الحکم جلد 4 صفحہ 31۔بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ 201)

اسی طرح آپ نے فرمایا:۔

''چاہئے کہ صحابہ کی زندگی کو دیکھو وہ زندگی سے پیار نہ کرتے تھے ہر وقت مرنے کے لئے تیار تھے۔ بیعت کے معنی ہیں اپنی جان کو بیچ دینا۔ جب انسان زندگی کو وقف کر چکا تو پھر دنیا کے ذکر کو درمیان میں کیوں لاتا ہے؟............انسان کو چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کی زندگی کا ہر روز مطالعہ کرتا رہے وہ تو ایسے تھے کہ بعض مر چکے تھے اور بعض مرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔'' (ملفوظات جلد 4 صفحہ 504)

نیز فرمایا:۔

''وہ نہایت سرگرمی سے خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسے فدا تھے کہ گویا ہر ایک اُن میں سے ابراہیمؑ تھا۔'' (ملفوظات جلد 3 صفحہ 423)

فرمایا:۔

''صحابہ کرامؓ کے تعلقات بھی تو آخر دنیا سے تھے ہی۔ جائدادیں تھیں، مال تھا، زر تھا مگر ان کی زندگی پر کس قدر انقلاب آیا کہ سب کے سب ایک ہی دفعہ دستبردار ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہمارا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے۔ اگر اس قسم کے لوگ ہم میں ہو جائیں تو کونسی آسمانی برکت اس سے بزرگ تر ہے۔''

(الحکم جلد 7 صفحہ 24 مورخہ 30 رجون 1903ء۔بحوالہ تفسیر سورہ الانعام صفحہ 138)

صحابہ رضوان اللہ عنہم کی جماعت پر ایک نظر

یہ وہی صحابہ تھے جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے باوفا اور ہر قسم کی قربانیوں میں سبقت لے جانے والے تھے۔ جب دربار نبوت سے ارشاد ہوتا کہ اب مالی قربانی کی ضرورت ہے تو گھر کا تمام اثاثہ جمع کر کے اپنے آقا کے قدموں میں لا ڈھیر کرتے۔ ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے واقفین بھی تھے جب حجۃ الوداع کے موقع پر شدید بیمار ہوئے اور اپنا آخری وقت سمجھ لیا تو اس بات کی فکر

کھائے جارہی تھی کہ جو میرے پاس رہ گیا ہے وہ سارے کا سارا دین کی خدمت کے لئے وقف ہو جائے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سمجھایا کہ کچھ اپنے ورثاء کے لئے بھی چھوڑو اور کچھ وقف کردو۔

(بخاری کتاب المرضیٰ باب قول المریض انّی وجیعٌ)

ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے داعیان الی اللہ بھی تھے کہ جب ایک دن خانہ کعبہ میں جا کر بآواز بلند قرآن کریم کی تلاوت کی تو سنگ دل کفار مکہ چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے خوب مارا مگر دعوت الی اللہ کا اس قدر شوق اور تمنا کہ اگلے دن پھر وہاں جا کر تبلیغ کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔

ان میں ایسے ایسے اطاعت کے پتلے بھی تھے کہ ایک موقعہ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی میں بعض صحابہ کو کھڑے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ تو ایک صحابی مسجد کی طرف آرہے تھے وہ باہر ہی سڑک پر بیٹھ گئے اور اسی حالت میں سرکتے ہوئے مسجد کی طرف بڑھنے لگے۔ ان میں اصحاب صفہ جیسے بھی صحابہ تھے جو دن رات اسلام کے لئے وقف ہو چکے تھے۔ درِ محمدیؐ پر ہی ان کا بسیرا رہتا تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اکتساب فیض کریں۔ انہوں نے خوب خوب تعلیم اور تربیت حاصل کی اور پھر ایک دنیا کو اس سے فیضیاب کیا۔

ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا جیسی واقفات بھی تھیں کہ راتوں کو اٹھ کر اتنی لمبی عبادت کرتیں کہ تھک کر گرنے لگتیں تو چھت سے لٹکتی ہوئی رسی کا سہارا لے لیتیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے تو دیکھا کہ ایک رسی ہے جو دو ستونوں سے بندھی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ رسی کس لئے ہے؟ تو آپؐ کو جواب دیا گیا کہ یہ حضرت زینبؓ کی ہے۔ جب وہ (نماز میں) تھک جاتی ہیں تو اس سے سہارا لے لیتی ہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (یہ درست) نہیں (ہے) اسے کھول دو۔ چاہئے کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی بشاشت کی حالت میں نماز پڑھا کرے اور جب تھک جائے تو بیٹھ جایا کرے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ 1150)

ان میں حضرت ام سلیم جیسی صحابیاتؓ بھی تھیں جو خود بھی ہمہ وقت خدمت دین میں مصروف رہتیں اور اپنے بچوں کو بھی اسلام کا خادم بناتیں۔ روایات میں آتا ہے کہ

حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم کے ہاں تشریف لائے

وہ آپ کی خدمت میں کچھ کھجوریں اور گھی لے کر حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا اپنے گھی کو اس کے برتن میں واپس ڈال لو اور کھجوروں کو بھی اس کے برتن میں رکھ دو۔ کیونکہ میں تو روزہ سے ہوں۔ پھر آپؐ گھر کے ایک کونے میں تشریف لے گئے اور فرض نماز کے علاوہ (نفلاً) نماز پڑھی۔ اور حضرت ام سلیم اور ان کے گھر کے لئے دعا کی۔ اس کے بعد حضرت ام سلیمؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میرا ایک خاص بچہ ہے۔ فرمایا کون سا۔ عرض کیا حضور یہ آپؐ کا خادم ہے۔ انس۔

(بخاری کتاب الصوم۔ باب من زار قوما فلم یفطر عندھم)

ان میں ایسے واقفین بھی تھے جنہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ کبھی بھی شادی نہیں کریں گے تا کہ خدمت دین کے کاموں میں کسی قسم کا حرج واقع نہ ہو مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس امر سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ شادی کرنا بھی میری سنت ہے۔ ان میں ایسے صحابہ بھی تھے جنہوں نے ارادہ کیا کہ ساری ساری رات جاگ کر عبادت میں گزاریں گے اور سارا سارا دن روزہ رکھیں گے اور کبھی افطار نہیں کریں گے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے انہیں اس سے روک دیا۔ چنانچہ بخاری کی حدیث میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ تین آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے گھروں میں آئے اور آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے اپنی (عبادتوں کی حالت کو) بہت ہی تھوڑا محسوس کیا اس پر انہوں نے کہا کہ ہماری پھر کیا جگہ ہوگی جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے گناہ بھی بخشے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو اب ساری ساری رات عبادت میں ہی گذارا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں تو ساری زندگی روزے سے ہی رہوں گا اور کبھی بھی ناغہ نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ ہو جاؤں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور کہا کیا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ کا خوف اور خشیت رکھتا ہوں۔ اور تم سے زیادہ متقی ہوں۔ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ پس جس نے میری سنت سے علیحدگی اختیار کی تو وہ مجھ سے نہیں ہوگا۔

(بخاری کتاب النکاح۔ باب الترغیب فی النکاح)

ان میں ایسے ہزاروں جانثار صحابہ بھی تھے جنہوں نے پہلے ہی اپنی زندگیاں اسلام کے لئے وقف کر چھوڑی تھیں مگر اس کے باوجود تسلی نہ تھی یہاں تک کہ اپنی جان کا ظاہری نذرانہ خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کی تمنا ان کے دل میں مچلتی رہتی تھی۔ انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔

(الاحزاب:24)

یعنی ان مومنین کی جماعت میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اُس عہد کو جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا کہ ہم نے اپنی زندگی خدا کے لئے وقف کر دی آخری گھڑی تک پورا کر دیا اور جامِ شہادت نوش کر کے اپنی مراد کو پہنچ گئے اور بعض ایسے ہیں جو اس عہد پر قائم ہیں کہ اس عہد کو آخری دم تک پورا کریں گے اور اس انتظار میں ہیں کہ کب اپنی جانیں خدا کے حضور پیش کر دیں۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بھی انہی خوش قسمت وجودوں میں سے تھے۔ آپ غزوہ بدر میں کسی وجہ سے شامل نہ ہو سکے چنانچہ بڑی حسرت سے اپنی دلی تمنا کا اظہار آنحضور ﷺ سے یوں کیا۔

''یا رسول اللہ! اُس پہلی جنگ سے میں غیر حاضر رہا جس میں آپ نے مشرکین سے قتال کیا اگر آئندہ خدا تعالیٰ نے مجھے موقعہ دیا کہ میں مشرکوں سے جنگ کر سکوں تو اللہ تعالیٰ ضرور دکھا دے گا کہ میں کس جوش و جذبے سے لڑتا ہوں۔''

تھوڑے ہی عرصہ بعد جنگ احد کے موقعہ پر آپ کی دلی تمنا پورا ہونے کا وقت آن پہنچا جب مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان معرکہ برپا ہوا اور عارضی طور پر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو حضرت انس بن نضرؓ نے بڑے والہانہ انداز میں اپنے رب کو یوں مخاطب کیا۔

''اے اللہ! میں ان صحابہ کے رویہ پر تیرے حضور معذرت کرتا ہوں اور دشمنوں کے رویہ پر بےزاری کا اظہار کرتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے تو سعد بن معاذؓ ملے۔ اُن سے کہا۔ اے سعد! مجھے میرے رب کی قسم ہے کہ مجھے احد کے میدان سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ پھر میدان جنگ کی طرف لپکے۔ بعد میں

حضرت سعدؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یا رسول اللہ! میں بیان نہیں کر سکتا کہ انہوں نے میدان جنگ میں کس جوش اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ اس جوش سے لڑے کہ دشمنوں کی صفوں کی صفیں پلٹ دیں۔ گویا ان پر چمکتی ہوئی بجلی بن کر گرتے، تن من دھن کی بازی لگا کر دیوانہ وار مقابلہ کرتے۔ یہاں تک کہ شوق شہادت کی تمنا پوری کرتے ہوئے اُس جنت میں داخل ہو گئے جس کی خوشبو کچھ دیر قبل سونگھ رہے تھے۔

ان کی نعش مبارک پر 80 سے زائد تلواروں، نیزوں اور تیروں کے نشان تھے گویا بدن دشمن کے واروں سے چھلنی چھلنی ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ پہچانے نہ جاتے تھے یہاں تک کہ ان کی بہن نے انگلی کے پورے سے ان کی شناخت کی۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت **مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ** ...... کا مصداق ہم انس بن نضرؓ اور آپ جیسے دوسرے صحابہ کو ٹھہراتے تھے۔

(بخاری کتاب الجھاد۔ باب قول اللہ تعالیٰ من المومنین رجال صدقوا ......)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی جا کر دیکھے کہ سعد بن الربیع رئیسِ انصار کا کیا حال ہے؟ کیا وہ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے؟ کیونکہ مَیں نے لڑائی کے وقت دیکھا تھا کہ وہ دشمن کے نیزوں میں بری طرح گھرے ہوئے تھے۔ آپؐ کے فرمانے پر ایک انصاری صحابی اُبیؓ بن کعب گئے اور میدان میں اِدھر اُدھر سعد کو تلاش کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر انہوں نے اونچی اونچی آوازیں دینی شروع کیں اور سعد کا نام لے لے کر پکارا مگر پھر بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ مایوس ہو کر وہ واپس جانے کو تھے کہ انہیں خیال آیا کہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر تو پکاروں۔ شاید اس طرح کچھ پتہ چل جاوے؛ چنانچہ انہوں نے بلند آواز میں پکار کر کہا۔ سعد بن ربیع کہاں ہیں مجھے رسول اللہ نے ان کی طرف بھیجا ہے۔ اس آواز نے سعد کے نیم مُردہ جسم میں ایک بجلی کی لہر دوڑا دی اور انہوں نے چونک کر مگر نہایت دھیمی آواز میں جواب دیا۔ ”کون ہے۔ مَیں یہاں ہوں۔“ اُبیؓ بن کعب نے غور سے دیکھا تو تھوڑے فاصلہ پر مقتولین کے ایک ڈھیر میں سعد کو پایا جو اس وقت نزع کی حالت میں جان توڑ رہے تھے۔ اُبیؓ بن کعب نے اُن سے کہا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے بھیجا ہے کہ مَیں تمہاری حالت سے آپؐ کو اطلاع دوں۔ سعد نے جواب دیا کہ رسول اللہ سے میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ خدا کے رسولوں کو جوان کے متبعین کی قربانی اور اخلاص کی وجہ سے ثواب ملا کرتا ہے۔ خدا آپؐ کو وہ ثواب سارے نبیوں سے

بڑھ چڑھ کر عطا فرمائے اور آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے اور میرے بھائی مسلمانوں کو میرا اسلام پہنچانا اور میری قوم سے کہنا کہ اگر تم میں زندگی کا دم ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچ گئی تو خدا کے سامنے تمہارا کوئی عذر نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر سعد نے جان دے دی۔‘‘

(مؤطا کتاب الجہاد و زرقانی و ابن ہشام)

ان صحابہ کی جماعت میں حضرت حرامؓ بن ملحان جیسے جانثار بھی تھے کہ جب نیزہ ان کے سینے سے آر پار ہو گیا اور خون کا فوارہ بہہ پڑا تو بہتے ہوئے خون کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اوپر اچھال دیا اور بڑی مسرت اور پرجوش الفاظ میں یہ نعرہ لگاتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی کہ

فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔

کہ کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ کعبہ کے رب کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا، کہ آج میری شہادت کی حسرت اور جان کا نذرانہ پیش کرنے کی تمنا پوری ہوئی۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع)

یہ جذبہ شہادت صرف بڑوں میں نہ تھا بلکہ بچوں کے دلوں میں بھی تندسیل کی طرح موجیں مار رہا تھا۔ جنگ بدر کے موقعہ پر حضرت عمیرؓ جو ابھی کمسن بچے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے چھپتے پھرتے تھے کہ کہیں آپ کو واپس نہ بھیج دیا جائے۔ آخر کب تک چھپتے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑ گئی۔ اور آپؐ نے اسے واپس جانے کو کہا تو وہ اپنے معصوم چہرے کے ساتھ رونے لگ گئے۔ اس پر حضورؐ نے ان کے غیر معمولی شوق کو دیکھ کر انہیں اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ آپ نے بھی بے جگری کے ساتھ لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرمایا۔ (اسد الغابہ باب ذکر عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

قدوسیوں کی یہ حیرت انگیز اور عظیم الشان جماعت تھی جن کے معذور افراد بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ وہ بھی گرتے پڑتے اپنے تندرست ساتھیوں کے ساتھ رواں دواں تھے۔

حضرت عمرو بن الجموح لنگڑے تھے۔ آپ کو بدر کے موقعہ پر جنگ میں جانے سے روک دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے معذوروں کو پیچھے رہنے کی اجازت دی ہے مگر شوق شہادت کی تمنا نے جنگ احد میں جانے پر انہیں مجبور کر دیا۔ جنگ میں شرکت کے لئے بار بار اصرار کیا۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

کے غیر معمولی اخلاص کو دیکھتے ہوئے اجازت دے دی۔صحابہ بیان کرتے ہیں کہ جب قافلہ احد کی طرف رواں دواں تھا تو بڑے عجز سے یہ دعا کرتے جارہے تھے کہ

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ الشَّھَادَۃَ وَلَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ خَائِبًا۔

اے اللہ! مجھے شہادت کا جام شیریں عطا فرمانا اور اس کے بغیر خائب و خاسر مجھے گھر واپس نہ لوٹانا۔ چنانچہ آپ نے یہ آب حیات اُسی جنگ میں نوش فرمالیا۔ (اسد الغابہ باب ذکر عمرو بن الجموح)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام صحابہؓ کی اس پاک جماعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیض اور صحبت اور تربیت سے اُن پر وہ اثر ہوا اور ان کی حالت میں وہ تبدیلی پیدا ہوئی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی شہادت دی اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی گویا بشریت کا چولہ اتار کر مظہر اللہ ہو گئے تھے اور ان کی حالت فرشتوں کی سی ہوگئی تھی۔'' (ملفوظات جلد 5 صفحہ 545)

''ان کے دلی ارادے اور نفسانی جذبات بالکل دور ہو گئے تھے ان کا اپنا کچھ رہا ہی نہیں نہ کوئی خواہش تھی نہ آرزو بجز اس کے کہ اللہ راضی ہو اور اس کے لئے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے۔'' (ملفوظات جلد 4 صفحہ 595)

اُمت مسلمہ میں واقفین کا سلسلہ

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے اپنی زندگیاں خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں کی بدولت اسلام جلد جلد پھیلتا چلا گیا اور تھوڑے ہی وقت میں جزیرہ ہائے عرب ختم ہو گیا۔ پھر یہ سلسلہ آگے بڑھا اور مشرق و مغرب شمال و جنوب میں پھیلنے لگا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسمان سے جو نور لائے تھے اُس کی شمعیں قریہ قریہ گاؤں گاؤں روشن ہونے لگیں۔

واقفین زندگی کا یہ سلسلہ صرف صحابہ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ یہ ایک جاری چشمہ بن گیا جو اگلی نسلوں میں منتقل ہونے لگا اور شاخ در شاخ ہر طرف پھیل گیا یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ مسلمان کرۂ ارض پر ایک غالب اور فاتح قوم کی حیثیت سے ابھرے۔

امت کے تنزّل کے دور میں بھی کسی نہ کسی صورت میں یہ آب حیات جاری رہا اور اس کی نہریں

خشک نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ ہر صدی کے سر پر مجدد دین کا سلسلہ جاری رہا۔ محدثین اور فقہاء اولیائے کرام اور صوفیائے عظام اور علمائے ربّانی نے اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت، اس کی اشاعت اور اس کی مضبوطی کے لئے وقف کر دیں اور یہ روحانی نہریں جاری و ساری رہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

''پہلے ابوبکرؓ کی نہر چلی، پھر عمرؓ کی نہر چلی، پھر عثمانی نہر چلی، پھر علوی نہر چلی، پھر اُس سے آگے قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی نہریں جاری ہوئیں۔ سید عبدالقادر صاحب جیلانی، مولانا رومؒ، ابراہیم ادھمؒ، امام غزالیؒ، حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت داتا گنج بخش، حضرت بختیار کاکی، حضرت فرید الدین صاحب شکر گنجؒ، حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ، حضرت خواجہ سلیم چشتیؒ، حضرت سید احمد صاحب سرھندیؒ، حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؒ، حضرت خواجہ میر درد صاحبؒ، حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ اور آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی نہر بھی اُسی نہر میں سے نکلی ہوئی نہریں تھیں۔ .... کوئی نہر دو سو میل چلتی ہے کوئی چار سو کوئی سو سال چلتی ہے کوئی ڈیڑھ سو سال مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی نہر عرب سے نکلی اور شمال میں بڑھتے ہوئے قسطنطنیہ سے ہوتے ہوئے پولینڈ تک چلی گئی۔ دوسری طرف یورپ سے ہوتے ہوئے سسلی تک جا پہنچی۔ مغرب میں مصر سے ہوتے ہوئے ٹیونس، مراکش۔ الجیریا اور سپین تک چلی گئی۔ پھر سیرالیون، گولڈ کوسٹ اور نائجیریا تک چلی گئی۔ مشرق میں ایران بخارا چین ہندوستان اور برما تک چلی گئی۔ جنوب میں انڈونیشیاء اور فلپائن تک چلی گئی .... اور اسلام کو پھیلا دیا۔'' (سیر روحانی جلد 3 صفحہ 79,78)

❁❁❁

باب سوئم

دورِ آخرین اور وقفِ زندگی

آخری زمانہ جو اسلام پر سب سے کڑا اور سخت تھا جب اسلام کا محض نام باقی رہ گیا۔قرآن کے الفاظ رہ گئے ۔مسجدیں بظاہر آباد نظر آتیں مگر ھدایت کے اعتبار سے ویران ہوگئیں ۔ایسے وقت میں علماء وقت جو جائے امید بن سکتے تھے جن سے کچھ توقع ہوسکتی تھی، ان کا اپنا یہ حال تھا کہ اپنے مقام سے گرتے گرتے انسانیت کے ادنیٰ مقام سے بھی نیچے اسفل السافلین میں گر گئے اور آسمان تلے بدترین مخلوق ٹھہرائے گئے ۔اُن میں سے خیر کی بجائے فتنے پھوٹنے لگے جو انہیں میں واپس لوٹ جاتے ۔
(مشکوٰۃ کتاب العلم)

یہ وہ کڑا وقت تھا جب اسلام بظاہر آخری سانسیں لے رہا تھا دوسری طرف تمام مذاہب باطلہ خونخوار درندوں کی طرح اسلام کے نحیف اور کمزور بدن پر ٹوٹ پڑے تھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ آناً فاناً اسکا صفایا ہو جائے گا کہ رحمت باری تعالیٰ جوش میں آتی ہے اور امام مھدی اور مسیح موعود علیہ السلام کا 1889ء میں ظہور ہوا۔

آپ کے سپرد جو کام خدا تعالیٰ نے کیا وہ بہت بڑا اور عظیم الشان تھا۔نہ صرف مسلمانوں کی اصلاح بلکہ اسلام کا دفاع کرنا اور تمام مذاہب باطلہ کو شکست دے کر تمام بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کے آستانہ پر لانا اور انہیں ایمان کے زیور سے آراستہ کرنا تھا۔ یہ کوئی معمولی کام نہ تھا بلکہ دل ہلا دینے والی ذمہ داری تھی مگر آپ نے بھی اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ظَلُوْمًا جَھُوْلًا کا مصداق بن کر اس عظیم ذمہ داری کو قبول فرما لیا اور اس مشکل گھڑی میں اسلام کی زندگی کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔اپنی جان مال،عزت اور آبرو، اپنے تمام قویٰ اور استعدادیں اسلام کے احیاء کے لئے وقف کر دیں۔ چنانچہ اسلام کا درخت پھر سے ہرا ہونے لگا اور ایک بار پھر اسلام کی عظمت اور سطوت ظاہر ہونے لگی اور آپ کے گرد سعید روحیں جمع ہونے لگیں اور

مومنین کی جماعت قائم ہوگئی آپ نے احیائے اسلام کے لئے اور اسلام کی روح کو دوبارہ دلوں میں زندہ کرنے کے لئے اسی وقف کی طرف بار بار اور مختلف رنگوں میں بلایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کرلیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالیٰ اب چاہتا ہے اور ضرور تھا کہ وہ اس مہم عظیم کے روبراہ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان کارخانہ جو ہر ایک پہلو سے مؤثر ہو اپنی طرف سے قائم کرتا۔ سو اس حکیم وقدیر نے اس عاجز کو اصلاح خلائق کے لئے بھیج کر ایسا ہی کیا۔''

(فتح اسلامؑ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 10 تا 12)

خدا کی راہ میں زندگی وقف کرو

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''زبانی اقرار کے ساتھ عملی تصدیق لازمی ہے اس لئے ضروری ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرو اور یہی اسلام ہے اور یہی وہ غرض ہے جس کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے ....اسلام کا منشاء یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے پس تم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے کہ ابراہیم بنو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ

ولی پرست نہ بنو بلکہ ولی بنو اور پیر پرست نہ بنو بلکہ پیر بنو

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 138-139)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسان حیات طیبہ کا وارث نہیں ہوسکتا جبتک کہ وقف کی روح پیدا نہ کرے فرمایا:۔

''اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کر دے تا کہ وہ حیات طیبہ کا وارث ہو .... ایک نیستی اور تذلل کا لباس پہن کر آستانہ الوھیت پر گرے اور اپنی جان، مال، آبرو غرض جو کچھ اس کے پاس ہے خدا ہی کے لئے وقف کر دے اور دنیا اور اُس کی ساری چیزیں دین کی خادم بنا دے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 364)

آپ فرماتے ہیں:

''غرض یہ ہے کہ انسان کو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف کرے۔ میں نے بعض اخبارات میں پڑھا ہے کہ فلاں آریہ نے اپنی زندگی آریہ سماج کے لئے وقف کر دی اور فلاں پادری نے اپنی عمر مشن کو سونپ دی۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت کے لئے اور خدا کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف نہیں کر دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ پر نظر کر کے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی تھیں۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 369)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذاتی شوق اور دلی تمنا

آپؑ فرماتے ہیں:۔

''میں خود جو اس راہ کا پورا تجربہ کار ہوں اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیض سے میں نے اس راحت اور لذت سے حظّ اٹھایا ہے یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کیلئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے۔

پس میں چونکہ خود تجربہ کار ہوں اور تجربہ کر چکا ہوں اور اس وقف کے لئے اللہ تعالیٰ نے

مجھے وہ جوش عطا فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں ہے بلکہ تکلیف اور دکھ ہوگا تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رک نہیں سکتا۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 370)

خادم دین واقفین زندگی کی ضرورت

''مدرسہ کی سلسلہ جنبانی کی بھی اگر کوئی غرض ہے تو یہی ہے۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اس کے متعلق غور کیا جاوے کہ یہ مدرسہ اشاعت اسلام کا ایک ذریعہ بنے اور اس سے ایسے عالم اور زندگی وقف کرنے والے لڑکے نکلیں جو دُنیا کی نوکریوں اور مقاصد کو چھوڑ کر خدمت دین کو اختیار کریں۔ ایسا ہی اس قبرستان کے ذریعہ بھی اشاعت اسلام کا ایک مستقل انتظام سوچا گیا ہے۔ مدرسہ کے متعلق میری روح ابھی فیصلہ نہیں کرسکی کہ کیا راہ اختیار کیا جاوے۔ ایک طرف ضرورت ہے ایسے لوگوں کی جو عربی اور دینیات میں توغّل رکھتے ہوں۔ اور دوسری طرف ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے جو آجکل کے طرزِ مناظرات میں پکے ہوں۔ علوم جدیدہ سے بھی واقف ہوں کسی مجلس میں کوئی سوال پیش آجاوے تو جواب دے سکیں اور کبھی ضرورت کے وقت عیسائیوں سے یا کسی اور مذہب والوں سے انہیں اسلام کی طرف سے مناظرہ کرنا پڑے تو ہتک کا باعث نہ ہوں بلکہ وہ اسلام کی خوبیوں اور کمالات کو پُرزور اور پُرشوکت الفاظ میں ظاہر کرسکیں۔..........''

واقفین کے لئے غیر ملکی زبانیں سیکھنے کی تلقین

''غرض اعتراض کرنے والوں کی یہ حالت ہے اور نہایت شوخی اور بیباکی کے ساتھ یہ سلسلہ جاری ہے۔ میں جب اسلام کی حالت کو مشاہدہ کرتا ہوں تو میرے دل پر چوٹ لگتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ ایسے لوگ میری زندگی میں تیار ہو جاویں جو اسلام کی خدمت کرسکیں۔ ہم تو پا بگور ہیں اور اگر اور تیار نہ ہوں تو پھر مشکل پیش آتی ہے۔ میرا مدعا اس قدر ہے کہ آپ لوگ تدبیر کریں خواہ کسی پہلو پر صاد کیا جاوے مگر یہ ہو کہ چند سال میں ایسے نوجوان نکل آویں جن میں

علمی قابلیت ہو اور وہ غیر زبان کی واقفیت بھی رکھتے ہوں اور پورے طور پر تقریر کر کے اسلام کی خوبیاں دوسروں کے ذہن نشین کر سکیں۔ میرے نزدیک غیر زبانوں سے اتنی ہی مراد نہیں کہ صرف انگریزی پڑھ لیں۔ نہیں اور زبانیں بھی پڑھیں اور سنسکرت بھی پڑھیں تاکہ ویدوں کو پڑھ کر اُن کی اصلیّت ظاہر کر سکیں۔ اس وقت تک وید گویا مخفی پڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ان کا مستند ترجمہ نہیں۔ اگر کوئی کمیٹی ترجمہ کر کے صادکر دے تو حقیقت معلوم ہو جاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اسلام کو ان لوگوں اور قوموں میں پہنچا دیا جاوے جو اس سے محض ناواقف ہیں اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جن قوموں میں تم اُسے پہنچانا چاہو اُن کی زبانوں کی پوری واقفیت ہو۔ ان کی زبانوں کی واقفیت نہ ہو اور ان کی کتابوں کو پڑھ نہ لیا جاوے تو مخالف پورے طور پر عاجز نہیں ہو سکتا۔............''

واقفین کی تعلیم وتربیت

مجھے یہ شبہ ہے کہ دماغی حالتیں کچھ اچھی نہیں ہیں۔ بہت ہی کم ایسے لڑکے ہوتے ہیں جن کے قویٰ اعلیٰ درجہ کے ہوں؛ ورنہ اکثر کو سِل یا دِق ہو جاتی ہے۔ پس ایسے کمزور قویٰ کے لڑکے بہت محنت برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو اور بھی فکر دامنگیر ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف تو ہم ایسے لڑکے تیار کرنا چاہتے ہیں جو دین کے لئے اپنی زندگی وقف کریں اور فارغ التحصیل ہو کر خدمت دین کریں مگر دوسری طرف اس قسم کی مشکلات ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس سوال پر بہت فکر کیا جاوے۔ ہاں میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ جو بچے ہمارے اس مدرسہ میں آتے ہیں، اُن کا آنا بھی بے سود نہیں ہے۔ ان میں اخلاص اور محبت پائی جاتی ہے اس لئے اس موجودہ صورت اور انتظام کو بدلنا بھی مناسب نہیں ہے۔

میرے نزدیک یہ قاعدہ ہونا چاہئے تھا کہ ان بچوں کو تعطیل کے دن مولوی سید محمد احسن صاحب یا مولوی حکیم نورالدین صاحب زبانی تقریروں کے ذریعہ ان کو قرآن شریف اور علم حدیث اور مناظرہ کا ڈھنگ سکھاتے اور کم از کم دو گھنٹہ ہی اس کام کے لئے

رکھے جاتے۔ میں یقینا کہتا ہوں کہ زبانی تعلیم ہی کا سلسلہ جاری رہا ہے اور طب کی تعلیم بھی زبانی ہوتی آئی۔ زبانی تعلیم سے طالب علموں کو خود بھی بولنے اور کلام کرنے کا طریق آ جاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ معلم فصیح و بلیغ ہو۔ زبانی تعلیم سے بعض اوقات ایسے فائدے ہوتے ہیں کہ اگر ہزار کتاب بھی تصنیف ہوتی تو وہ فائدہ نہ ہوتا۔ اس لئے اس کا التزام ضروری ہے۔ تعطیل کے دن ضرور ان کو سکھایا جاوے۔ پھر باقاعدہ ان کو قرآن شریف سُنایا جاوے۔ اس کے حقائق و معارف بیان کئے جاویں اور ان کی تائید میں احادیث کو پیش کیا جاوے۔ عیسائی جو اعتراض اسلام پر کرتے ہیں اُن کے جواب ان کو بتائے جائیں اور اس کے بالمقابل عیسائیوں کے مذہب کی حقیقت کھول کر اُن کو بتائی جاوے تاکہ وہ اس سے خوب واقف ہو جاویں۔ ایسا ہی دہریوں اور آریوں کے اعتراضات اور اُن کے جوابات سے اُن کو آگاہ کیا جاوے۔ اور یہ سب کچھ سلسلہ وار ہو یعنی کسی ہفتہ کچھ اور کسی ہفتہ کچھ۔ اگر یہ التزام کر لیا گیا تو مَیں یقینا جانتا ہوں کہ بہت کچھ تیاری کر لیں گے۔ نِری عربی زبان کی واقفیت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا نہیں ہوئے تھے تو اس زبان نے عربوں کے اخلاق، عادات اور مذہب پر کیا اثر ڈالا؟ اور اب شام و مصر میں کیا فائدہ پہنچایا؟ ہاں یہ سچ ہے کہ عربی زبان اگر عمدہ طور سے آتی ہو تو وہ قرآن شریف کی خادم ہوگی اور انسان قرآن شریف کے حقائق و معارف خوب سمجھ سکے گا۔ چونکہ قرآن اور حدیث عربی زبان میں ہیں اس لئے اس زبان سے پورے طور پر باخبر ہونا بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔ اگر عربی زبان سے واقفیت نہ ہو تو قرآن شریف اور احادیث کو کیا سمجھے گا؟ ایسی حالت میں تو پتہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت قرآن شریف میں ہے بھی یا نہیں۔ ایک شخص کسی پادری سے بحث کرتا تھا اس سے کہہ دیا کہ قرآن شریف میں جو آیا ہے لَوْلَاكَ لَمَا پادری نے جب کہا کہ نکال کر دکھاؤ تو بہت ہی شرمندہ ہونا پڑا۔

سادہ ترجمہ پڑھ لینے سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔ ان علوم کو جو قرآن شریف کے خادم ہیں واقف ہونا ضروری ہے۔ اس طرح پر قرآن شریف پڑھایا جاوے اور پھر حدیث۔ اور اس

طرح پر ان کو اس سلسلہ کی سچائی سے آگاہ کیا جاوے اور ایسی کتابیں تیار کی جاویں جو اس تقسیم کے ساتھ ان کے لئے مفید ہوں۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح پر جاری ہو جاوے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مقاصد کا بہت بڑا مرحلہ طے ہو جاوے گا۔

یہ بھی یاد رہے کہ بیان کرنے والے تقسیم اوقات کے ساتھ بیان کریں اور پھر وہ ان بچوں سے امتحان لیں۔

غرض میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ تم نے سُن لیا ہے اور میری اصل غرض اور منشاء کو تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس کے پورا کرنے کے لئے جو جو تجاویز اور پھر ان تجاویز پر جو اعتراض ہوتے ہیں وہ بھی تم نے بیان کر دیئے ہیں اور میں سن چکا ہوں۔ میں مدرسہ کی موجودہ صورت کو بھی پسند کرتا ہوں۔ اس سے نیک طبع بچے کچھ نہ کچھ اثر ضرور لے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ نہیں چاہئے کہ **مَالَا یُدْرَكُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ کُلُّه**۔ تجربہ کے طور پر سر دست ایک سال کے لئے ہی ایسا انتظام کر کے دیکھو کہ ہفتہ وار جلسوں کے ذریعہ ان کو دینی ضروریات سے آگاہ کیا جاوے۔ ہاں عربی زبان کے لئے معقول انتظام ہونا چاہئے۔ اگر اس کے لئے کچھ نہ ہو تو پھر ہماں اش درکاسہ والی بات ہوگی۔ گویا زبانی تو سب کچھ ہوا مگر عملی اور حقیقی طور پر کچھ بھی نہ ہوا۔

اس بات کو بھی مدنظر رکھ لو کہ اگر ان بچوں پر اور بوجھ ڈالا گیا تو وہ پاس ہونے کے خیالات میں دو طرفہ محنت نہیں کر سکیں گے۔ ایک ہی طرف کوشش کریں گے اور اگر علیحدہ تعلیم ہوگی تو اس کے لئے وقت وہی ہے وہ بڑھ نہیں سکتا۔ اس لئے ایک تو وہی صورت ہو سکتی ہے جو زبانی تعلیم کی میں نے بتائی ہے۔ اور ایک اور یہ صورت ہے کہ وہ بچے جو پاس اور فیل کی پروا نہ رکھیں بلکہ ان کی غرض خدمت دین کے لئے تیار ہونا ہو اور محض دین کے لئے تعلیم حاصل کریں ایسے بچوں کے لئے خاص انتظام کر دیا جاوے مگر اُن کے لئے بھی یہ ضروری امر ہے کہ علوم جدیدہ سے انہیں واقفیت ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اگر علوم جدیدہ کے موافق کسی نے اعتراض کر دیا تو وہ خاموش ہو جاویں اور کہہ دیں کہ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں۔ اس لئے موجودہ علوم سے انہیں کچھ نہ کچھ واقفیت ضروری ہے تا کہ وہ کسی کے سامنے شرمندہ نہ

ہوں اور ان کی تقریر کا اثر زائل نہ ہو جاوے۔ محض اس وجہ سے کہ وہ بے خبر ہیں۔

ہاں ایک جماعت یہ ہو کہ وہ دونوں علوم حاصل کر سکیں اور بجائے خود انہیں وقت کی پرواہ نہ ہو۔ پھر اس پر مشکل یہ ہوگی کہ استاد مستعد اور مقرر بنیں۔ غرض ہر پہلو کو سوچ کر یہ انتظام کرنے کی بات ہے۔ اس لئے میں جب ان تمام اُمور کو مدنظر رکھ کر سوچتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا کہ ہمارا جو مطلب ہے وہ کیونکر پورا ہو سکتا ہے۔ اگر موجودہ صورت ہی کو قائم رکھیں اور انتظام نہ کیا گیا تو پھر ان ساری تقریروں سے فائدہ کیا ہوا؟ اور اگر اس پر مضامین بڑھا دیں تو استاد واویلا کرتے ہیں کہ وقت تھوڑا ہے اور ساتھ ہی لڑکوں کی صحت کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس نکتہ کو مدنظر رکھو کہ ایسے لوگ تیار ہو جاویں گے۔ اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے تیار ہوں۔ خدا تعالیٰ نے جو نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ **وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا** (ہود:38) تو کشتی ہمارے سامنے بنا۔ اسی طرح پر میں اس جماعت کو اپنے سامنے تیار کرانا چاہتا ہوں۔ فائدہ اسی سے ہوگا۔

مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت کا اثر

''مَیں یقینا کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایک ہفتہ ہماری صحبت میں رہے اور اسے ہماری تقریریں سننے کا موقعہ مِل جاوے تو وہ مشرق و مغرب کے مولوی سے بڑھ جاوے گا۔ اس لئے جو کچھ ہو میرے سامنے ہو۔ آپ لوگ اس کی فکر کریں مَیں اس امر میں تمہارے ساتھ اتفاق رائے کرتا ہوں کہ مدرسہ کو توڑا نہ جاوے۔ ان کے لئے تعطیل کا دن مناظرات اور دینیات کے واسطے قرار دیا جاوے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سب کے سب مولوی ہی ہو جاویں اور نہ ایسا ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر ان میں سے ایک بھی نکل آوے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا مقصد پورا ہو گیا اور باقیوں کو کم از کم اپنے دین ہی کی خبر ہو جاوے گی اور وہ غیر قوموں کے فتنہ میں نہ پڑ سکیں گے۔'' (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 618 تا 622)

فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہمیں کسی مکان سے کوئی اُنس نہیں۔ہم اپنے مکانوں کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک جانتے ہیں اور بڑی آرزو ہے کہ مل کر چند روز گذارہ کریں اور فرمایا کہ ایک ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میرا گھر ہو اور ہر گھر میں میری ایک کھڑکی ہو کہ ہر ایک سے ہر ایک وقت واسطہ ورابطہ رہے۔''

وقت کی قدر

تکلّفات میں وقت ضائع کرنا حضورؑ کو ناپسند تھا اس کے متعلق حضورؑ نے فرمایا:

''میرا تو یہ حال ہے کہ پاخانہ اور پیشاب پر بھی مجھے افسوس آتا ہے کہ اتنا وقت ضائع جاتا ہے یہ بھی کسی دینی کام میں لگ جائے اور فرمایا۔کوئی مشغول اور تصرف جو دینی کاموں میں حارج ہو اور وقت کا کوئی حصّہ لے مجھے سخت ناگوار ہے اور فرمایا جب کوئی دینی ضروری کام آپڑے تو مَیں اپنے اوپر کھانا پینا اور سونا حرام کر لیتا ہوں جب تک وہ کام نہ ہو جائے۔ فرمایا۔ہم دین کی خاطر زندگی بسر کرتے ہیں۔بس دین کی راہ میں ہمیں کوئی روک نہ ہونی چاہیئے۔'' (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 310)

خادمِ دین ہی ہماری دعاؤں کا مستحق ہے

تائیدِ حق پر اگر کوئی قلم اُٹھائے یا کوشش کرے تو حضورؑ بڑی قدر کرتے تھے۔اس بارہ میں فرمایا:

''اگر کوئی تائید دین کے لیے ایک لفظ نکال کر ہمیں دیدے تو ہمیں موتیوں اور اشرفیوں کی جھولی سے بھی زیادہ بیش قیمت معلوم ہوتا ہے۔جو شخص چاہے کہ ہم اس سے پیار کریں اور ہماری دعائیں نیازمندی اور سوز سے اس کے حق میں آسمان پر جائیں وہ ہمیں اس بات کا یقین دلادے کہ وہ خادمِ دین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔بارہا قسم کھا کر فرمایا کہ ہم ہر ایک شئے سے محض اللہ تعالیٰ کے لیے پیار کرتے ہیں۔بیوی ہو، بچّے ہوں، دوست ہوں سب سے ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔''(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 311)

دُعا اور خدمتِ دین

فرمایا:

''جو حالت میری توجہ کو جذب کرتی ہے اور جسے دیکھ کر میں دُعا کے لیے اپنے اندر تحریک پاتا ہوں۔ وہ ایک ہی بات ہے کہ میں کسی شخص کی نسبت معلوم کرلوں کہ یہ خدمت دین کے سزا وار ہے اور اس کا وجود خدا تعالیٰ کے لیے خدا کے رسول کے لیے خدا کی کتاب کے لیے اور خدا کے بندوں کے لیے نافع ہے۔ ایسے شخص کو جو دَرد والم پہنچے وہ درحقیقت مجھے پہنچتا ہے۔''

فرمایا:

''ہمارے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے دلوں میں خدمت دین کی نیت باندھ لیں جس طرز اور جس رنگ کی خدمت جس سے بن پڑے کرے۔''

پھر فرمایا:

''مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اُس شخص کی قدرومنزلت ہے، جو دین کا خادم اور نافع النّاس ہے۔'' (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 215)

تبلیغ کا جوش

''ہمارے اختیار میں ہوتو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور اس ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے لوگوں کو بچالیں۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھا دے تو ہم خود پھر کر اور دورہ کر کے تبلیغ کریں اور اسی تبلیغ میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جاویں۔''(ملفوظات جلد دوم صفحہ 219)

خدا کے کام کے لیے جاگنا جہاد ہے

فجر کے وقت فرمایا کہ:

''رات تین بجے تک جاگتا رہا ہوں تو کاپیاں اور پروف صحیح ہوئے۔ مولوی

عبدالکریم صاحب کی طبیعت علیل تھی وہ بھی جاگتے رہے وہ اس وقت تشریف نہیں لاسکیں گے۔ یہ بھی ایک جہاد ہی تھا۔ رات کو انسان کو جاگنے کا اتفاق تو ہوا کرتا ہے مگر کیا خوش وہ وقت ہے جو خدا کے کام میں گذارے۔ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ وہ جب مرنے لگے تو روتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا موت کے خوف سے روتے ہو تو کہا موت کا کوئی خوف نہیں مگر یہ افسوس ہے کہ یہ وقت جہاد کا نہیں ہے۔ جب جہاد کیا کرتا تھا اگر اس وقت یہ موقعہ ہوتا تو کیا خوب تھا۔''

فرمایا کہ:

میرے اعضاء تو بے شک تھک جاتے ہیں مگر دل نہیں تھکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ کام کئے جاؤ۔''

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 691)

ہم سے دو شغل نہیں ہو سکتے

ایک شخص نے ایک جائیداد کے متعلق جو فروخت ہونے والی ہے کہا کہ آپ اس کو خرید لیں۔ ایسا نہ ہو کہ فلاں سکھ یا کوئی اور خرید لے۔ فرمایا:

ہمیں ان باتوں سے کیا غرض ہم جائیدادیں اور زمینیں خریدنے کے واسطے نہیں آئے۔ ہم کو کیا سکھ خرید لے یا کوئی اور خرید لے ہمیشہ اس شعر کو یاد رکھا جاوے۔

خواجہ در بند نقش ایوان است
خانہ از پائے بست ویران است

ہم سے دو شغل نہیں ہو سکتے یہی خدمت جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کی ہے پورے طور پر ادا ہو جائے تو کافی ہے اس کے سوا ہمیں اور کسی کام کے لیے نہ فرصت ہے نہ ضرورت ہے۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 441)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکسار

''ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ حضور نے حقیقۃ الوحی کے لکھنے اور پروفوں کے بار ہا

پڑھنے میں بہت محنت اُٹھائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بار بار حضور کی طبیعت علیل ہوجاتی ہے اب حضور چند روز بالکل آرام فرمائیں اور پڑھنے لکھنے کے کام کو بالکل ترک فرماویں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا:

''ہماری محنت ہی کیا ہے ہمیں تو شرم آتی ہے جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محنتوں کی طرف نگاہ کرتے ہیں کس طرح خوشی کے ساتھ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے سر بھی کٹوا دیئے۔'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 223)

صحابۂ مسیح موعود علیہ السلام اور وقف زندگی

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دور میں بعد میں منظم ہونے والی تحریک وقف زندگی کی صورت نہ تھی بلکہ عملاً آپ کے تمام صحابہؓ ہی واقفین زندگی تھے خصوصاً وہ جنہوں نے اپنا گھر بار اور عزیز واقارب چھوڑ کر قادیان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ وہ اپنے گزر بسر کے لئے ضروری کسب معاش بھی کرتے اور باقی تمام وقت خدمت دین میں صرف کر دیتے۔ آپ کی تعلیم کے مطابق وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والے تھے۔ جیسے آپ نے فرمایا:۔

''ہر معاملہ میں کوئی ہو دین کو مقدم کریں۔ دنیا مقصود بالذات نہ ہو اصل مقصود دین ہو پھر دنیا کے کام بھی دین ہی کے ہوں گے۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 410)

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا مثالی وقف

ان باوفا صحابہ کی جماعت میں بھی بعض ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والے تھے۔ ان میں سب سے اوّل درجہ کے واقف زندگی حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی رضی اللہ عنہ تھے جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر آپ کے پہلے خلیفہ کے جلیل القدر مقام پر فائز ہوئے۔ آپ کے متعلق نہایت ایمان افروز واقعہ کا یوں ذکر ملتا ہے۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کا بیان ہے کہ:

''ایک مرتبہ ایک ہندو بٹالہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری اہلیہ سخت بیمار ہے۔ از راہ نوازش بٹالہ چل کر اسے دیکھ لیں۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت مرزا صاحب سے اجازت حاصل کرو۔ اس نے حضرت کی خدمت میں درخواست کی۔ حضور نے

اجازت دی۔ بعد نماز عصر جب حضرت مولوی صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ امید ہے آپ آج ہی واپس آجائیں گے۔عرض کی، بہت اچھا۔ بٹالہ پہنچے مریضہ کو دیکھا۔ واپسی کا ارادہ کیا مگر بارش اس قدر ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ حضرت! راستے میں چوروں اور ڈاکوؤں کا بھی خطرہ ہے۔ پھر بارش اس قدر زور سے ہوئی ہے کہ واپس پہنچنا مشکل ہے کئی مقامات پر پیدل پانی میں سے گزرنا پڑے گا۔ مگر آپ نے فرمایا خواہ کچھ ہو۔ سواری کا انتظام بھی ہو یا نہ ہو۔ میں پیدل چل کر بھی قادیان ضرور پہنچوں گا کیونکہ میرے آقا کا ارشاد یہی ہے کہ آج ہی مجھے واپس قادیان پہنچنا ہے۔ خیر یکہ کا انتظام ہو گیا اور آپ چل پڑے۔ مگر بارش کی وجہ سے راستہ میں کئی مقامات پر اس قدر پانی جمع ہو چکا تھا کہ آپ کو پیدل وہ پانی عبور کرنا پڑا۔ کانٹوں سے آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے مگر قادیان پہنچ گئے اور فجر کی نماز کے وقت مسجد مبارک میں حاضر ہو گئے۔ حضرت اقدس نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا مولوی صاحب رات بٹالہ سے واپس تشریف لے آئے تھے۔ قبل اس کے کہ کوئی اور جواب دیتا آپ فوراً آگے بڑھے اور عرض کی حضور! میں واپس آ گیا تھا۔ یہ بالکل نہیں کہا کہ حضور! رات شدت کی بارش تھی، اکثر جگہ پیدل چلنے کی وجہ سے میرے پاؤں زخمی ہو چکے ہیں اور میں سخت تکلیف اٹھا کر واپس پہنچا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ بلکہ اپنی تکالیف کا ذکر تک نہیں کیا۔" (حیات نور صفحہ 189)

بھیرہ کے کسی رئیس نے آپ کی خدمت میں چٹھی لکھی کہ میں بیمار ہوں اور آپ ہمارے خاندانی طبیب ہیں مہربانی فرما کر بھیرہ تشریف لا کر مجھے دیکھ جائیں۔ آپ نے اس رئیس کو لکھا کہ میں بھیرہ سے ہجرت کر چکا ہوں اور اب حضرت مرزا صاحب کی اجازت کے بغیر میں قادیان سے باہر کہیں نہیں جاسکتا۔ آپ کو اگر میری ضرورت ہے تو حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں لکھو۔ چنانچہ اس رئیس نے حضرت اقدس کی خدمت میں لکھا۔ حضرت نے فرمایا۔ مولوی صاحب! آپ بھیرہ جا کر اس رئیس کو دیکھ آئیں۔ جب آپ بھیرہ پہنچے تو اس رئیس کا مکان بھیرہ کے اردگرد جو گول سڑک ہے اس پر تھا۔ اُسے آپ

نے دیکھا اور نسخہ تجویز فرما کر فوراً واپس تشریف لے آئے۔ نہ اپنے آبائی مکانوں کو دیکھا نہ نئے زیرِ تعمیر مکان تک گئے، نہ عزیزوں سے ملاقات کی، نہ دوستوں سے ملے بلکہ جس غرض کے لئے حضرت اقدس نے آپ کو بھیجا تھا جب وہ غرض پوری ہوگئی تو فوراً واپس تشریف لے آئے۔ (حیات نور صفحہ 185)

حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ ریاست جموں و کشمیر میں راجہ کے شاہی طبیب تھے وہاں سے آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنے وطن بھیرہ واپس آ گئے۔ آپ نے یہ پروگرام بنایا کہ میں بھیرہ میں بہت بڑا ہسپتال کھولوں چنانچہ اس کے لئے زمین خریدی، تعمیر کا کام شروع کیا، تعمیر کا سامان لینے کے لئے لاہور آئے، سامان خرید لیا اور بھیرہ کیلئے روانہ کیا، آپ کو خیال آیا کہ سامان بھیرہ تک پہنچنے کے لئے وقت لگے گا اتنی دیر میں مَیں قادیان ہو آتا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بس مل کے واپس آ جاتا ہوں۔ آپ لاہور سے بٹالہ تشریف لائے۔ بٹالہ سے آگے چونکہ ریل نہیں جاتی تھی کچا رستہ تھا یکے وغیرہ چلتے تھے۔ آپ نے بھی ایک یکہ کرایہ پر لیا اور اُسے کہا کہ قادیان جا کر واپس آنا ہے۔ یعنی قادیان جانے اور واپس آنے کا معاملہ اُس سے طے کر لیا۔

جب آپ قادیان پہنچے اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملے تو حضور نے اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ اب تو آپ فارغ ہو گئے ہیں یعنی راجہ کشمیر کی ملازمت چھوڑ دی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ حضور کا اشارہ سمجھ گئے کہ حضور چاہتے ہیں کہ میں رک جاؤں تو آپ نے یکہ والے کو واپس کر دیا۔ چند روز ٹھہرے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کو اکیلے رہنے میں تکلیف ہوتی ہوگی آپ اپنی ایک بیوی کو بلوا لیں۔ آپ نے اپنی ایک بیوی کو قادیان بلا لیا۔ پھر چند روز گزرے تو حضورؑ نے فرمایا کہ آپ کو کتابوں کا بڑا شوق ہے اپنا کتب خانہ بھی منگوا لیں۔ چنانچہ آپ نے بھیرہ سے اپنا کتب خانہ قادیان منگوا لیا۔ پھر کچھ دن کے بعد فرمایا کہ دوسری بیوی آپ کی مزاج شناس ہے اور پرانی ہے اُس کو بھی بلا لیں۔ چنانچہ دوسری بیوی کو بھی بلوا لیا۔ پھر کچھ دن گزر گئے تو فرمایا:۔

’’مولوی صاحب اب آپ اپنے وطن کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔‘‘

حضرت مولوی صاحب نے سرِ تسلیم خم کر دیا لیکن فرماتے تھے کہ میں دل میں بہت ڈرا کہ یہ تو ممکن ہے کہ میں بھیرہ نہ جاؤں لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ بھیرہ کا خیال تک نہ آوے۔ آپ فرماتے تھے کہ

خدا تعالیٰ کے بھی عجیب تصرفات ہوتے ہیں میرے واہمہ اور خواب میں بھی مجھے وطن کا خیال نہ آیا۔ پھر تو ہم قادیان کے ہی ہو گئے۔ (حیات نور صفحہ 185)

ایک موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی صاحب کے متعلق فرمایا کہ آپ اس طرح ہماری پیروی کرتے ہیں جس طرح نبض دل کی دھڑکن کی پیروی کرتی ہے۔

آپ کی والہانہ اطاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا:۔

''اگر میں نورالدین کو حکم دوں کہ تو پانی میں چلا جا تو وہ جانے کے لئے تیار ہے اگر اُسے کہوں کہ آگ میں داخل ہو جا تو وہ میرے حکم سے آگ میں جانے کو تیار ہے وہ کسی طرح بھی میرے حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔'' (الحکم جلد 38/1935ء)

نیز فرمایا:۔

''سب سے پہلے میں اپنے ایک روحانی بھائی کے ذکر کرنے کے لئے دل میں جوش پاتا ہوں جن کا نام اُن کے نور اخلاص کی طرح نوردین ہے۔ میں ان کی بعض دینی خدمتوں کو جو اپنے مال حلال کے خرچ سے اعلائے کلمہ اسلام کے لئے وہ کر رہے ہیں ہمیشہ حسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ کاش وہ خدمتیں مجھ سے بھی ادا ہو سکتیں۔ اُن کے دل میں جو تائید دین کے لئے جوش بھرا ہے اس کے تصور سے قدرت الٰہی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ وہ کیسے اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ وہ اپنے تمام مال اور تمام زور اور تمام اسباب مقدرت کے ساتھ جو ان کو میسر ہیں ہر وقت اللہ رسول کی اطاعت کے لئے مستعد کھڑے ہیں اور میں تجربہ سے نہ صرف حسن ظنی سے یہ علم صحیح واقعی رکھتا ہوں کہ انہیں میری راہ میں مال کیا بلکہ جان اور عزت تک سے دریغ نہیں اور اگر میں اجازت دیتا تو وہ سب کچھ اس راہ میں فدا کر کے اپنی روحانی رفاقت کی طرح جسمانی رفاقت اور ہر دم صحبت میں رہنے کا حق ادا کرتے۔'' (فتح اسلام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 35)

''التبلیغ'' میں حضرت اقدس آپ کی نسبت فرماتے ہیں:۔

''میں نے دعا کی۔ اے میرے رب۔ اے میرے رب۔ میرا کون مددگار ہو۔ کون

مددگار رہو۔ میں اکیلا ہوں۔ سو جب بار بار میں دعا کرتا رہا۔ اس نے مجھے ایک صدیق دیا جو نہایت سچا تھا۔ اس کا نام نورالدین ہے اور جب سے وہ میرے پاس آیا ہے میں اپنے تمام غم بھول گیا ہوں۔ اس کے مال نے باقی تمام لوگوں کے اموال سے مجھے زیادہ فائدہ دیا ہے۔ میں نے اس جیسا دنیا میں کوئی نہیں دیکھا ہے۔ میں نے اسے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ یہ خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی دعا ہے جو میں ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ اس کا دل تکبر اور خود پسندی سے مبرّا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ آسمان سے اس پر نور نازل ہوتا ہے گویا کہ وہ انوار کا مہمان خانہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ قرآن شریف اس جیسا کوئی نہیں سمجھتا۔'' (حیات نور صفحہ 359)

آپ کے اسی اخلاص اور وقف اور عہد بیعت کی پاسداری اور قربانی کی روح کو دیکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یوں آپ کو خراج تحسین سے نوازا۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

یعنی کیا ہی اچھا ہو کہ اگر امت کا ہر فرد نور دین بن جائے مگر یہ تو تب ہی ہو سکتا ہے اگر یہ دل یقین کے نور سے پُر ہو جائے۔

وقف زندگی کی منظم تحریک

1892ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں آپ فرماتے ہیں:

''اس عاجز کا ارادہ ہے کہ اشاعت دین اسلام کے لئے ایسا احسن انتظام کیا جائے کہ ممالک ہند میں ہر جگہ ہماری طرف سے واعظ و مناظر مقرر ہوں اور بندگان خدا کو دعوۃ حق کریں تا حجت اسلام روئے زمین پر پوری ہو۔ لیکن اس ضعف اور قلت جماعت کی حالت میں ابھی یہ ارادہ کامل طور پر انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔ بالفعل یہ تجویز کیا ہے کہ اگر حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہی جو ایک فاضل جلیل اور امین اور متقی اور خدمت اسلام میں بدل و جان فدا شدہ ہیں قبول کریں تو کسی قدر جہاں تک ممکن ہو یہ خدمت ان

کے سپرد کی جائے۔ مولوی صاحب موصوف بچوں کو تعلیم اور درس قرآن و حدیث اور وعظ و نصیحت اور مباحثہ اور مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ نہایت خوشی کی بات ہے اگر وہ اس کام میں لگ جائیں۔ لیکن چونکہ انسان کو حالت عیالداری میں وجوہ معیشت سے چارہ نہیں اس لئے یہ فکر سب سے مقدم ہے کہ مولوی صاحب کے کافی گذارہ کیلئے کوئی احسن تجویز ہو جائے یعنی یہ کہ ہر ایک ذی مقدرت صاحب ہماری جماعت میں سے دائمی طور پر جب تک خدا تعالیٰ چاہے ان کے گذارہ کے لئے حسب استطاعت اپنا کوئی چندہ مقرر کریں اور پھر جو کچھ مقرر ہو بلا توقف ان کی خدمت میں بھیج دیا کریں۔ دنیا چند روزہ مسافر خانہ ہے۔ آخرت کیلئے نیک کاموں کے ساتھ تیاری کرنی چاہئے۔ مبارک وہ شخص جو ذخیرہ آخرت کے اکٹھا کرنے کے لئے دن رات لگا ہوا ہے۔ اس اشتہار کے پڑھنے پر جو صاحب چندہ کے لئے تیار ہوں وہ اس عاجز کو اطلاع دیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

المشتہر

خاکسار غلام احمدؑ از قادیان ضلع گورداسپور 26 رمئی 1892ء

(منقول از نشان آسمانی مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر بار اوّل صفحہ ج)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شب و روز تبلیغ اسلام کے نتیجہ میں اور آپ کی کتب، اشتہارات و رسائل کی اشاعت اور صحابہؓ کے ذریعہ احمدیت کا پیغام پھیلتا چلا گیا اور سلسلہ روز بروز تیزی سے ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا 1907ء تک سلسلہ کا کام بہت بڑھ چکا تھا چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک تحریک کے ساتھ اندرون ملک اور بیرونی دنیا کو پیغام حق پہنچانے کی ضرورت کو بشدت محسوس فرمایا۔ اور قرآن کریم کے اس ارشاد کے تابع آپ نے وقف زندگی کی تحریک فرمائی۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ O (ال عمران: 105)

چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلاتے رہیں اور اچھی باتوں کی تعلیم دیں

اور بُری باتوں سے روکیں۔

نیز فرمایا:۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔

(توبہ:122)

یعنی مومنوں کیلئے ممکن نہیں کہ وہ تمام کے تمام (اشاعت اسلام کیلئے) اکٹھے نکل کھڑے ہوں۔ پس ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ اُن کے ہر فرقہ میں سے ایک گروہ نکل کھڑا ہوتا کہ وہ دین کا فہم حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو خبردار کریں جب وہ اُن کی طرف واپس لوٹیں تا کہ شائد وہ ہلاکت سے بچ جائیں۔

ان ارشادات کی روشنی میں آپ نے ستمبر 1907ء میں جماعت کو''وقف زندگی'' کی پرزور تحریک فرمائی۔ چنانچہ بدر میں ''واعظین سلسلہ حقہ'' کے عنوان کے تحت جماعت کے سامنے وقف زندگی کی تحریک یوں رکھی گئی۔

''ایسے نوجوان پیدا ہوں جو دنیاوی مفاد کو بالکل ترک کر کے اپنی زندگیاں صرف دینی خدمات کے واسطے وقف کر دیں۔'' (بدر 3/اکتوبر 1907ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا نمونہ دیکھنا چاہئے وہ ایسے نہ تھے کہ کچھ دین کے ہوں اور کچھ دنیا کے بلکہ وہ خالص دین کے بن گئے تھے اور اپنی جان و مال سب اسلام پر قربان کر چکے تھے ایسے ہی آدمی ہونے چاہئیں جو سلسلہ کے واسطے مبلغین اور واعظین مقرر کئے جائیں وہ قانع ہونے چاہیں اور دولت و مال کا ان کو فکر نہ ہو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو تبلیغ کے واسطے بھیجتے تھے تو وہ حکم پاتے ہی چل پڑتا تھا۔ نہ سفر خرچ مانگتا تھا اور نہ گھر والوں کی افلاس کا عذر پیش کرتا تھا۔ یہ کام اُس سے ہو سکتا ہے جو اپنی زندگی کو اِس کے لئے وقف کر دے متقی کو خدا تعالیٰ آپ مدد دیتا ہے وہ خدا کے واسطے تلخ زندگی کو اپنے لئے گوارا کرتا ہے۔...................... خدا اُس کو پیار کرتا ہے

جو خالص دین کے واسطے ہو جائے ہم چاہتے ہیں کہ کچھ آدمی ایسے منتخب کئے جائیں جو تبلیغ کے کام کے واسطے اپنے آپ کو وقف کر دیں اور دوسری کسی بات سے غرض نہ رکھیں۔ ہر قسم کے مصائب اٹھائیں اور ہر جگہ پر پھرتے رہیں اور خدا کی بات پہنچائیں۔صبر اور تحمل سے کام لینے والے آدمی ہوں ان کی طبیعتوں میں جوش نہ ہو ہر ایک سخت کلامی اور گالی کو سن کر نرمی کے ساتھ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہوں پھر جہاں دیکھیں کہ شرارت کا خوف ہے وہاں سے چلے جائیں اور فتنہ وفساد کے درمیان اپنے آپ کو نہ ڈالیں اور جہاں دیکھیں کہ کوئی سعید آدمی اُن کی بات کو سنتا ہے اس کو نرمی سے سمجھائیں جلسوں اور مباحثوں کے اکھاڑوں سے پرہیز کریں کیونکہ اس طرح فتنہ کا خوف ہوتا ہے۔آہستگی سے اور خوش خلقی سے اپنا کام کرتے ہوئے چلے جائیں۔(بدر 3/اکتوبر 1907ء)

ایڈیٹر صاحب بدر اخبار نے لکھا:

''اس مضمون کے لکھنے کا یہ منشاء ہے کہ چند روز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے دل میں یہ خاص جوش ڈالا کہ واعظین سلسلہ حقہ کے جلد تقرر کے واسطے جماعت کے خواندہ اور لائق آدمیوں سے جو اس کام کے واسطے اپنے آپ کو وقف کر سکیں انتخاب کیا جائے اور ایسے لوگوں کو خدمت تبلیغ سپرد کر کے مختلف مقامات پر بھیجا جائے۔''(بدر 3/اکتوبر 1907ء)

مورخہ 25 ستمبر 1907ء بوقت ظہر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احباب کو درج ذیل نصائح فرمائیں۔

''ایک تجویز کی تھی۔ اگر راست آجاوے تو بڑی مراد ہے۔ یونہی ساری عمر گذر جاتی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک کا بھی نام نہیں لے سکتے جس نے اپنے لئے کچھ حصہ دین کا اور کچھ حصہ دنیا کا رکھا ہوا ور ایک صحابی بھی ایسا نہیں تھا جس نے کچھ دین کی تصدیق کر لی ہو اور کچھ دنیا کی بلکہ وہ سب کے سب منقطعین تھے اور سب کے سب اللہ کی راہ میں جان دینے کو تیار تھے۔اگر چند آدمی ہماری جماعت میں سے بھی تیار ہوں جو مسائل سے واقف ہوں اور اُن کے اخلاق اچھے ہوں اور وہ قانع ہوں تو ان کو باہر تبلیغ کے لئے بھیجا جاوے۔ بہت علم کی

حاجت نہیں۔آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ سب اُمّی ہی تھے۔حضرت عیسیٰ کے حواری بھی اُمّی تھے۔تقویٰ اور طہارت چاہئے۔سچائی کی راہ ایک ایسی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ خود ہی عجیب عجیب باتیں سُجھا دیتا ہے۔میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ اب دیر کی جاوے۔چاہئے کہ ایسے آدمی منتخب ہوں جو تلخ زندگی کو گوارا کرنے کے لئے تیار ہوں اور اُن کو باہر متفرق جگہوں پر بھیجا جاوے۔بشرطیکہ ان کی اخلاقی حالت اچھی ہو۔تقویٰ اور طہارت میں نمونہ بننے کے لائق ہوں۔مستقل، راست قدم اور بُردبار ہوں اور ساتھ ہی قانع بھی ہوں اور ہماری باتوں کو فصاحت سے بیان کر سکتے ہوں، مسائل سے واقف ہوں کیونکہ متقی میں ایک قوتِ جذب ہوتی ہے۔وہ آپ جاذب ہوتا ہے۔وہ اکیلا رہتا ہی نہیں۔'' (ملفوظات جلد 5 صفحہ 309-311)

جس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔اس نے پہلے ازل سے ہی ایسے آدمی رکھے ہیں جو بکلّی صحابہؓ کے رنگ میں رنگین اور انہیں کے نمونہ پر چلنے والے ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر طرح کے مصائب کو برداشت کرنے والے ہوں گے اور جو اس راہ میں مر جائیں وہ شہادت کا درجہ پائیں گے۔

ابتدائی واقفین زندگی

اس تحریک کے وقت قادیان میں مقیم اکثر مہاجرین ایسے تھے جو اس نیت سے قادیان میں آبیٹھے تھے کہ دینی خدمات کے سرانجام دینے میں اپنی بقیہ زندگی بسر کردیں۔ایسے نوجوانوں کے علاوہ بعض اور دوستوں نے بھی زندگی وقف کرنے کے عہد کی درخواستیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پیش کیں۔حضورؑ کی ڈاک کی خدمت اُن دنوں ڈاکٹر حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے سپرد تھی اس لئے حضرت اقدس نے مفتی صاحب ہی کو ہدایت فرمائی کہ ایسے واقفین کی فہرست بنائیں چنانچہ انہوں نے اس غرض کے لئے رجسٹر کھول لیا۔وہ خود فرماتے ہیں:۔

'' چونکہ حضورؑ کی ڈاک کی خدمت اُن ایّام میں میرے سُپرد تھی۔اس واسطے ان درخواستوں پر چند الفاظ لکھ کر حضورؑ میرے پاس بھیج دیتے۔میں نے ایک رجسٹر بنالیا اور ان میں اُن کو دَرج کر دیتا۔چنانچہ وہ رجسٹر اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔''

1۔شیخ تیمور صاحب طالب علم علیگڑھ کالج۔ان کی درخواست پر حضرت صاحبؑ نے لکھا۔ ''

بعد پورا کرنے تعلیم بی۔اے اِس کام پر لگیں۔''

2۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے (حال ناظر اعلیٰ جماعت احمدیہ قادیان) ان کی درخواست پر حضورؑ نے تحریر فرمایا۔ ''منظور''۔

3۔ مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحب (حال پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان) ان کی درخواست پر حضرت صاحبؑ نے تحریر فرمایا۔''آپ کواس کام کے لائق سمجھتا ہوں۔''

4۔ میاں محمد حسین صاحب دفتر رسالہ ریویو آف ریلیجنز (حال پنشنر محصل جن کے صاحبزادے مولوی فاضل رحمت علی صاحب آج کل جاوا میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔) انہوں نے اپنی درخواست میں لکھا۔''میں زندگی وقف کرتا ہوں۔کم علم ہوں۔ جہاں حضورؑ چاہیں لگا دیں۔'' ان کی درخواست پر حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا۔ ''قبول ہے۔''

5۔ عاجز راقم پہلے ہی اسی ارادے سے سرکاری ملازمت کو استعفےٰ دے کر 1907ء میں قادیان آ گیا ہوا تھا۔ تاہم حضورؑ کے فرمان پر میں نے بھی ایک تحریری درخواست دی اور اُس میں یہ الفاظ لکھے۔''اگر میں لائق سمجھا جاؤں تو دُنیا کے کسی حصہ میں بھیجا جاؤں۔'' اس پر حضورؑ نے تحریر فرمایا۔ ''منظور''۔

6۔ غلام محمد طالب علم بی۔اے کلاس علیگڑھ کالج۔ (حافظ صوفی غلام محمد صاحب بی۔اے مبلغ ماریشس حال معلم تعلیم الاسلام ہائی سکول) انہوں نے اپنی درخواست میں لکھا۔''میری تمام زندگی خدماتِ دین کے لئے وقف ہے۔'' ان کی درخواست پر حضرت صاحب نے لکھا۔''بی۔اے کا نتیجہ نکلنے کے بعد اس کام کے واسطے تیار ہو جائیں۔''

7۔ محمد دین صاحب طالب علم علیگڑھ کالج (مولوی محمد دین صاحب مبلغ امریکہ وحال ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان) ان کی درخواست پر حضرت صاحبؑ نے تحریر فرمایا۔ ''نتیجہ کے بعد اس خدمت پر لگ جائیں۔''

8۔ شیخ عبدالرحمن صاحب طالب علم مدرسہ احمدیہ قادیان۔ان کی درخواست پر حضرت صاحبؑ

نے تحریر فرمایا۔ ’’سلسلہ کی پوری واقفیت پیدا کر لیں۔‘‘

9۔ اکبر شاہ خان صاحب۔ نائب سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہاؤس مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ ان کی درخواست پر حضرت صاحب نے لکھا۔ ’’وقت پر آپ کو یاد کیا جائے گا۔‘‘

10۔ مولوی عظیم اللہ صاحب ساکن نابھہ (جن کے صاحبزادے مولوی فاضل بشیر احمد صاحب آج کل لودھیانہ گورنمنٹ اسکول میں مدرس ہیں) ان کی درخواست پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا۔ ’’وقت پر آپ کو یاد کیا جائے گا۔‘‘

مجھے خیال پڑتا ہے کہ ان کے علاوہ اُس وقت کے بعض اور نوجوان طلباء نے بھی ایسی درخواستیں دی تھیں اور زندگیاں وقف کی تھیں۔ مگر وہ درج رجسٹر ہونے سے رہ گئیں اور اب عاجز کے پاس محفوظ نہیں۔ (ذکر حبیب صفحہ 147-148)

حضرت اقدس نے ان سب درخواستوں پر اظہار خوشنودی فرمایا اور 25 اور 29 ستمبر 1907ء کو اس سلسلہ میں نہایت قیمتی نصائح فرمائیں جو مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضور کی سکیم یہ تھی کہ ابتداء میں 12 واعظین کا انتخاب کیا جائے جو قریبی اضلاع میں متعین ہوں اور دو ایک ماہ تبلیغ میں باہر گذار دیں۔ پھر دس پندرہ روز کے لئے مرکز میں آ جایا کریں۔ کچھ لٹریچر بھی ان کے پاس موجود ہوتا جہاں مناسب سمجھیں وہاں تقسیم کریں۔

وقف زندگی کی شرائط

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ’’وقف زندگی‘‘ کی تحریک کا اعلان کرنے کے بعد میر حامد شاہ صاحب سے اس کی شرائط لکھوائیں اور کچھ اصلاح کے ساتھ اُن کو پسند فرمایا۔

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ ’’میں کوئی معاوضہ نہ لُوں گا چاہے مجھے درختوں کے پتے کھا کر گذارہ کرنا پڑے میں گذارہ کروں گا اور تبلیغ کروں گا۔‘‘

ایک ضروری ہدایت حضور نے یہ دی کہ واقفین کو ہر ہفتہ باقاعدگی سے اپنی رپورٹ بھجوانی ہوگی۔ تحریک ’’وقف زندگی‘‘ کی بنیاد گو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ہی کے ہاتھ سے رکھی گئی مگر حضورؑ کی زندگی میں اپنے نام پیش کرنے والے واقفین کو اندرون ملک یا بیرون ملک میں بغرض تبلیغ مقرر کرنے کی

نوبت نہیں آسکی۔ تاہم حضور کے منشاء مبارک کی تکمیل خلافت ثانیہ کے زمانہ میں ہوئی۔
(تاریخ احمدیت صفحہ 505)

تبلیغ اور سلسلہ کے کاموں کے لئے مخصوص دورے

اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دور میں باقاعدہ منظم طور پر وقف زندگی کی مہم جاری نہ ہوسکی تاہم آپ وقتاً فوقتاً اپنے بعض صحابہ کو تبلیغ اور سلسلہ کے دوسرے کاموں کے لئے دوروں پر بھجوایا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت شیخ غلام احمد صاحب ؓ بھی تھے جو جماعت میں شیخ غلام احمد واعظ کے نام سے معروف ہیں مؤرخہ 23 رمئی 1908ء کو حضورؑ نے دوران گفتگو ان کا بھی ذکر فرمایا۔ فرماتے ہیں:

''ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور سے کچھ کر کے دکھانے والے ہوں۔ علمیت کا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہیں۔ ایسے ہوں کہ نخوت اور تکبر سے بکلی پاک ہوں اور ہماری صحبت میں رہ کر یا کم از کم ہماری کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمیت کامل درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ البتہ شیخ غلام احمد اس کام کے واسطے اچھا آدمی معلوم ہوا ہے۔ اس کے کلام میں بھی تاثیر ہے اور اخلاص و محبت سے اس نے اپنے اُوپر اس شدتِ گرمی میں اتنا وسیع دورہ کرنے کا بوجھ اُٹھایا ہے۔ کچھ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ لوگ اس کا کلام سُننے کے واسطے جمع بھی ہو ہی جاتے ہیں ایک جگہ اس کو پتھر بھی پڑے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے پھر بجائے ان کے کسی دوسرے کو لگا اور وہ زخمی ہوا۔

تبلیغِ سلسلہ کے واسطے ایسے آدمیوں کے دوروں کی ضرورت ہے مگر ایسے لائق آدمی مل جاویں کہ وہ اپنی زندگی اس راہ میں وقف کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بھی اشاعت اسلام کے واسطے دور دراز ممالک میں جایا کرتے تھے۔ یہ جو چین کے ملک میں کئی کروڑ مسلمان ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی صحابہؓ میں سے کوئی شخص پہنچا ہوگا۔

اگر اسی طرح بیس یا تیس آدمی متفرق مقامات میں چلے جاویں تو بہت جلدی تبلیغ ہو سکتی ہے مگر جب تک ایسے آدمی ہمارے منشاء کے مطابق اور قناعت شعار نہ ہوں تب تک ہم اُن کو پورے پورے اختیارات بھی نہیں دے سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہؓ ایسے قانع اور جفاکش تھے کہ بعض اوقات صرف درختوں کے پتوں پر ہی گذر کر لیتے تھے۔'' (ملفوظات جلد 5 صفحہ 682)

حضرات! احمدیت، احیائے اسلام اور عالمگیر غلبہ اسلام کی وہ عالمگیر تحریک ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی تائید سے جاری ہوئی۔ احمدیت وہ پودا ہے جو مالکِ حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا۔ وہ خود اس کی آبیاری کرتا اور حفاظت کرتا ہے۔ اسی قادر و قیوم خدا کا وعدہ ہے کہ اسکے ہاتھ سے قائم کردہ یہ آسمانی تحریک دنیا میں پھیلے گی، ترقی کرے گی اور بالآخر کل دنیا پر محیط ہوجائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو اپنی فتح اور اپنی سچائی کے نشان کے طور پر پیش کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''کیا یہ عظیم الشان نشان نہیں کہ کوششیں تو اِس غرض سے کی گئیں کہ یہ تخم جو بویا گیا ہے اندر ہی اندر نابود ہوجائے اور صفحۂ ہستی پر اس کا نام و نشان نہ رہے۔ مگر وہ تخم بڑھا اور پھولا اور ایک درخت بنا اور اس کی شاخیں دور دور چلی گئیں اور اب وہ درخت اِس قدر بڑھ گیا ہے کہ ہزارہا پرند اس پر آرام کررہے ہیں۔'' (نزول المسیح صفحہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 384)

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہزاروں کا زمانہ تو کب کا گزر چکا، اب تو کروڑوں کا زمانہ آ گیا ہے اور اربوں کا زمانہ بھی کچھ دور نہیں۔ یہ عالمگیر روحانی انقلاب زندگی اور امید کا وہ پیغام ہے جس کیلئے انسانیت آج بھی ترس رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی برحق فرمایا تھا:۔

''اِس درخت کو اُس کے پھلوں سے اور اس نیّر کو اسکی روشنی سے شناخت کروگے''

(فتح اسلام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 44)

احمدیت ایک شجرِ سدا بہار ہے۔ یہ وہ درخت ہے جس کو مالکِ حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا۔ اسکے ثمرات شیریں اور عالمگیر ہیں۔ عام طور پر ایک درخت کو ایک ہی قسم کے پھل لگا کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب درخت ہے جس کو ہر قسم کے تازہ بتازہ پھل لگتے ہیں اور پھل دینے کا کوئی ایک موسم نہیں۔ ہر آن اسکی شاخیں شیریں میووں سے لدی رہتی ہیں۔ یہ اسلام کی احیاءِ نو کا درخت ہے۔ یہ احمدیت کا زندگی بخش درخت ہے۔ یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلام صادق اور ہمارے امام عالی مقام حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے درختِ وجود کا مظہر، وہ شجرہ طیّبہ ہے۔ جس کی فیض رسانی کا دامن، زمان و مکان کی حدود سے بہت بالا ہے۔ یہ ایک زندہ درخت ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔ یہ درخت حوادث کی آندھیوں میں اور بھی تیزی سے پھیلتا پھولتا اور پھل دیتا ہے۔ جو اِس کو کاٹنے کی کوشش کرتا ہے وہ خود کاٹا جاتا ہے۔ جو اِس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے وہ خود خائب و خاسر اور ناکام و نامراد ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مبارک درخت ہے جس کا رکھوالا خود خدا ہے اِس کی حفاظت اور ترقی کا ذمہ دار وہی قادر و توانا ہے جو سب جہانوں کا مالک ہے۔ جس طرح نہ زمین کے ذرّے گنے جا سکتے ہیں نہ آسمان کے تارے۔ اسی طرح ناممکن ہے کہ شجرِ احمدیت کے شیریں ثمرات کا احاطہ کیا جا سکے۔ احمدیت کے حق میں ظاہر ہونے والے آفاقی اور زمینی نشانوں کا شمار ممکن نہیں۔

اسی طرح احمدیت نے ساری دنیا کو جو فیوض عطا کئے، جو برکتیں اور انعامات اہلِ دنیا کو دیئے اور اس شجرہ طیّبہ کو جو شیریں پھل لگے اور لگتے چلے جا رہے ہیں انکو گننے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے لیکن انکو احاطہ بیان میں لانا کسی طرح پر بھی ممکن نہیں! واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ سیرت کی چھاپ آپکی جماعت کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسیح موعود کو یہ اخلاقِ فاضلہ اپنے آقا ومطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے گہری عقیدت و محبت اور کامل اطاعت کے نتیجہ میں عطا ہوئے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود پارس پتھر کی طرح ایک فیض رساں بابرکت وجود تھا۔ جو بھی اس سے سچا تعلق پیدا کرتا اس کی دنیا بدل جاتی۔ خاک کے ذرّے ثریا سے ہمکنار ہو جاتے۔ انکی پرانی زندگیوں پر ایک موت وارد ہو جاتی۔ ایک نئی روحانی زندگی انکو نصیب ہوتی۔ گناہوں کی آلائش سے پاک صاف ہو کر نیکیوں کے مجسمے بن جاتے اور جو نیکیوں کے ابتدائی مراحل میں ہوتے وہ کچھ اِس طرح راہِ سلوک پر دوڑنے لگتے کہ دیکھتے ہی دیکھتے اعلیٰ روحانی مدارج پر جا پہنچتے۔ روحانی اور پاکیزہ انقلاب کی یہ عظیم دولت ہے جو احمدیت نے دنیا کو عطا کی اور اِس کا سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔

ہندوستان کے ایک مشہور عالم دین مولوی حسن علی صاحبؓ 1894ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ دینی خدمات کی وجہ سے ہندوستان میں انکا بڑا شہرہ تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپکو بیعت کر کے کیا ملا؟ جواب دیا:۔

''مردہ تھا، زندہ ہو چلا ہوں۔ گناہوں کا اعلانیہ ذکر کرنا اچھا نہیں۔قرآن کریم کی جو عظمت اب میرے دل میں ہے اور حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جو میرے دل میں اب ہے، پہلے نہ تھی۔ یہ سب مرزا صاحب کی بدولت ہے۔''

(تائیدِ حق مؤلفہ مولوی حسن علی صاحب۔ بار سو 23 دسمبر 1932ء۔ اللہ بخش سٹیم پریس قادیان صفحہ 79)

حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ نواب خان صاحب تحصیلدار نے ایک بار حضرت مولانا نورالدینؓ سے پوچھا کہ مولانا! آپ تو پہلے ہی باکمال بزرگ تھے۔ آپکو حضرت مرزا صاحب کی بیعت سے زیادہ کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اس پر حضرت مولانا صاحبؓ نے فرمایا:۔

''نواب خان! مجھے حضرت مرزا صاحب کی بیعت سے فوائد تو بہت حاصل ہوئے ہیں۔لیکن ایک فائدہ ان میں سے یہ ہوا ہے کہ پہلے مجھے حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت بذریعہ خواب ہوا کرتی تھی، اب بیداری میں بھی ہوتی ہے۔''

(حیاتِ نور مصنفہ شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگرمل صفحہ 194)

تاریخِ احمدیت ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ احمدیت نے نئے شامل ہونے والوں کی زندگیوں میں ایک عظیم روحانی انقلاب پیدا کر دیا۔ ان کو گناہوں کی آلائش سے پاک کر کے اسلامی تعلیمات پر سچا عامل بنا دیا۔ نیک اور پاکیزہ تبدیلیوں کے یہ واقعات کوئی افسانے نہیں۔ یہ حقیقتیں ہیں اور ایسی معجزانہ اور ایمان افروز حقیقتیں ہیں جن سے احمدیت کا دامن بھرا ہوا ہے۔ یہ کرشمے جگہ جگہ نظر آتے ہیں اور دنیا کا ہر خطہ ان پر شاہد ناطق ہے۔

حضرات! اگر جماعت احمدیہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا نہ ہوتا کسی انسان کے ہاتھ کا کرشمہ ہوتا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے ساتھ ہی یہ سلسلہ نابود ہو جانا چاہئے تھا۔ جیسا کہ اخبار ''وفادار'' نے آپ کی وفات پر بجا طور پر لکھا تھا کہ:۔

''مرزا صاحب کے بعد اگر سلسلہ احمدیہ نابود ہو جائے گا تو سمجھو کہ مرزا جھوٹا ہے اور اگر ترقی کرے گا اور اس کے بعد اس کی جماعت یا اس کا کوئی جانشین اس کے عشق میں ترقی دینے میں کامیاب ہوا تو سمجھ لینا کہ مرزا سچا اور وہ الہام باری سے مستفیض ہوا۔ اور

اگر اس کی جماعت یا جانشین مٹتے چلے گئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی مذہبی رخنہ اندازی کبھی پسند نہیں۔‘‘(وفادار لاہور 14 جولائی 1908ء)

بلاشبہ ناپاک درخت کا یہی انجام ہوا کرتا ہے کہ وہ زمین سے اکھیڑا جاتا ہے اور قائم نہیں رہ سکتا جبکہ پاک درخت ہر زمانہ میں خدا کے حکم سے پھل دیتا چلا جاتا ہے۔ اِس قرآنی اصول کے مطابق حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد بھی خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا یہ پودا الٰہی سنت کے مطابق اور زیادہ پھلتا پھولتا اور بڑھتا چلا گیا۔ جبکہ اس کے اکھڑنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا اور اس کے نابود ہونے کی امیدیں کی گئیں۔ اور کہا گیا کہ اب تو ایک مولوی آپ کا پہلا جانشین ہو گیا ہے اِسلئے یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلے گا۔ مگر خلافتِ اولیٰ کے اِس مبارک دور میں خلافت احمدیہ کو جو استحکام ملا اس سے یہ پودا نہ صرف اپنے سہارے پر قوت و مضبوطی سے کھڑا ہو گیا۔ بلکہ اسی زمانہ میں مولوی فتح محمد سیال صاحب کے ذریعہ انگلستان تک اس کی جڑیں پھیل گئیں۔ خدا کے ہاتھ کے لگائے ہوئے اِس پودے کی برکت سے جماعت احمدیہ کو وہ روحانی نظامِ قیادت بھی عطا ہوا جس کو نظامِ خلافت کہتے ہیں۔ یہ وہ بابرکت نظام ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے کیا کہ اعمال صالحہ کی شرط کے ساتھ یہ انعام انہیں ملتا رہے گا۔

قرونِ اولیٰ میں اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت خلافت راشدہ کی صورت میں عطا فرمائی جو بعد ازاں ملوکیت میں بدلی اور بالآخر بالکل ختم ہو کر رہ گئی۔ اِس نعمت سے محرومی کے ساتھ مسلمان عملاً ہر اعتبار سے قعر مزلت میں گر گئے۔ ہر بات میں نحوست اور ہر میدان میں ہزیمت انکا مقدر بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے احیاء اسلام کے لئے حضرت امامِ مہدی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپکو امتی نبوت کا منصب عطا کیا اور آپ کی وفات کے بعد جماعتِ احمدیہ میں نظامِ خلافت کو جاری فرمایا۔ وہ جنہوں نے اِس نعمتِ خداوندی سے منہ موڑا وہ گمراہی اور تاریکی میں بھٹکتے رہے اور آج بھی محرومی اور ناکامی ان کا نصیب ہوئی ہے۔ لیکن وہ جنہوں نے نورِ خلافت سے اپنے سینوں کو منور کیا۔

اس شمعِ خلافت پر پروانہ وار فدا ہوئے اور خلیفہ وقت کی ہر آواز پر لبیک لبیک کہتے ہوئے جان و مال اور عزت و آبرو کے نذرانے پیش کرنے کو اپنی سعادت سمجھا، دیکھو اور سنو کہ ان پر کس طرح خدا تعالیٰ کے غیر معمولی فضلوں کی موسلا دھار برسات ہوئی۔ نظامِ خلافت کی برکت سے جماعت احمدیہ کو نیکی

کے ہر میدان میں ترقی اور مضبوطی عطا ہوئی۔خوف کی ہر حالت امن میں بدلتی رہی۔آج ساری دنیا میں یہ واحد جماعت ہے جو خلافت کے بابرکت نظام سے فیضیاب ہے۔ جماعت کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ مخالفت کی ہر تحریک خلافت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتی رہی۔ پیغامیوں کا فتنہ ہو یا احراریوں کا، 1953ء کے ملک گیر ہنگامے ہوں یا 1974ء کے بھیانک فسادات اور یا 1984ء کے بعد کے دلخراش واقعات جن کے نتیجہ میں پاکستان کی سرزمین جگہ جگہ معصوم احمدیوں کے خون سے رنگین ہوگئی، خلیفہ وقت کی اولوالعزم قیادت اور رہنمائی میں جماعت ہر آزمائش کے وقت مومنانہ شان کے ساتھ آگے سے آگے بڑھتی رہی۔خلافت کی برکت سے جماعت نے فتوحات کی بلندیوں کو چُھوا اور اسکی فدائیت، قربانی، اور والہانہ عشق و وفا کے معیار بلند سے بلند ہوتے گئے۔مصائب کے بھڑکتے شعلوں میں بھی کوئی ان کے چہروں کی مسکراہٹیں نہ چھین سکا۔خلافت کا یہ انعام ایک خدا داد انعام ہے یہ نظام انسانی تدبیروں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ سے قائم ہوتا ہے۔ یہ نظام وحدتِ امت کی جان ہے۔ یہ شیرازہ بندی کی اساس ہے۔ یہ فتح وظفر کی کلید ہے۔ یہ مومنوں کے ایمان ویقین کی نشانی ہے۔اسی نظامِ خلافت سے اسلام کی حیاتِ نو وابستہ ہے۔یہی ہے وہ بابرکت آسمانی نظام جس کے قیام کی بشارت ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اِن الفاظ میں دی تھی:

ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ

(مسند احمد بن حنبل صفحہ273 مطبوعہ المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر بیروت)

خدائے ذوالمنن کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں خلافت کی یہ نعمت عطا کی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ 72 فرقوں کے مقابل پر یہی واحد جماعت ہے جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اِس انعام کی مستحق اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہے۔پس یہ ہے وہ عظیم الشان پیغام جو اللہ تعالیٰ نے اِس نظامِ خلافت کے ذریعے ساری دنیا کو دیا ہے۔ کہ اے وہ لوگو جو حصارِ عافیت کی تلاش میں ہو، اگر تم واقعی امن وسلامتی کی راہوں کے متلاشی ہو تو آؤ اِس نظامِ خلافت کے عافیت بخش سائے تلے آجاؤ کہ آج اِس سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں جو تمہیں حقیقی امن وسکون اور حقیقی زندگی عطا کر سکے، آؤ اور اِس روحانی نظام وحدت کے سایہ میں

آجاؤ وگرنہ یادرکھو کہ خلافت کے بغیر تمہارے نصیب میں گمراہی، بدنصیبی اور ناکامی کے سوا کچھ نہیں۔

امام الزمان کی یہ آواز سنو:۔

قوم کے لوگو ادھر آؤ کہ نکلا آفتاب
وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار

پس اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں تحریک ''وقف زندگی'' کی وہ مشعل جسے مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عہد سعادت آفرین میں روشن کیا تھا خلافت احمدیت نے اِسے مزید فروزاں کیا جس کی روشنی آج دور دور تک پھیل چکی ہے۔ وہ بیج جسے حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے بابرکت ہاتھوں سے بویا تھا آج تناور درخت کی صورت اختیار کرگیا ہے اور اس کی شاخیں اکناف عالم میں پھیل چکی ہیں۔

باب چہارم

خلافت اولیٰ اور وقف زندگی

وقف زندگی کی باقاعدہ منظم تحریک کا آغاز تو خلافت ثانیہ میں ہوا تاہم خلافت اولیٰ میں بعض اندرونی جماعتوں میں اور بعض بیرونی ممالک میں باقاعدہ واعظین کا تقرر عمل میں آیا جس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

واعظین کا تقرر

حضرت خلیفہ اوّلؓ کی اجازت سے انجمن نے سب سے پہلے شیخ غلام احمد صاحب نومسلم کو اور بعد ازاں مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی، حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی اور حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو واعظ مقرر کیا۔ ان کے بعد بعض اور واعظ مثلاً الہ دین صاحب فلاسفر بھی نامزد ہوئے۔

اولین واعظ کے تقرر کے حالات ذرا تفصیل سے ذکر کرنا موجب دلچسپی ہوگا۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے صدر انجمن میں درخواست بھیجی کہ ان کو واعظ مقرر کیا جائے صدر انجمن نے اپنے اجلاس منعقدہ 30رمئی 1908ء میں فیصلہ کیا کہ چونکہ تقرر واعظین حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ میں ہے اس لئے شیخ یعقوب علی صاحب کو لکھا جائے کہ وہ تحریری درخواست حضرت امام کی خدمت میں بھیج دیں۔ حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے اس کی منظوری دیتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ بڑے شہروں کی نسبت زیادہ تر چھوٹے چھوٹے دیہات میں جانا چاہئے اور تھوڑا تھوڑا دو دو تین تین میل کا سفر روز کریں اور اسباب اٹھوانے کے لئے ان کے پاس آدمی ہو۔ گاؤں کے لوگ مدد کر سکتے ہیں یا ٹٹو کر لیا کریں مطلب یہ ہے کہ گاؤں کے لوگوں کو اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز پہنچ جائے اور موسم سرما کے ابتداء تک اس طرح آپ ایک ضلع کو ختم کر سکتے ہیں۔ بدر (30رجولائی 1908ء صفحہ 1) سے معلوم

ہوتا ہے کہ شیخ صاحب یکم اگست 1908ء سے تبلیغ کیلئے روانہ ہوئے تھے اور اس پہلے دورہ میں امرت سر سے حیدر آباد تک جانے کا پروگرام تھا ان کے گھر کے اخراجات حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے برداشت کئے اور سفرخرچ انجمن کی طرف سے ملا۔

شیخ صاحب کے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی کا تقرر عمل میں آیا۔ آپ پنجابی زبان کے مشہور شاعر بھی تھے۔ ان کو ابتدائً جموں، پونچھ، وزیر آباد، گوجرانوالہ وغیرہ کے شہروں اور دیہات میں بھجوایا گیا ان ابتدائی واعظین کے فرائض میں چندہ کی فراہمی اور نئی انجمنوں کا قیام بھی ہوتا تھا۔ حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی بھی عہد خلافت کے اولین واعظوں میں سے تھے۔ آپ پنجابی زبان کے بڑے عمدہ واعظ تھے اور زبان میں بڑی تاثیر تھی۔ اس زمانہ میں حافظ صاحب نے بڑا کام کیا ہے۔

حضرت مولانا راجیکیؓ صاحب کا تقرر حضرت خلیفہ اولؓ کے حکم سے احمدیہ بلڈنگ لاہور میں ہوا جہاں آپ نے سلسلہ کی دھاک بٹھا دی۔ علاوہ ازیں خلافت اولیٰ کے عہد میں آپ نے ملک کے طول و عرض میں بے شمار تقریریں کیں۔ بڑے بڑے معرکۃ الآراء مباحثے کئے اور متعدد جماعتیں قائم کیں۔

الہ دین صاحب فلاسفر کو دیہات کے لئے واعظ مقرر کرنے سے قبل حضرت خلیفہ اول کے ارشاد سے مفتی محمد صادق صاحب کی موجودگی میں لیکچر کرایا گیا چنانچہ فلاسفر صاحب کافی عرصہ تک دیہات میں اپنے علم وفہم کے مطابق یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

یہ تو فقط انجمن کے زیر انتظام چند واعظوں کے نام ہیں ورنہ جلسوں اور مباحثوں میں حصہ لینے والے کئی مقررین و واعظین خدا کے فضل سے نمایاں خدمت دین کرتے رہے۔

(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ 230 تا232)

حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ کی انگلستان تقرری

اسی طرح بیرون ملک انگلستان میں باقاعدہ پہلا مبلغ سلسلہ خلافت اولیٰ کے عہد مبارک میں بھیجا گیا۔ 1912ء میں جب حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال عربی میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کر کے اپنے عہد وقف زندگی کی مطابق قادیان تشریف لائے۔ اسی زمانے میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے تحریک فرمائی کہ ہمیں لنڈن مشن کے لئے ایک مبلغ کی ضرورت ہے۔ اس پر حضرت چوہدری صاحب اور حضرت

مولوی محمد الدین صاحب نے اپنا نام پیش کیا۔

آپ کے کرایہ کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ نے انصار اللہ کے چندہ جو ممالک غیر میں تبلیغ کے لئے جمع تھا میں سے 300 روپے عنایت فرمائے۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب نے 105 روپے دیئے بعض اور دوستوں نے بھی چندہ دیا مگر پوری رقم 700 سے کم رہی اس طرح 105 روپے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے حکم پر صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے دیئے گئے۔

ان میں سے 150 روپے کی ضروری کتابیں مثلاً بخاری و مسلم وغیرہ خریدیں۔ کوئی نیا جوڑا نہیں بنایا اور اسی حالت میں قادیان سے روانہ ہوکر 25 رجولائی 1913ء کو لنڈن تشریف لائے اور 11 راگست 1913ء کو ووکنگ چلے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر آپ لنڈن تشریف لے آئے اور اللہ کے فضل سے سب سے پہلا احمدیہ مسلم مشن قائم فرمایا۔ جو آج تک نہایت کامیابی سے چل رہا ہے اور اب تو اسے خلافت احمدیہ کا مرکز بننے کی سعادت حاصل ہے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کا قیام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 15 ستمبر 1897ء کو جماعت کے نونہالوں کو عیسائیت، الحاد اور مغربی تہذیب سے بچانے اور انہیں اسلام کا مخلص خادم بنانے کی غرض سے قادیان میں ایک مثالی اسلامی درسگاہ کے قیام کی بذریعہ اشتہار تحریک فرمائی۔ چنانچہ حضورؑ نے لکھا۔ ''اگرچہ ہم دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں کہ لوگ اس سچے معبود پر ایمان لاویں جس پر ایمان لانے سے نور ملتا ہے اور نجات حاصل ہوتی ہے لیکن اس مقصد تک پہنچانے کے لئے علاوہ ان طریقوں کے جو استعمال کئے جاتے ہیں ایک اور طریق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہوکر بچوں کی تعلیم میں ایسی کتابیں ضروری طور پر لازمی ٹھہرائی جائیں جن کے پڑھنے سے ان کو پتہ لگے کہ اسلام کیا شئے ہے اور کیا کیا خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور جن لوگوں نے اسلام پر حملے کئے ہیں وہ حملے کیسے خیانت اور جھوٹ اور بے ایمانی سے بھرے ہوئے ہیں...... میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ایسی کتابیں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے میں تالیف کروں گا بچوں کو پڑھائی گئیں تو اسلام کی خوبی آفتاب کی طرح چمک اٹھے گی اور دوسرے مذاہب کے بطلان کا نقشہ ایسے طور سے دکھایا جائے گا جس سے ان کا باطل ہونا کھل جائے گا...... اسی لئے میں مناسب دیکھتا ہوں

کہ بچوں کی تعلیم کے ذریعہ سے اسلامی روشنی کو ملک میں پھیلاؤں......سو میں مناسب دیکھتا ہوں کہ بالفعل قادیان میں ایک مڈل سکول قائم کیا جائے۔'' (تبلیغ رسالت جلد ششم (باراول) صفحہ 155۔153)

اس اہم تحریک کو عملی جامعہ پہنانے عملہ مہیا کرنے اور مدرسہ کے انتظامی امور پر غور اور قواعد مرتب کرنے کی غرض سے حضرت اقدسؑ کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیرویؓ کی صدارت میں اس مدرسہ کے لئے ایک انتظامی کمیٹی مقرر ہوئی۔جس نے سفارش کی کہ مدرسہ یکم جنوری 1898ء کو کھول دیا جائے مگر چونکہ یہ دن جلسہ سالانہ کے تھے جس میں مہمان بکثرت آئے ہوئے تھے۔اس لئے اس مدرسہ کا افتتاح 3 جنوری 1898ء کو ہوا۔ (رسالہ تعلیم الاسلام جلد اول صفحہ 233و236)

اس مدرسہ تعلیم الاسلام کے اغراض ومقاصد کے بارہ میں حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا:۔''ہماری غرض مدرسہ کے اجراء سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جاوے۔مروجہ تعلیم کو اس لئے ساتھ رکھا ہے تا کہ یہ علوم خادم دین ہوں۔'' (الحکم 10دسمبر 1905ء صفحہ نمبر 2)

مدرسہ تعلیم الاسلام کی ابتداء پرائمری سکول میں ہوئی اور تھوڑے عرصہ میں ہی یہ مڈل سکول بن گیا اور فروری 1900ء میں ہائی سکول بنا۔ (البدر 5جون 1903ء صفحہ 155 کالم نمبر 1) اور اس کے تین سال بعد ترقی دے کر کالج بنا دیا گیا جو تعلیم الاسلام کالج کے نام سے موسوم ہوا۔تعلیم الاسلام کالج کا افتتاح 28 مئی 1903ء کو ہوا۔ یہ دو سال تک برابر کامیابی سے چلتا رہا۔اس کے نتائج بھی عمدہ تھے مگر حکومت کے کالج یونیورسٹی کمیشن کی کڑی شرائط کے باعث اسے بند کر دینا پڑا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بوجہ ناسازی طبع اس کالج کے افتتاح کے لئے تشریف نہ لا سکے تھے اور حضورؑ کا پیغام حضرت مولوی عبدالکریمؓ صاحب سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا اور جلسہ افتتاح کی صدارت حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ نے کی۔جلسہ کے بعد اس کالج کے ڈائریکٹر حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں جلسہ کامیابی سے اختتام پذیر ہونے کی اطلاع دی۔تو حضورؑ نے تحریر فرمایا کہ ''رات سے مجھ کو دل کے مقام پر درد ہوئی تھی اس لئے حاضر نہیں ہو سکا لیکن میں نے اسی حالت میں بیت الدعاء میں نماز میں اس کالج کے لئے بہت دعا کی۔غالباً آپ کا وہ وقت اور میری دعاؤں کا وقت ایک ہی ہوگا۔'' (الحکم 24جون 1903ء صفحہ 13 کالم نمبر 2)

مدرسہ تعلیم الاسلام کے بارہ میں حضورؑ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''ہماری غرض یہ نہیں کہ ایف ۔اے یا بی۔اے پاس کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمت دین کے لئے زندگی بسر کریں اور اس لئے مدرسہ کو ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید دینی، خدمت کے لئے کام آ سکے۔''(الحکم 10 دسمبر 1905ء صفحہ 5)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس صورت حال کا جائزہ لینے اور مزید اصلاحی قدم اٹھانے کے لئے بہت سے احباب بلا کر ان کے سامنے یہ امر پیش فرمایا کہ : ''مدرسہ (تعلیم الاسلام۔ ناقل) میں ایسی اصلاح ہونی چاہئے کہ یہاں سے واعظ اور علماء پیدا ہوں جو آئندہ ان لوگوں کے قائم مقام ہوتے رہیں جو گزرتے چلے جاتے ہیں۔سب سوچو کہ اس مدرسہ کو ایسے رنگ میں رکھا جاوے کہ یہاں سے قرآن دان، واعظ اور علماء پیدا ہوں جو دنیا کی ہدایت کا ذریعہ ہوں۔''(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر 3 صفحہ 63،62)

مدرسہ احمدیہ کا قیام

ضمناً یہاں مدرسہ احمدیہ کے قیام اور اس کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا مفید ہوگا کیونکہ اسی مدرسہ نے آگے جا کر جامعہ احمدیہ کا روپ دھارنا تھا جس نے واقفین زندگی کو علم کے زیور سے آراستہ کرنا تھا اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے عظیم درسگاہ بننا تھا۔

1905ء میں جماعت کے کئی مقتدر بزرگ انتقال فرما گئے خصوصیت کے ساتھ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی اور حضرت مولوی برھان الدین صاحب جہلمی جیسے بلند پایہ علماء اور خدام ملت بزرگوں کی مفارقت نے تو جماعت کو سوگوار کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت حضرت اقدسؑ کو الہاماً بتادیا تھا کہ

''دو شہتیر ٹوٹ گئے''

حضورؑ نے ان کی وفات پر فرمایا:۔

> ''ہماری جماعت میں سے اچھے اچھے لوگ مرتے جاتے ہیں چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب جو ایک مخلص آدمی تھے اور ایسا ہی اب مولوی برھان الدین صاحب جہلم میں فوت ہو گئے اور بھی بہت سے مولوی صاحبان اس جماعت میں فوت ہوئے مگر افسوس کہ جو مرتے ہیں ان کا جانشین ہم کو کوئی نظر نہیں آتا۔''(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 412)

مدرسہ تعلیم الاسلام جو 1898ء کو قادیان میں اس لئے کھولا گیا تھا۔اس سے قبل صرف دو سکول قادیان میں

تھے ایک سرکاری سکول جو پرائمری تک تھا ایک آریہ سکول جس میں اس سے اوپر کی چند کلاسز تھیں ان میں اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ ہوتا تھا اور بچوں کو الحاد اور مغربی تہذیب سے مرعوب کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا سکول کھولنے کا ارشاد فرمایا مگر اس سکول میں دنیاوی تعلیم ہی دی جاتی تھی۔

حضور نے اس مدرسہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے مدرسہ کی طرف دیکھ کر رنج ہی ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ بات اس سے حاصل نہیں ہوئی۔ اگر یہاں سے بھی طالب علم نکل کر دنیا کے طالب ہی بننے تھے تو ہمیں اس کے قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم تو چاہتے تھے کہ دین کے لئے خادم پیدا ہوں۔''

چنانچہ احباب کے مشورہ کے بعد اسی مدرسہ میں جنوری 1906ء میں دینیات کی شاخ کھول دی گئی۔ ابتداء میں حضرت قاضی سید امیر حسین شاہ صاحب اوّل مدرس اور مولوی فضل دین صاحب دو استاد مقرر ہوئے۔ اس کے بعد حضور کے زمانہ میں ہی مولوی سید سرور شاہ صاحب ہی اس کے مدرس ہوئے ''شاخ دینیات'' میں پنجم پرائمری پاس طلبہ شامل ہوتے اور دو سال تعلیم حاصل کرتے۔

جماعت اول کا نصاب یہ تھا۔ ترجمہ قرآن شریف، بلوغ المرام، رسالہ جات عربی شائع کردہ انجمن حمایت اسلام، مفتاح الادب، بدایۃ الصرف، دروس النحویہ اس کے علاوہ طب اور انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔

جماعت دوم کیلئے شمائل ترمذی، مالا بدمنہ، عجالہ نافعہ، اصول شاشی، دروس النحویہ چہار حصص، آجرومیہ، قدوری، سراجی، حساب، اردو، گوھر منظوم فارسی، طب، تکیف الحکمۃ، قانونچہ، شرح رباعیات یوسف، انگریزی میں دوم مڈل کا کورس تھا۔ (تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 426 تا428)

حضرت مصلح موعودؓ مدرسہ احمدیہ کی عمارت کا ابتدائی نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

''صرف ایک عمارت تھی .... اُس وقت نہ بنچ تھے نہ کرسیاں۔ نہ ڈیسکس ہوتے تھے نہ میزیں صرف تپڑ (ٹاٹ) ہوتے تھے اور وہ بھی ایلجن ملز کے بنے ہوئے نہیں بلکہ عام تپڑ جو چوہڑے چمار بنا کر بیچتے ہیں۔ وہ عرض میں اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی معمولی جسم والا انسان بھی اُن پر بیٹھے تو اس کا آدھا جسم نیچے ہو جاتا ہے۔ جانماز اُستاد کی جگہ ہوتی تھی۔''

(الفضل 22 دسمبر 1925)

یہ مدرسہ احمدیہ کی عظیم الشان درسگاہ کی ابتداء تھی جس نے آئندہ چل کر خدا کے فضل اور امام وقت کی

روحانی توجہ کی بدولت برصغیر ہندو پاک میں بڑے بڑے مقتدر علماء پیدا کئے جنہوں نے اکناف عالم میں اشاعت اسلام کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں اور اب بھی بفضل اللہ تعالیٰ انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کی یادگار میں دینی مدرسہ کے لئے تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے دل میں خلافت کے ابتدائی ایام میں ہی یہ تحریک اُٹھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یادگار میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جس میں واعظین اور مبلغین تیار کئے جائیں۔1905ء میں ایک ''شاخ دینیات'' مدرسہ تعلیم الاسلام کے ساتھ قائم تھی۔مگر غالباً فنڈ کی کمی کی وجہ سے اس کی حالت نہایت درجہ ناقص تھی۔لہٰذا حضرت خلیفہ اوّلؓ کے حکم سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، حضرت نواب محمد علی خانصاحب، حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب نے یہ تحریک پوری جماعت کے سامنے رکھی اور بتایا کہ اعلیٰ پیمانہ پر مدرسہ چلانے کے لئے عمدہ مکان اور بہترین لائبریری کا ہونا ضروری ہے یہ مدرسہ دُنیا میں اشاعت اسلام کا ایک بھاری ذریعہ ہوگا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار بھی لہٰذا دوستوں کو اس کے لئے پوری پوری مالی قربانی کرنی چاہئے۔نیز لکھا اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ بڑے بھاری اخراجات ہیں ....اور قوم ان اخراجات کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکے گی تو یہ ایک کمزوری کا خیال ہوگا۔'' (تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 230)

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی دلی خواہش 1909ء میں پوری ہوئی۔جب اس درسگاہ کی باقاعدہ بنیاد رکھی گئی اور اس کا نام ''مدرسہ احمدیہ'' رکھا گیا۔اس کے اول ہیڈ ماسٹر حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب قرار پائے اور سپرنٹنڈنٹ مولوی صدر الدین صاحب تھے۔1910ء میں اس مدرسہ کا پورا انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔طلباء کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی گئی۔آپ نے مدرسہ کی چوتھی جماعت کو اپنے لئے مخصوص کرلیا اور روزانہ تین چار گھنٹے وقت تدریس وتربیت کے لئے دیتے۔

اس مدرسہ میں داخلہ کے لئے معیار قابلیت مروجہ پرائمری کا امتحان رکھا گیا۔اور جو پرائمری پاس نہ ہوں ان کے لئے داخلہ کا امتحان رکھا گیا۔کم از کم عمر گیارہ سال رکھی گئی۔اور کم از کم نصاب سات سال

مقرر کیا گیا۔جس کے دو درجے رکھے گئے۔درجہ ادنیٰ پانچ سال اور درجہ اعلیٰ دو سال جو طالب علم درجہ خاص کے قابل نہ سمجھے جائیں گے ان میں سے بعض کو واعظ بنا کر باہر بھیجا جائے گا اور بعض کو مولوی فاضل کروادیا جائے گا۔اور جو بطور واعظ باہر بھجوائے جائیں گے ان کے لئے ضروری ہوگا کہ کم از کم ایک سال شفاخانہ میں عملی طور پر طبابت اور جراحی کا کام سیکھیں۔اور جن طلباء کو مولوی فاضل کے امتحان کے لئے تیار کیا جاوے گا ان کو ایک سال میں مولوی فاضل کے امتحان کی ایسی کتابیں جو نصاب ہفت سالہ میں شامل نہیں ہیں عبور کروائی جائیں گی۔

(رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو مارچ 1909ء صفحہ 135۔133 اور تشحیذ الاذہان جنوری 1912ء صفحہ 3,4)

1912ء میں مدرسہ کی چھٹی جماعت اور 1913ء میں ساتویں جماعت بھی کھل گئی۔اور اس طرح مدرسہ کی کلاسیں مکمل ہوگئیں۔

(رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 12۔1911ء صفحہ 39 ور پورٹ 13۔1912ء صفحہ 29)

اور طلباء فارغ التحصیل ہو کر سلسلہ کی خدمات پر فائز ہونے لگے۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ستمبر 1910ء سے مارچ 1914ء تک افسر مدرسہ احمدیہ رہے۔

مدرسہ احمدیہ خلافت ثانیہ میں

مارچ 1914ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو مدرسہ کا انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے خوش اسلوبی سے سنبھال لیا۔ازاں بعد شیخ عبدالرحمن صاحب مصری ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔1919ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یہ محسوس کر کے کہ جماعت کی عالمگیر تبلیغی ضروریات کو صرف مدرسہ احمدیہ ہی پورا کر سکتا ہے آپ نے پہلی جاری شدہ سکیم پر نظر ثانی کے لئے ایک کمیٹی نامزد فرمائی۔چنانچہ حضور کی زیر نگرانی مدرسہ کے لئے ایک انقلابی سکیم نافذ کی گئی۔اس سکیم کے نتیجہ میں مدرسہ احمدیہ ترقی کرتے کرتے 20رمئی 1928ء کو عربی کالج کی شکل اختیار کر گیا۔جس نے بڑے بڑے نامور علماء اور مبلغ پیدا کر کے تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں شاندار حصہ لیا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

وسط 1937ء میں مدرسہ احمدیہ کا جدید دور شروع ہوا اور حضرت میر محمد اسحق صاحب اس کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔آپ تھوڑا عرصہ ہی رہے مگر آپ نے مدرسہ میں متعدد اصلاحات فرمائیں۔

1944ء میں آپ کی وفات کے بعد مولوی عبدالرحمن صاحب فاضل ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔

جامعہ احمدیہ (عربی کالج) کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو شروع خلافت سے ہی یہ خیال تھا کہ جماعت احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی ضروریات پورا کرنے کے لئے مدرسہ احمدیہ کو ترقی دے کر ایک عربی کالج تک پہنچانا ضروری ہے۔ اس کے لئے حضور نے 1919ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس نے اپنی سفارشات حضور کی خدمت میں پیش کیں۔ حضور نے مناسب اصلاح فرما کر اسے جاری کرنے کا ارشاد فرمایا۔

چنانچہ مدرسہ احمدیہ کا ایک نیا دور شروع ہوا بعدازاں حضور نے 1924ء کو صدر انجمن احمدیہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ مدرسہ کو کالج تک ترقی دینے کے لئے عملی اقدام کرے۔ چنانچہ 1928ء کو جامعہ احمدیہ کے نام سے ایک مستقل ادارہ کے قیام کا فیصلہ ہو گیا۔ جس کے مطابق مدرسہ احمدیہ کی آخری کلاس جو مولوی فاضل کا امتحان بھی دیتی تھی جامعہ احمدیہ کی پہلی دو جماعتیں قرار دے دی گئیں اور جماعت مبلغین کو دو جماعتوں میں تقسیم کر کے اس طرح ابتداء میں جامعہ احمدیہ کی 4 کلاسز کھولی گئیں۔ درجہ اولیٰ، ثانیہ مدرسہ احمدیہ کی مولوی فاضل کلاس اور درجہ ثالثہ، رابعہ جماعت مبلغین کی کلاس۔

جماعت مبلغین کلاس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ یہ کلاس حضور کے ارشاد پر 1921ء میں جاری ہوئی تھی۔ جس میں سلسلہ کے مبلغین تیار ہوتے تھے اس کلاس کے واحد استاد حافظ روشن علی صاحبؓ تھے۔ اس کلاس کے چند مشہور طلباء کے ناموں میں مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ۔ مولانا ظہور حسین صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری وغیرہ شامل ہیں۔ جنہوں نے اپنے بزرگوں کی جگہ لی۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

> ''حافظ روشن علی صاحب وفات پا گئے تو .... اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی جلال الدین شمس صاحب کو کھڑا کر دیا اور جماعت نے محسوس کیا کہ یہ پہلوں کے علمی لحاظ سے قائمقام ہیں۔'' (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 262)

جامعہ احمدیہ کے پہلے پرنسپل حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ تھے۔ اساتذہ میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ۔ حضرت مولوی اسماعیل صاحب حلالپوریؓ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ جیسی عظیم الشان ہستیاں تھیں۔

جامعہ احمدیہ کے دوسرے پرنسپل مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے (آکسن) رہے۔ پھر مولانا ابو العطاء صاحب پرنسپل رہے۔ سن 1953ء میں جب مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین مقرر ہوئے تو قاضی محمد نذیر صاحب فاضل کا جامعہ احمدیہ کے پرنسپل کے طور پر تقرر ہوا۔

افتتاح جامعہ احمدیہ

20رمئی 1928ء کو جامعہ احمدیہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا:۔

’’خدا تعالیٰ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد اور ہدایت کے ماتحت مدرسہ احمدیہ قائم کیا گیا تا کہ اس میں ایسے لوگ تیار ہوں جو وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ کے منشاء کو پورا کرنے والے لوگ ہوں۔ بے شک اس مدرسہ سے نکلنے والے بعض نوکریاں بھی کرتے ہیں مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص ایک ہی کام کا اہل نہیں ہوتا۔ انگریزوں میں سے بہت سے لوگ قانون پڑھتے ہیں مگر لاء کالج سے نکل کر سارے بیرسٹری کا کام نہیں کرتے بلکہ کئی ایک اور کاروبار کرتے ہیں تو اس مدرسہ سے پڑھ کر نکلنے والے کئی ایسے ہوتے ہیں جو ملازمتیں کرتے ہیں مگر یہ اس لئے نہیں بنایا گیا کہ اس سے تعلیم حاصل کرنے والے نوکریاں کریں بلکہ اصل مقصد یہی ہے کہ مبلغ بنیں اب یہ دوسری کڑی ہے کہ ہم اس مدرسہ کو کالج کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ تبلیغ کے لحاظ سے یہ کالج ایسا ہونا چاہئے کہ اس میں نہ صرف دینی علوم پڑھائے جائیں بلکہ دوسری زبانیں بھی پڑھانی ضروری ہیں ہمارے جامعہ میں بعض کو انگریزی، بعض کو جرمنی، بعض کو سنسکرت، بعض کو فارسی، بعض کو روسی، بعض کو سپینش وغیرہ زبانوں کی اعلیٰ تعلیم دینی چاہئے کیونکہ جن ملکوں میں مبلغوں کو بھیجا جائے ان کی زبان جاننا ضروری ہے۔ بظاہر یہ باتیں خواب وخیال نظر آتی ہیں مگر ہم اس قسم کی خوابوں کا پورا ہونا اتنی بار دیکھ چکے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو ظاہری باتوں کے پورے ہونے پر جس قدر اعتماد ہے اس سے بڑھ کر ہمیں ان خوابوں کے پورے ہونے پر یقین ہے............ابھی تو ہم اس کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ مدرسہ احمدیہ کے ساتھ بھی مبلغین کی کلاس تھی مگر اس میں شبہ نہیں کہ ہر چیز اپنی زمین میں ہی ترقی کرتی ہے جس طرح بڑے درخت کے نیچے چھوٹے پودے ترقی نہیں کرتے اسی طرح کوئی نئی تجویز

دیرینہ نظام کے ساتھ ترقی نہیں کرسکتی۔ اس وجہ سے جامعہ کے لئے ضروری تھا کہ اسے علیحدہ کیا جائے اور اسے موقعہ دیا جائے کہ اپنے ماحول کے مطابق ترقی کرے۔ آج وہ خیال پورا ہورہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ یہی چھوٹی سی بنیاد ترقی کرکے دنیا کے سب سے بڑے کالجوں میں شمار ہوگی۔

نیز طلباء جامعہ احمدیہ کو ان کی اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ:۔

''وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں ان کے سامنے عظیم الشان کام اور بہت بڑا مستقبل ہے وہ عظیم الشان عمارت کی پہلی اینٹیں ہیں اور پہلی اینٹوں پر ہی بہت کچھ انحصار ہوتا ہے ایک شاعر نے کہا تھا۔

؎ خشت اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

اگر معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھے تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی ہی رہے گی۔ جتنی اونچی دیوار کرتے جائیں اتنی ہی زیادہ ٹیڑھی ہوگی گو کالج میں داخل ہونے والے طالب علم ہیں اور نظام کے لحاظ سے ان کی ہستی ماتحت ہستی ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے اس جامعہ کی کامیابی یا ناکامی میں ان کا بہت بڑا دخل ہے یہ تو ہم یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کے کام ترقی کرتے جائیں گے مگر ان طلباء کا اس میں بڑا دخل ہوگا اس لئے انہیں چاہئے کہ اپنے جوش، اپنے اعمال اور اپنی قربانیوں سے ایسی بنیاد رکھیں کہ آئندہ جو عمارت تعمیر ہو اس کی دیواریں سیدھی ہوں ان میں کجی نہ ہو ان کے سامنے ایک ہی مقصد اور ایک ہی غایت ہو اور وہ یہ کہ اسلام کا اعلاء ہو......اور ان کا یہی موٹو ہونا چاہیئے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○

میرے نزدیک ان آیتوں کو لکھ کر کالج میں لٹکا دینا چاہئے تاکہ طالب علموں کی توجہ ان کی طرف رہے اور انہیں معلوم رہے کہ ان کا مقصد اور مدعا کیا ہے۔''

(تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 28 تا 30)

مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کا ادغام

1947ء میں جب تقسیم ملک کے بعد قادیان فسادات کی لپیٹ میں آ گیا تو مدرسہ احمدیہ بھی جامعہ احمدیہ کے سٹاف کے ساتھ لاہور آ گیا۔ نئے بدلتے ہوئے حالات میں چونکہ دو مستقل اداروں کا علیحدہ علیحدہ شکل میں قائم رکھنا مشکل تھا اس لئے ان کا الحاق کر کے 13/نومبر 1947ء کو لاہور میں ایک مخلوط ادارہ کا اجراء کیا گیا۔ جس میں مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کے طلباء جامعہ احمدیہ کے پرنسپل مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل کی زیر نگرانی تعلیم پاتے تھے۔ یہ ادارہ چند دنوں بعد پہلے چنیوٹ پھر دو ماہ بعد احمد نگر منتقل کر دیا گیا۔ شروع دسمبر 1949ء میں جامعۃ المبشرین یعنی مبشرین کالج کا اجراء ہوا۔ جس میں جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل طلباء کو تبلیغ اسلام کی خصوصی ٹریننگ دی جانے لگی۔ بالآخر 7/جولائی 1957ء کو مدرسہ احمدیہ، جامعہ احمدیہ اور جامعۃ المبشرین تینوں ادارے ایک ہی درسگاہ میں مدغم کر دیئے گئے اور اس درسگاہ کے پہلے پرنسپل سید میر داؤد احمد صاحب مقرر ہوئے۔ اب یہ درسگاہ جامعہ احمدیہ کے نام سے موسوم و مشہور ہے اور اس کے موجودہ پرنسپل حضرت میر محمد اسحق صاحب کے تیسرے فرزند مولانا میر محمود احمد صاحب ناصر ہیں۔

جامعہ احمدیہ کے دو سیکشنز

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کی تحریک وقف نو پر لبیک کہتے ہوئے خاصی تعداد واقفین نو کی مہیا ہو جانے پر جامعہ احمدیہ میں داخل ہونے والے طلباء کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ متوقع ہونے کے پیش نظر جامعہ احمدیہ کی توسیع کا منصوبہ حضور نے منظور فرمایا جس کے مطابق جامعہ احمدیہ کو دو سیکشنز میں تقسیم کیا گیا اور نئی عمارات تعمیر کی گئیں اور بعض زیر تعمیر ہیں۔ جامعہ احمدیہ جونیئر سیکشن محلہ دارالنصر غربی اس جگہ قائم ہوا جہاں پہلے فضل عمر ریسرچ انسٹیٹیوٹ تھا۔ یہاں دو کلاسیں ممہدہ اور اولیٰ کو قرآن کریم کے علاوہ زبانوں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اور عربی اور انگریزی میں مہارت اور اردو اور فارسی سے اچھی واقفیت پیدا کی جاتی ہے۔ جامعہ احمدیہ سینئر سیکشن محلہ دارالبرکات پہلی جگہ پر ہی ہے جہاں پانچ کلاسیں ثالثہ تا سادسہ ہیں طلباء درجہ شاہد کا امتحان پاس کرتے ہیں فارغ التحصیل طلباء کو بطور مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ میدان عمل میں بھجوا دیا جاتا ہے۔ ان کو ترجمہ و تفسیر قرآن مجید، حدیث، فقہ، موازنہ، کلام کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نیز بعض زبانیں مثلاً سواحیلی، جرمن سپینش وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہے۔

نصاب انٹرنیشنل جامعہ احمدیہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ لندن یوکے، کے موقع پر انٹرنیشنل جامعہ احمدیہ کے لئے تعلیمی نظام اور نیا نصاب ترتیب دینے کے لئے ایک کمیٹی مقرر فرمائی جس کو تفصیلی ہدایات سے نوازا۔ چنانچہ انٹرنیشنل جامعہ احمدیہ کے لئے نصاب کی 1996ء میں منظوری عطا فرمائی۔ جس کا دورانیہ بھی 7 سالہ ہے۔ مختلف ممالک میں جامعات کو یونیفارم کرنے کے لئے یہ نصاب جاری کیا گیا ہے۔

جامعات بیرون پاکستان

بیرون پاکستان سے ایک اچھی تعداد طلباء کی جامعۃ المبشرین اور جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنے آتی رہی۔ لیکن پھر حالات ایسے ہوئے کہ ان کو تعلیم کے حصول کے لئے پاکستان کا ویزا ملنے میں روک ڈال دی گئی۔ اور خواہش مند طلباء ربوہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے نہ آسکے اس بناء پر لوکل مبلغین کی تیاری کیلئے بیرون پاکستان جامعات احمدیہ کا قیام ضروری ہوا۔ چنانچہ گھانا، انڈونیشیا، نائیجیریا، تنزانیہ، بنگلہ دیش، کینیڈا، ملیشیا میں جامعہ احمدیہ قائم ہیں جہاں طلباء دینی تعلیم حاصل کر کے تبلیغ کے میدان میں بھیجے جا رہے ہیں۔ اساتذہ کی کمی اور ابتدائی حالت کی وجہ سے بعض جگہ تین سالہ کورس پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔ تاہم جامعہ احمدیہ کینیڈا میں سات سالہ نصاب ہی رکھا گیا ہے اور جامعہ احمدیہ ربوہ کی طرح طلباء تبلیغ کی مکمل ٹریننگ حاصل کریں گے۔ یو۔ کے میں بھی جامعہ احمدیہ کا قیام زیر کارروائی ہے اور توقع ہے کہ انشاء اللہ عنقریب اس کا اجراء ہو جائے گا۔ اس کا نصاب بھی سات سالہ ہوگا۔ جامعہ احمدیہ قادیان بھی 1947ء سے بدستور جاری ہے اور یہاں بھی سات سالہ نصاب رکھا ہوا ہے۔

جامعہ احمدیہ گھانا اپریل 1966ء، انڈونیشیا 1982ء، نائیجیریا 1982ء، تنزانیہ 1984ء، بنگلہ دیش 2002ء، کینیڈا 2003، ملیشیا 2004ء سے جاری شدہ ہیں۔

جامعہ احمدیہ یو.کے

یو کے میں جامعہ کا احمدیہ کا اجراء 28 ستمبر 2005ء سے ہو چکا ہے۔یکم اکتوبر 2005ء کو اس کا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے باقاعدہ افتتاح فرمایا۔اس موقعہ پر حضور کا خطاب پیش خدمت ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطاب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

برموقع افتتاح جامعہ احمدیہ U.K لندن۔مورخہ یکم اخاء 1384 ہش بمطابق یکم اکتوبر 2005ء

الحمد اللہ آج U.K کے جامعہ احمدیہ کا آغاز ہو رہا ہے۔آج سے جامعہ شروع ہو رہا ہے۔ویسے تو یہ دو دن سے یہاں باقاعدہ آ چکے ہیں لیکن Formal Opening آج ہو رہی ہے۔فی الحال تو یہ جامعہ صرف U.K کا جامعہ نہیں ہے بلکہ تمام یوروپین ممالک کا جامعہ ہے۔کیونکہ اس میں مختلف ممالک سے طلبہ داخل ہوئے ہیں آ کر۔اور جب تک کسی یوروپین ملک میں جامعہ شروع نہیں ہو جاتا، یہ ایک لحاظ سے جامعہ احمدیہ پورے یورپ کیلئے ہی ہے۔کیونکہ اس جامعہ احمدیہ نے ہی اس علاقے کے واقفین نو نوجوانوں کو جنہوں نے اپنے آپ کو مبلغ بننے کیلئے پیش کیا ہے انکو سنبھالنا ہے۔باقی یوروپین ممالک میں تو جماعت کی تعداد بہت تھوڑی ہے، سوائے جرمنی کے، اور اگر کبھی جامعہ کھلا اس کے بعد تو ہو سکتا ہے کہ جرمنی کا نمبر ہی دوسرا ہو۔کیونکہ وہی اس قابل ہے، تعداد کے لحاظ سے بھی واقفین نو کی اور وسائل کے لحاظ سے بھی، جو کہ جامعہ چلا سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ جب جرمنی جامعہ کھل جائے تو یورپ کے جو اس کے قریب کے ممالک ہیں، بہت سارے وہ وہاں جا رہے ہوں داخلہ لیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے جب وقف نو کی تحریک فرمائی تھی تو فرمایا تھا کہ ہمیں لاکھوں واقفین نو چاہئیں۔اب تک تو واقفین نو کی تعداد ہزاروں میں ہے۔لیکن جس طرح جماعت کی تعداد بڑھ رہی ہے اور جس طرح والدین کی اس طرف توجہ پیدا ہو رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ لاکھوں کی یہ تعداد ہو جائے گی اور پھر ظاہر ہے کہ ہر ملک میں جامعہ احمدیہ کھولنا پڑے گا اور یہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن ہو گا۔لیکن اس وقت جو آپ طلباء یہاں آئے ہیں، مختلف ممالک سے، دینی

تعلیم حاصل کرنے کیلئے ۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے تحت کہ دین کا علم حاصل کریں، اس گروہ میں شامل ہوئے ہیں جنہوں نے دوسروں کو دین سکھانے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا میں پہنچانے کا عہد کیا ہے، اس کیلئے اپنے آپ کو وقف کیا ہے۔

دنیا میں بہت سے مسلمان فرقوں اور حکومتوں نے دینی علم سکھانے کیلئے اس غرض کیلئے مدارس کھولے ہوئے ہیں، جنکو بہت زیادہ فنڈز بھی مہیا ہوتے ہیں، بہت ساری سہولتیں بھی میسر ہیں۔ جو یہاں یا کہیں بھی، جماعت احمدیہ کے جہاں جہاں جامعہ احمدیہ ہیں، وہاں میسر نہیں کی جاسکتیں، ہمارے وسائل کے لحاظ سے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہاں جہاں بھی دینی علم دیا جاتا ہے ان کو کافی علم ہوتا ہے۔ جو بھی علم ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے پہلے تفسیر کا، حدیث کا، فقہ کا، وہ سب ان کے پاس ہے۔ ہندوستان میں بھی ایک مدرسہ قائم ہے، دارالعلوم دیو بند میں بڑے بڑے علماء وہاں سے نکلے۔ پھر الازہر یونی ورسٹی ہے، وہ بھی ایک بڑا ادارہ سمجھا جاتا ہے، دینی تعلیم کا۔ لیکن یہ تمام ادارے اور ان میں تعلیم پانے والے، تعلیم حاصل کر کے باہر آنے والے، باوجود اس کے کہ وہ سب دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، وہ اس لحاظ سے بے علم اور بدقسمت ہیں کہ وہ اس زمانے کے امام کو نہیں پہچان سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو سمجھنے کا ان کو فہم و ادراک حاصل نہیں ہو سکا۔ بجائے اس کے کہ علم ان کے دل و دماغ کو روشن کرتا اور ان میں عاجزی پیدا کرتا اس علم نے ان میں تکبر پیدا کیا، جس کی وجہ سے، انہوں نے نہ صرف اس زمانے کے امام کو پہچانا نہیں بلکہ اکثریت نے حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف بڑی غلیظ زبان استعمال کی اور اپنے آپ کو علمی لحاظ سے بہت بلند سمجھا، اس زمانے کے حکم و عدول کو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی فرزند کو، ماننے سے انکار کیا۔ لیکن آپ لوگ ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنکے والدین کو جنکے آباء و اجداد کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق ملی، اور پھر اس یقین میں اس حد تک بڑھے کہ خلیفہ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے، اپنے بچوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نیک اولاد کی دعا کی تا کہ اسے اللہ کے حضور پیش کر سکیں۔ بہت سی ماؤں نے یہ دعا کی کہ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ کہ جو کچھ بھی میرے پیٹ میں ہے، جو بچہ بھی میرے پیدائش ہونے والا ہے، اُسے میں تجھے پیش کرتی ہوں، اے اللہ! میں تجھے دیتی ہوں۔ اور یہ بھی صرف اسی وجہ سے ہے کہ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک سچا تعلق ہے، اس لئے ان میں اپنے

بچوں کو وقف نو میں پیش کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔اور بہت سی احمدی ماؤں کے جو اکثر خط آتے ہیں وقف نو کی اولاد کیلئے کہ ہمارے بچوں کو وقف نو میں شامل کیا جائے، وہ اکثریت اُن میں سے احمدی ماؤں کے خط ہوتے ہیں۔تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس زمانے میں، جب مائیں چاہتی ہیں کہ بچے ہوں اور دنیاوی خواہشیں پوری ہوں اُن کے ذریعہ سے، وہ دین کی خاطر وقف کرتی ہیں پس آپ خوش قسمت ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آپکو ایسے ماں باپ عطا کئے جو اپنے بچوں کو خدا کی راہ میں پیش کرنے کیلئے دین کی خاطر وقف کرنے کیلئے خوشی سے تیار ہو گئے۔پس جہاں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اپنے ماں باپ کیلئے بھی دعا کریں کہ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔یعنی ان دونوں پر بھی رحم کر کہ جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری تربیت کی اور میں، باوجود دنیا کی چکا چوند کے اس معاشرے میں رہتے ہیں جہاں ہر طرف غلاظتیں ہیں، بلوغت کی عمر کو پہنچ کر اس تربیت کی اور دعا کی وجہ سے جو میرے والدین نے کی، کہ اے اللہ! آج میں تیرے دین کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے اس ادارے میں داخل ہو رہا ہوں، ہمیشہ یہ دعا کریں کہ اے اللہ! ہمیشہ مجھے اپنے والدین کا بھی عہد پورا کرنے کی توفیق دے اور مجھے اپنے عہد پورا کرنے کی بھی توفیق دے اور ہر موقع ہر تکلیف میں، ہر امتحان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح جواب دینے والے ہوں کہ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔کہ تو مجھے انشاءاللہ صبر کرنے والوں اور ایمان پر قائم رہنے والوں میں پائے گا۔اگر آپ اسطرح اپنا عہد نبھاتے رہے تو تبھی آپ وقف کے میدان میں کامیاب اور اللہ کا پیار حاصل کرنے والے ہوں گے، اور اسطرح اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے ہوئے اپنی زندگی گزارنے والے ہوں گے۔اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ خود آپکو اپنا ہاتھ رکھ کر ہر مشکل سے نکالے گا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر آپ پر ہوگی۔لیکن ہر قربانی کیلئے تیار ہونا اور ہر قربانی کیلئے اپنے آپکو پیش کرنا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپکو اس روح کو قائم رکھتے ہوئے اپنے ماں باپ کا اور اپنا عہد پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔یہاں جو چند سال آپنے گزارنے ہیں ،تقریباً سات سال، ان میں ہر دن آپ میں انقلاب لانے والا دن ثابت ہونا چاہئے۔اپنے عہد کا پاس کرنے والا دن نظر آنا چاہئے۔آپ کے اساتذہ کو بھی، آپ کے گھر والوں کو بھی، آپ کے ماحول کو بھی اور آپ کو خود بھی اپنے اندر ہر روز ایک نئی اور پاک تبدیلی پیدا ہوتی نظر آنی چاہئے۔آپ کا خدا تعالیٰ سے تعلق روز بروز بڑھنا چاہئے۔ہمیشہ یہ ذہن میں رہے کہ میں واقف زندگی ہوں اب میرا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔میری ذات اب خدا کیلئے اور خدا کی مسیح

کی جماعت کیلئے ہے۔ جامعہ کے ان سالوں میں مکمل طور پر پڑھائی کی طرف توجہ دیں۔ بعض مضمون آپ کو مشکل لگیں گے، دعا کے ساتھ محنت کرتے ہوئے اپنے اساتذہ کی رہنمائی میں ان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ چھوٹی موٹی تکلیفوں اور بیماریوں کی کبھی پرواہ نہ کریں۔ یہ آتی رہتی ہیں۔ بعض بچے بڑے نازک ہوتے ہیں، ذراسی سر درد ہوئی تو لیٹ جاتے ہیں، تو اپنے آپ کو سخت جانی کی عادت ڈالیں۔ ایک ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے۔ رات کو سوتے ہوئے اپنا جائزہ لینے کی عادت ڈالیں کہ کوئی لمحہ بھی ایسا تو نہیں جو میں نے ضائع کیا ہو، دن کے دوران۔ تو جب آپ اپنا اس طرح جائزہ لے رہے ہوں گے، تو ابھی سے آپ کو وقت کی قدر کی احساس بھی پیدا ہو جائے گا، وقت کے صحیح استعمال کی عادت بھی پڑ جائے گی اور جب آپ فارغ ہوں گے، یہاں سے، مربی بن کر، مبلغ بن کر نکلیں گے تو اپنی زندگی کا ہر لمحہ ہر سیکنڈ دین کی خاطر گزارنے والے ہوں گے، اور جب اس طرح وقت گزاریں گے تو تبھی آپ اپنے عہد کو پورا کرنے والے کہلا سکیں گے۔ ایک بات اور یاد رکھیں کہ یہاں جو بھی کلاسوں میں پڑھیں، جامعہ کے وقت کے بعد یعنی کلاسوں کے بعد، اسکی دہرائی ضرور کریں۔ جب اپنے کمروں میں جائیں تو جو روز پڑھا ہو تو وہ روز کا روز دہرالیں، تا کہ جو بھی پڑھا ہے وہ آپ کے ذہن میں بیٹھ جائے۔ اسکے علاوہ جب تک اردو پڑھنی نہیں آتی اُس وقت تک حضرت مسیح موعودؑ کی کوئی بھی کتاب جسکا ترجمہ ہو چکا ہو، انگلش میں، کیونکہ انگلش تو تقریباً ساروں کو آتی ہے، بعض حصوں کے ترجمہ ہو چکے ہیں، اُن کو پڑھنے کی عادت ڈالیں روزانہ۔ پھر اُس کو سمجھنے کی عادت ڈالیں۔ اور یاد رکھیں کہ ہر صورت میں آپ نے زائد مطالعہ کرنا ہے۔ جو جامعہ کا پڑھنا ہے نا، اسکے علاوہ جو اسکی دہرائی کرنی ہے، اور اسکے علاوہ زائد مطالعہ بھی کرنا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم یا تلاوت روزانہ کرنا، آپ کی تعلیم کا حصہ ہے اور پابندی بھی ہوگی، ہوسٹل میں رہنے والوں کیلئے، کہ تلاوت کیا کریں، نماز کے بعد، لیکن اس کی تلاوت اور اس کو سمجھنا اس لئے بھی اپنے اوپر لازم کر لیں کہ ہم نے اپنی زندگی پر اس تعلیم کو لاگو کرنا ہے، اس پر عمل کرنا ہے، اُن علماء کی طرح نہیں ہونا جو علم تو سیکھ لیتے ہیں، لیکن دوسروں کیلئے، اپنے پر عمل کرنے کی انکو توفیق نہیں ہوتی، جب وقت آئے تو سو بہانے تراشتے ہیں۔ پھر اخبار کا مطالعہ ہے روزانہ اخبار کا مطالعہ بھی ہونا چاہئے دوسرے رسالوں کا مطالعہ بھی ہونا چاہئے۔ پھر کھیلیں ہیں اس میں بھی آپکو ضرور حصہ لینا چاہئے۔ اس بات کو اپنے اوپر فرض کر لیں کہ سوائے ان چھ، سات گھنٹے کے جو آپ نے سونا ہے، اتنا تو اس عمر میں سونا چاہئے۔ اگر انتظامیہ نے اس سے بھی ٹائیٹ شیڈول بنایا ہوا ہے تو تھوڑا سا نرم کر

دے گی لیکن اس چھ سات گھنٹے کے علاوہ باقی وقت جو ہے وہ آپ کا بالکل مصروف رہنا چاہئے۔ یاد رکھیں کہ آپکو اس جامعہ کا ابتدائی طالب علم بننے کا موقعہ مل رہا ہے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے اور ایک ذمہ داری بھی ہے۔ طلباء کا بھی اپنا ایک مزاج ہوتا ہے جو پھر اس ادارے کا مزاج بن جاتا ہے۔ اور پھر آئندہ آنے والے بھی اسی پر چلتے ہیں عموماً۔ اگر پہلے طلباء اچھے ہوں تو انتظامیہ کو بعد کے طلباء پر بھی زیادہ محنت کرنی نہیں پڑتی اور طلباء کے اچھے ہونے کی وجہ سے ہی ادارہ مشہور ہوتا ہے۔ بعض دفعہ اچھی لاٹ آجاتی ہے۔ طلباء کی تو وہ کالج بڑا مشہور ہو جاتا ہے، انکی وجہ سے، حالانکہ پروفیسر یا ٹیچر یا پڑھانے والے اسی طرح محنت کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگوں نے خود بھی خاص طور پر توجہ سے اچھا بننا ہے اور اس لحاظ سے جو آپ اپنے اوپر اس نیت سے انقلاب لانے کی کوشش کر رہے ہوں گے تو ایک لحاظ سے اس ادارے کیلئے Trand Setter بھی بن رہے ہوں گے۔ یہ ٹھیک ہے کہ جامعہ احمدیہ کا اپنا ایک تقدس بھی ہے اگر آپ اس پر پورا نہیں اتریں گے تو ہوسکتا ہے کہ انتظامیہ ایسے طلباء کو جو اس تقدس اور معیار کا خیال نہیں رکھ رہے ان کے خلاف کوئی کاروائی بھی کرے، کیونکہ بُری مثالیں تو بہرحال قائم نہیں کرنیں، اس ادارے میں۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو جماعت احمدیہ کا خالص ادارہ دینی تعلیم سکھانے والا ادارہ ہے۔ خالص وہ لوگ یہاں داخل ہوں گے۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں دین کی خدمت کیلئے وقف کیں ہیں۔ تو اس لحاظ سے بہرحال انتظامیہ کو دیکھنا بھی پڑتا ہے۔ لیکن آپ لوگوں سے میں کہتا ہوں کہ اگر آپ لوگ جو طلباء آئے ہیں اعلیٰ مثالیں قائم کریں اور ہر لحاظ سے قائم کریں تو جامعہ کی تاریخ میں آپکا نام سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ ہمیشہ آپکو اس نام سے یاد کیا جائے گا کہ یہ ایسے طلباء تھے جن سے بعد میں آنے والوں نے بھی رہنمائی حاصل کی۔ کیونکہ لمبی کلاسیں چلنی ہیں، ہر سال داخلے ہوں گے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ آپ کے نمونے بھی دیکھ رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپکو اپنی تعلیم مکمل کرنے، نیکیوں میں بڑھتے چلے جانے اور اپنے وقف کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیشہ آپکو اس بات پر فخر رہے اور یہ فخر عاجزی میں بڑھائے کہ ہم خدا کے مسیح کی فوج کے سپاہی ہیں۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جھنڈے کو تمام دنیا میں گاڑنا ہے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

❁❁❁

باب پنجم

خلافت ثانیہ اور وقف زندگی

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا مبارک وجود جن کی خبر یہود کی شریعت کی بنیادی کتاب طالمود میں یوں دی گئی تھی کہ:

''It is also said that he (The Messiah) shall die and his kingdom descend to his son and grandson''(Ch:5 Vol:37)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے انجیل میں '' آسمانی بادشاہت کا دولہا'' (متی:13-25/1) کے الفاظ میں ذکر کیا گیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے احادیث میں یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہٗ (مشکوۃ المصابیح) کے الفاظ سے پیشگوئی تھی اور بزرگان امت کو بھی آپ کے آنے کی خبر دی گئی۔ مثلاً حضرت شاہ نعمت اللہ ولی صاحب فرماتے ہیں۔

دور او چوں شود تمام بکام   پسرش یادگار مے بینم   (قصیدہ)

اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پیدائش سے قبل ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً خبر دی تھی کہ:

''میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ تا دنیا پر اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت ہوگا اور وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا۔ خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔'' (اشتہار 20 رفروری 1886ء)

خدائے علیم وخبیر کی پیشگوئیاں بتارہی ہیں کہ آپ کا وجود کس قدر عظیم الشان اور شاندار تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان تمام پیشگوئیوں کا ایک ایک لفظ آپ کی ذات بابرکات میں بکمال وتمام پورا ہوا۔

حضرت مصلح موعودرضی اللہ عنہ کا خداداد جوش تبلیغ

حضرت مصلح موعودؓ کو بچپن سے ہی خدمت اسلام اور تبلیغ اسلام کا بے حد شوق اور جوش تھا اس کا اظہار آپ نے اپنے دور کی پہلی مجلس شوریٰ 1914ء کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''پہلا فرض خلیفہ کا تبلیغ ہے جہاں تک میں نے غور کیا ہے میں نہیں جانتا کیوں بچپن ہی سے میری طبیعت میں تبلیغ کا شوق رہا ہے اور تبلیغ سے ایسا اُنس رہا ہے کہ میں سمجھ ہی نہیں سکتا ۔ مَیں چھوٹی سی عمر میں بھی ایسی دعائیں کرتا تھا اور مجھے ایسی حرص تھی کہ اسلام کا جو کام بھی ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو۔ مَیں اپنی اس خواہش کے زمانہ سے واقف نہیں کہ کب سے ہے میں جب دیکھتا تھا اپنے اندر اسی جوش کو پاتا تھا اور دعائیں کرتا تھا کہ اسلام کا جو کام ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو پھر اتنا ہو اتنا ہو کہ قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ ہو جس میں اسلام کی خدمت کرنے والے میرے شاگرد نہ ہوں ۔ مَیں نہیں سمجھتا تھا اور نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ جوش اُنس اسلام کی خدمت کا میری فطرت میں کیوں ڈالا گیا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ یہ جوش بہت پرانا ہے۔غرض اسی جوش اور خواہش کی بناء پر میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ میرے ہاتھ سے تبلیغ اسلام کا کام ہو اور مَیں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے میری دعاؤں کے جواب میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں ....آپ وہ قوم ہیں جس کو خدا نے چن لیا اور یہ میری دعاؤں کا ایک ثمرہ ہے جو اس نے مجھے دکھایا۔اس کو دیکھ کر مَیں یقین رکھتا ہوں کہ باقی ضروری سامان بھی وہ آپ ہی کرے گا اور ان بشارتوں کو عملی رنگ میں دکھا دے گا اور اب مَیں یقین رکھتا ہوں کہ دنیا کو ہدایت میرے ہی ذریعہ ہوگی اور قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ گذرے گا جس میں میرے شاگرد نہ ہوں گے کیونکہ آپ لوگ جو کام کریں گے وہ میرا ہی کام ہوگا۔''

پھر اپنی تبلیغی سکیم کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ ہم میں ایسے لوگ ہوں جو ہر ایک زبان کے سیکھنے والے اور پھر جاننے والے ہوں تا کہ ہم ہر ایک زبان میں آسانی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں اس کے متعلق

میرے بڑے بڑے ارادے اور تجاویز ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل پر یقین رکھتا ہوں کہ خدا نے زندگی دی اور توفیق دی اور پھر اپنے فضل سے اسباب عطا کئے اور ان اسباب سے کام لینے کی توفیق ملی تو اپنے وقت پر ظاہر ہو جاویں گے۔ غرض میں تمام زبانوں اور تمام قوموں میں تبلیغ کا ارادہ رکھتا ہوں اس لئے کہ یہ میرا کام ہے کہ تبلیغ کروں۔ مَیں جانتا ہوں کہ یہ بڑا ارادہ ہے اور بہت کچھ چاہتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا ہی کے حضور سے سب کچھ آوے گا۔ .... پس میرے دوستو! روپیہ کے معاملے میں گھبرانے اور فکر کرنے کی کوئی بات نہیں وہ آپ سامان کرے گا۔ آپ ان سعادت مند روحوں کو میرے پاس لائے گا جو ان کاموں میں میری مددگار ہوں گی۔ میں خیالی طور پر نہیں کامل یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ ان کاموں کی تکمیل و اجراء کے لئے کسی محاسب کی تحریکیں کام نہیں دیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعودؑ سے خود وعدہ کیا ہے کہ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُوْحِیْ اِلَیْھِمْ۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کو ہم وحی کرینگے۔ .... پس خدا آپ ہی ہمارا محاسب اور محصّل ہوگا اس کے پاس ہمارے سب خزانے ہیں .... پھر ہمیں کیا فکر ہے ہاں ثواب کا ایک موقعہ ہے مبارک وہ جو اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 157-158)

شیخ غلام احمد صاحب واعظ رضی اللہ عنہ جو ایک نومسلم تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ آپ نے اخلاص اور ایمان میں ایسی ترقی کی کہ نہایت عابد و زاہد اور صاحب کشف و الہام بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

’’ایک دفعہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ آج کی رات مسجد مبارک میں گزاروں گا اور تنہائی میں اپنے مولا سے جو چاہوں گا مانگوں گا۔ مگر جب میں مسجد میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص سجدے میں پڑا ہوا ہے اور الحاح سے دعا کر رہا ہے۔ اس کے اس الحاح کی وجہ سے میں نماز بھی نہ پڑھ سکا اور اس شخص کی دعا کا اثر مجھ پر بھی طاری ہو گیا اور میں بھی دعا میں محو ہو گیا اور میں نے دعا کی کہ یا الٰہی! یہ شخص تیرے حضور جو کچھ بھی مانگ رہا ہے وہ اس کو دے اور میں کھڑا کھڑا تھک گیا کہ یہ شخص سر اٹھائے تو معلوم کروں کہ کون ہے۔ میں نہیں کہہ

سکتا کہ مجھ سے پہلے وہ کتنی دیر سے آئے ہوئے تھے مگر جب آپ نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں محمود احمد صاحب ہیں۔ میں نے السلام علیکم کہا اور مصافحہ کیا اور پوچھا میاں! آج اللہ تعالیٰ سے کیا کچھ لے لیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو یہی مانگا ہے کہ الٰہی! مجھے میری آنکھوں سے اسلام کو زندہ کر کے دکھا اور یہ کہہ کر آپ اندر تشریف لے گئے۔'' (سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ 151)

تبلیغ احمدیت کے لئے ملک گیر سکیم

خلافت اولیٰ کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو تبلیغ کی طرف پھیرا۔ آپ نے بہت دعاؤں اور التجاؤں کے بعد اور حضرت خلیفۃ المسیح کی اجازت سے جنوری 1914ء کے آغاز میں جماعت کے سامنے ہندوستان بھر میں تبلیغ کے لئے ایک سکیم پیش کی۔ جس کے اہم پہلو یہ تھے:

(ا)۔ ہندوستان کے تمام شہروں اور قصبوں میں خاص طور پر جلسے کئے جائیں۔

(ب)۔ مختلف مقامات پر واعظ مقرر ہوں۔

(ج)۔ ہر زبان میں ٹریکٹ شائع ہوں۔

(د)۔ سکول کھولے جائیں۔

اس سکیم کی تکمیل کے لئے جن اصحاب نے خاص طور پر آپ کی آواز پر لبیک کہا ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت مولوی سرور شاہ صاحب، حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ، حضرت میر قاسم علی صاحبؓ، سید صادق حسین صاحب اٹاوہ، بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹرؓ، چوہدری محمد عبداللہ خان صاحب داتہ زید کا، ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب، میاں نور الدین صاحب تاجر قادیان، میاں محمد شریف صاحب پلیڈر چیف کورٹ۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے سلسلہ کی تبلیغ کے لئے جماعت کو جھنجوڑتے ہوئے لکھا:

''میں حیران ہوں کہ میں سوتوں کو جگانے اور جاگتوں کو ہوشیار کرنے کے لئے کونسی راہ اختیار کروں۔ میں ششدر ہوں کہ تمہارے دلوں میں کس طرح وہ آگ لگا دوں جو میرے دل میں لگ چکی ہے لکڑیوں کو جلانے کے لئے دیا سلائیاں ہیں۔ بڑے بڑے

جنگل ایک دیا سلائی سے جل سکتے ہیں مگر دلوں کو گرم کرنے کے لئے دنیا نے کوئی سامان ایجاد نہیں کیا جس سے کام لے کر میں تمہارے دلوں میں حرارت پیدا کر دوں۔ دلوں کا پھیرنا خدا تعالیٰ کے ہی اختیار میں ہے اور اسی سے دُعا کر کے میں نے پہلا مضمون لکھا تھا اور اسی کے حضور میں اب گرتا ہوں کہ وہ میری آواز کو مؤثر بنائے اور پاک دلوں میں اس کے لئے قبولیت پیدا کرے۔'' (تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 527-528)

دعوۃ الی الخیر فنڈ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ملک بھر میں تبلیغی سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک دعوت الی الخیر فنڈ بھی کھولا۔

تبلیغی کلاسوں کا اجراء

مدرسہ احمدیہ جاری تھا مگر وہاں تعلیم پانے والے مبلغین کے میدان عمل میں آنے کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد تبلیغ کے کام کو تیز سے تیز کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایسی تبلیغی کلاسیں جاری کئے جانے کی ہدایت فرمائی جس کا کورس ترجمہ قرآن شریف، مشکوٰۃ اور قدوری تھا۔ یہ کلاسیں مسجد مبارک اور مسجد اقصیٰ میں دو وقت کھلتی تھیں اور حضرت قاضی امیر حسین صاحبؓ، حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ، حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ، حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصریؓ اور حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ طلباء کو پڑھاتے تھے۔

وقفِ زندگی کی پہلی باقاعدہ تحریک

سلسلہ کی تبلیغی سرگرمیوں کے روز بروز وسعت اختیار کرنے کی وجہ سے حضرت مصلح موعودؓ نے دسمبر 1917ء کے خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو اشاعت اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے کی تحریک فرمائی۔ آپ نے جماعت کی کمزور حالت اور درپیش عظیم چیلنجوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے مقابلہ والے تعداد کے لحاظ سے، علوم کے لحاظ سے، جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں، مال کے لحاظ سے غرض کسی حیثیت سے بھی دیکھا جائے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری کوئی حیثیت ہونا تو الگ رہا ہم کوئی جماعت کہلانے کے بھی مستحق نہیں۔ پھر اربوں آدمی ہیں جنہیں ہم کو اسلام سکھانا اور اس کی حقیقت بتانی ہے۔ پھر جو ہمارے مقابلہ میں مال صرف ہو رہے ہیں ان کا اندازہ بھی مشکل ہے۔

ساٹھ کروڑ روپیہ عیسائیت کی تبلیغ میں صرف ہوتا ہے اور ستّر ہزار عیسائی مشنری دنیا میں کام کر رہا ہے اور صرف انہی مشنریوں پر ہی ان کی تبلیغ کا دائرہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اور بھی بہت سے طریق ہیں جن کے ذریعہ عیسویت کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ کالج بنائے گئے ہیں، سکول کھولے گئے ہیں، ہسپتال قائم کئے گئے ہیں، ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں کتب شائع کی جاتی ہیں، یتیم خانے بنائے گئے ہیں اگر ان تمام اخراجات کو نظر انداز کر کے صرف ستّر ہزار مبلغوں کی تنخواہوں کا ہی اندازہ کیا جائے اور اوسط تنخواہ سو روپیہ ماہوار فرض کی جائے تو نظام دکن کی آمدنی جتنا ان کا صرف مبلغوں کا ہی خرچ ہوگا اور جو دوسری مدات میں صرف ہوتا ہے وہ بیس کروڑ سے کیا کم ہوگا۔

اس کے مقابلہ میں ہمارے لئے جو سامان ہیں وہ گویا کچھ بھی نہیں اگر ہماری جماعت تکلیف برداشت کر کے اپنی ساری آمدنیوں کو بھی دیدے تو بھی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہماری تو وہی مثل ہے ایک انار و صد بیمار۔ کسی طبیب کو تو ایک انار کی موجودگی میں سو بیمار کی شکایت کرنا پڑی تھی لیکن یہاں تو ایک انار اور کروڑ ہا بیمار کا معاملہ ہے۔''

ان مسائل کا حل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں نے اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے تاریخِ اسلام پر خوب نظر کی ہے تو معلوم ہوا ہے کہ بعض ذرائع ایسے ہیں جن پر اس وقت تک عمل نہیں ہوا۔ اسلام دنیا میں اس طریق سے نہیں پھیلا جس طریق پر ہماری تبلیغ ہو رہی ہے......اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کا کیا طریق تھا جس سے تمام دنیا میں اسلام پھیل گیا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ طریقِ تبلیغ ہمارے صوفیاء کرام رضوان اللہ علیہم کا طریق تھا ہندوستان میں اسلام

حکومت کے ذریعہ نہیں پھیلا بلکہ حکومت کے آنے سے صدیوں پہلے اسلام ہندوستان میں آچکا تھا۔ حضرت معین الدین چشتیؒ کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ ہوئی پھر قطب الدین بختیار کاکیؒ ،فرید الدین شکر گنجؒ ، نظام الدین صاحب اولیاءؒ یہ لوگ ملک کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے اور خدا کے دین کی اشاعت میں مصروف ہو گئے یہ لوگ تنخواہ دار نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ کچھ حصّہ دن میں اپنا کام کرتے تھے اور باقی وقت دین کی اشاعت میں صرف کرتے تھے۔ یہی حال دوسرے مما لک کا ہے۔ وہاں بھی حکومت کے ذریعہ اسلام نہیں پھیلا بلکہ ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ پھیلا ہے۔

پس یہ وہ طریق ہے جس کے ذریعہ اسلام نے دنیا میں ترقی کی تھی اور جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی پسند فرمایا تھا۔ حضرت صاحب کے وقت اس مسئلہ پر غور کیا گیا تھا اور آپ نے قواعد بنانے کے لئے سیّد حامد شاہ صاحب کو مقرر فرمایا تھا۔ سیّد صاحب نے جو قواعد مرتب کر کے دیئے تھے وہ حضرت صاحب نے مجھ کو دیکھنے کے لئے دیئے تھے۔ کہ درست ہیں یا نہیں۔ تو مَیں نے عرض کیا تھا کہ درست ہیں۔ حضرت صاحب نے بھی ان کو پسند کیا تھا۔ ان قواعد پر عمل کرنے کے لئے تجویز ہوا تھا کہ دوستوں کو اپنی زندگیاں وقف کرنی چاہئیں تا کہ سلسلہ پر ان کا کوئی بوجھ نہ ہو اور وہ خود محنت کر کے اپنا گذارہ بھی کریں اور اسلام کی اشاعت میں بھی مصروف رہیں اور وہ ایک ایسے انتظام کے ماتحت ہوں کہ ان کو جہاں چاہیں جس وقت چاہیں بھیج دیں اور وہ فوراً چلے جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان تجاویز کو حضرت صاحب نے پسند فرمایا تھا اس وقت کچھ لوگوں نے اپنی زندگیاں وقف بھی کی تھیں۔ مگر پھر معلوم نہیں کہ کیا اسباب ہوئے کہ وہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔''

اس غرض کے لئے آپ نے احباب جماعت کو اپنی زندگیاں وقف کرنے کے تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

''پس ہمارے دوست اپنی زندگیاں وقف کریں اور مختلف پیشہ سیکھیں۔ پھر ان کو

جہاں جانے کے لئے حکم دیا جائے وہاں چلے جائیں اور وہ کام کریں جو انہوں نے سیکھا ہے۔ کچھ وقت اس کام میں لگے رہیں تا کہ ان کے کھانے پینے کا انتظام ہو سکے اور باقی وقت دین کی تبلیغ میں صرف کریں۔ مثلاً کچھ لوگ ڈاکٹری سیکھیں کہ یہ بہت مفید علم ہے۔ بعض طبّ سیکھیں اگر چہ طبّ جہاں ڈاکٹری پہنچ گئی ہے کامیاب نہیں ہوسکتی۔ مگر ابھی بہت سے علاقہ ایسے ہیں جہاں طبّ کو لوگ پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح اور کئی کام ہیں۔ ان تمام کاموں کو سیکھنے سے ان کی غرض یہ ہو کہ جہاں وہ بھیجے جائیں وہاں خواہ ان کا کام چلے یا نہ چلے لیکن کوئی خیال ان کو روک نہ سکے۔''

فرمایا:

میرے دل میں مدّت سے یہ تحریک تھی لیکن اب تین چار دوستوں نے باہر سے بھی تحریک کی ہے کہ اسی رنگ میں دین کی خدمت کی جائے پس میں اس خطبہ کے ذریعہ یہاں کے دوستوں اور باہر کے دوستوں کو متوجہ کرتا ہوں کہ دین کے لئے جوش رکھنے والے بڑھیں اور اپنی زندگیاں وقف کر دیں......... جہاں میں یہ کہتا ہوں کہ زندگیاں وقف کرو۔ وہاں یہ بھی کہتا ہوں کہ خوب سوچ سمجھ کر اس راہ میں قدم رکھو۔ کیونکہ یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ ہم اپنی زندگیوں سے دستبردار ہو گئے۔ بعض عزیزوں رشتہ داروں کی طرف سے مشکلات پیدا کی جائیں گی یا اپنا نفس ہی پیچھے ہٹنے کے لئے کہے گا۔ پس خوب سمجھ کر دعاؤں کے بعد اس راہ میں قدم رکھو۔

پھر یہ بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ جہاں اور جس جگہ چاہو بھیج دو ہمیں انکار نہیں ہوگا۔ اگر ایک منٹ کے نوٹس پر بھی ان کو بھیجا جائے گا تو ان کو جانا پڑے گا۔ اگر چہ یہ بہت بڑا کام اور بہت بڑا ارادہ ہے۔ مگر اس کے انعامات بھی بہت بڑے ہیں اگر کسی کو ایک ہزار روپیہ بھی آمدنی ہوگی تو اس کو چھوڑنا پڑے گا۔ اور ایسی جگہ جانا ہوگا جہاں صرف دس روپے ملنے کی امید ہوگی۔ اور آباد علاقوں کو چھوڑ کر جنگلوں کے سفر میں جانا پڑے گا شہروں کو چھوڑ کر گاؤں میں رہنا پڑے گا۔

خطرناک موسم ان کو اس ارادہ سے روک نہ سکیں جنگیں ان کے لئے رکاوٹ کا موجب نہ ہوں۔ دشوار گزار راستہ ان کو بددل نہ کرے۔ بیوی بچوں کے تعلقات ان کے عزم کو ڈھیلا نہ کر سکیں۔ وہ چاہیں تو بیوی بچوں کو لے جائیں یا کہیں رکھیں مگر یہ نہیں ہوگا کہ کہیں کہ ہم ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ پس جوان

تکالیف کو برداشت کریں گے خدا ان کی مدد کرے گا اور ان کو بڑے بڑے انعامات کا وارث بنائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ جو تعلیم پوری کر چکے ہیں وہ اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں اور جو طالبعلم ہیں وہ تیار ہو سکتے ہیں اور فرمایا کہ طلباء مجھ سے مشورہ کر سکتے ہیں کہ کون سا کام سیکھیں نیز فرمایا اگر ایسے بیس 20 آدمی بھی مل جائیں تو موجودہ تبلیغ سے کہیں بڑھ کر تبلیغ ہو سکتی ہے اور ایسے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں جو آج تک کی کامیابیوں سے بہت بڑھ کر ہونگے۔ جب تک ایسے انسان نہیں ہوں گے کام بخوبی نہیں ہو سکے گا۔

واقف بچوں کو حافظ بنائیں

فرمایا:

''جو لوگ اپنے بچوں کو وقف کرنا چاہیں وہ پہلے قرآن کریم حفظ کرائیں کیونکہ مبلغ کے لئے حافظِ قرآن ہونا نہایت مفید ہے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں اگر بچوں کو قرآن حفظ کرانا چاہیں تو تعلیم میں حرج ہوتا ہے لیکن جب بچوں کو دین کے لئے وقف کرنا ہے تو کیوں نہ دین کے لئے جو مفید ترین چیز ہے وہ سکھالی جائے۔ جب قرآن کریم حفظ ہو جائے گا تو اور تعلیم بھی ہو سکے گی۔ میرا تو ابھی ایک بچہ پڑھنے کے قابل ہوا ہے اور میں نے اس کو قرآن شریف حفظ کرانا شروع کرا دیا ہے۔ ایسے بچوں کا تو جب انتظام ہوگا اس وقت ہوگا اور جو بڑی عمر کے ہیں وہ آہستہ آہستہ قرآن حفظ کر لیں گے۔ لیکن جو زندگی وقف کرنا چاہتے ہیں مجھ سے مشورہ کریں کہ کون سا پیشہ سیکھیں گے۔ پھر ان کے متعلق وہ پہلو اختیار کیا جائے گا جو زیرِ نظر ہے۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 27 ستمبر 1917ء۔ الفضل 22 دسمبر 1917ء)

جماعت کی طرف سے والہانہ لبیک

حضور انورؓ کا یہ خطبہ ابھی چھپ کر باہر کی جماعتوں میں نہیں گیا تھا کہ 25 نوجوانوں نے فوری لبیک کہا۔ جن میں 15 قادیان کی اندرونی جماعتوں کے اور 10 بیرونی آبادی کے خوش قسمت نوجوان تھے۔ جب یہ خطبہ بیرونی جماعتوں میں پہنچا تو ابتداء میں 63 نوجوانوں نے اپنے نام پیش کئے جن میں مولوی عبدالرحیم صاحب ایم۔اے، شیخ یوسف علی صاحب بی۔اے، صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔اے، صوفی محمد ابراہیم صاحب بی۔ایس۔سی، مولوی جلال الدین صاحب شمس، مولوی ظہور حسین

صاحب، مولوی غلام احمد صاحب، مولوی ابو بکر صاحب سماٹری مولوی فاضل، ظل الرحمن صاحب بنگالی، شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اور مولوی رحمت علی صاحب مولوی فاضل بھی تھے۔

ان واقفین کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ (1) رابطین جو واقفین کے استاد تھے۔ (2) مجاہدین جو عملاً تبلیغی جہاد میں مصروف تھے۔ (3) منتظرین جو مدرسہ احمدیہ ہائی سکول میں تعلیم پا رہے تھے۔

یاد رہے حضرت مصلح موعودؓ نے آغاز میں فرمایا تھا کہ اگر 20 آدمی بھی ایسے نکل آئیں تو خدا کے فضل کے ماتحت کامیابی کی فوری سبیل نکل سکتی ہے مگر جماعت نے 20 کی بجائے 63 نوجوان پیش کر دیئے۔ حضور نے اپنے اگلے خطبہ جمعہ 14 دسمبر 1917 میں احباب جماعت کا شکریہ ادا کیا یہ تو ابھی آغاز تھا۔ اس کے بعد مسلسل یہ سلسلہ ترقی کرتا چلا گیا۔

ساری زندگی وقف کرنے کی تحریک

اس وقف کی تحریک کے ایک سال بعد 20 ستمبر 1918ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے دوبارہ احباب جماعت کو اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لئے وقف کرنے کی تحریک فرمائی۔ شروع میں حضور نے تین تین سال کے لئے وقف کرنے کی تحریک کی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”میں نے تین سال کے لئے زندگی وقف کرنے کا عہد لیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ممکن ہے ان میں سے بعض زیادہ تکلیف محسوس کر کے اس کو چھوڑنا چاہیں اور اس طرح وہ خدا کے گنہگار ٹھہریں اور منافق بنیں اس لئے مَیں نے تین سال کے لئے عہد لیا تھا کہ اگر کسی میں کچھ کمزوری بھی ہوگی اور وہ ان تکالیف کو برداشت نہیں کر سکتا ہوگا تین سال گذار دے پھر چاہے چھوڑ دے۔ ورنہ دین کے لئے تین سال کیا ساری عمر کے لئے زندگی وقف کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ محض اس لئے تھا تا کہ جو کمزور ہوں وہ بعد میں وعدہ خلاف نہ کہلائیں۔

اسلام کی حالت اس وقت پکارتی ہے کہ اس کے لئے ساری زندگی وقف کی جائے۔ اور بہت سے لوگ ہوں جو زندگی وقف کر دیں اس لئے ایک سال کے بعد میں دوبارہ تحریک کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کے لوگ دین اسلام کی خدمت کے لئے

زندگی وقف کریں۔ یہ ایک ایسا وقت ہے کہ اس وقت تھوڑی خدمت بعد میں بڑی بڑی خدمتوں سے بہت افضل ہوگی۔اسلام مٹ رہا ہے۔پس جو لوگ اس وقت خدمت کریں گےان کی خدمت زیادہ قابلِ قدر ہوگی۔

مسلمان کمزور ہیں اور دنیا کہتی ہے کہ وہ آج گئے کہ کل،لیکن ہم تو دنیاوی لحاظ سے ان سے بھی بہت کمزور ہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں ہمارے آدمیوں کو مار لیتے ہیں اور تکلیفیں پہنچا لیتے ہیں۔ پس جو ایسے وقت میں قربانی کرے گا اور قدم آگے بڑھائے گا خدا کے حضور اس کی اس قربانی اور دین کی راہ میں قدم اٹھانے کی بہت زیادہ قدر ہوگی اگرچہ اس وقت تو جو ہم میں سے دین کے لئے اپنی تمام عمر بھی وقف کرتا ہے کام کے لحاظ سے وہ بہت تھوڑی ہے۔پس جس طرح صحابہ نے اس تنگی اور ضرورت کے وقت جو کچھ بھی ان کے پاس تھا خرچ کیا اور ساری عمر کو دین کی خدمت میں صرف کرڈالا۔اس لئے آج فخر کے ساتھ اور عزّت کے ساتھ ان کے نام لئے جاتے ہیں۔اسی طرح ہم میں سے جو شخص دین کے لئے اپنی زندگی وقف کرے گا اس کی قربانی قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور ہمیشہ کے لئے یادگار ہوگی۔

پس اسلام کی خدمت کا یہ وقت ہے جو اس وقت اس کی اشاعت کے لئے زندگی وقف کرتا ہے خدا کے حضور میں شرف قبول پائے گا۔کیونکہ وہ آواز جو تیرہ سو برس پہلے بلند ہوئی تھی کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وہ آج بھی بلند ہورہی ہے۔جو اس پر لبیک کہے گا۔خدا تعالیٰ اس کا ولی ہوگا۔اس لئے جماعت کے لوگوں کو چاہئے کہ وہ غور کریں ضروریاتِ وقت کو سمجھیں اور استخارہ کریں اور اپنی زندگیوں کو پیش کریں جو ایسا کریں گے وہ خدا سے ابدی انعاموں کے وارث ہوں گے۔“

(الفضل یکم اکتوبر 1918ء)

شروع میں شدید مالی مشکلات کی وجہ سے واقفین کو اکثر اپنے گذر بسر کے لئے خود ہی کام کرنا پڑتا تھا مگر بعد میں اللہ کے فضل سے جماعت کی مالی حالت مستحکم ہوگئی تو واقفین کے ضروری اخراجات کی جماعت متکفل ہوگئی۔

تحریکِ شدھی کے خلاف جہاد کا اعلان

1923ء کا سال اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس نے جماعت کے اندر وقف زندگی کی روح کو چار چاند لگا دیئے۔ ہوا یوں کہ وسط مارچ 1923ء میں مشہور آریہ سماج لیڈر شردھانند نے جو اس تحریک کے پرجوش علمبردار تھے اور سب سے پہلے لیڈر تھے اور جنہیں اس سے پہلے نام نہاد مسلمان علماء نے ''ہندو مسلم اتحاد'' کے خیال سے نہ صرف ''خلافت کانفرنس'' کے نائب صدر ہونے کو موقعہ دیا تھا بلکہ جامع مسجد دہلی کے منبر پر بٹھا کر تقریر کرائی تھی، ہندوؤں سے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ نواح آگرہ میں راجپوتوں کو تیزی کے ساتھ شدھ (ہندو) کیا جا رہا ہے اور اب تک قریباً 4300 راجپوت ملکانے، گوجر اور جاٹ ہندو ہو چکے ہیں۔

نیز کہا:

''ایسے لوگ ہندوستان کے ہر حصے میں ملتے ہیں یہ پچاس ساٹھ لاکھ سے کم نہیں اور اگر ہندو سماج ان کو اپنے اندر جذب کرنے کا کام جاری رکھے تو مجھے تعجب نہیں کہ ان کی تعداد ایک کروڑ تک ثابت ہو جائے۔'' (اخبار زمیندار 16 مارچ 1923ء۔ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ نمبر 330)

یہ تحریک آگے پھیلتی چلی گئی چنانچہ یہ خبر چھپی کہ مہاراجہ جموں وکشمیر نے ساڑھے چار لاکھ ملکانہ راجپوتوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے مسئلہ پر کامل غور وخوض کے بعد پنجاب کے سناتن دھرمی پنڈتوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اس مسئلہ پر کشمیری پنڈتوں کی مدد کریں۔

اگرچہ تمام ہندوستان میں ان خبروں نے مسلمانوں کے دلوں میں غم وافسوس کی لہر دوڑا دی اور پریس نے بھی خوب شور وفغاں کیا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے دل پر تو خبریں بجلی بن کر گریں آپ تو ساری دنیا کو اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔ آپ کیسے یہ گوارہ کر سکتے تھے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اللہ کا در چھوڑ کر شرک کی دلدل میں واپس دھنس جائے۔

آپ کے دل پر ان دردناک خبروں نے بہت گہرا اثر کیا اور آپ نے نہ صرف اس طرف فوری توجہ دی بلکہ عملی اقدام اٹھاتے ہوئے ان خبروں کی فوری تصدیق کروائی پھر تحریک شدھی کے خلاف

زبردست جہاد کا اعلان فرمایا۔

حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کا بیان ہے اس اولوالعزم امام نے یہاں تک تہیّہ کرلیا کہ میری کل جماعت کی جائداد تخمیناً دو کروڑ روپیہ کی ہوگی اگر ضرورت پڑی تو یہ سب املاک و اموال خدا کی راہ میں وقف کرنے سے مَیں اور میری جماعت دریغ نہ کریں گے۔ (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ نمبر 332)

چنانچہ حضور نے 7/مارچ 1923ء کو اعلان فرمایا کہ جماعت احمدیہ فتنہ ارتداد کے خلاف جہاد کا علم بلند کرنے کی غرض سے ہر قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

تین تین ماہ وقف کرنے کی تحریک

9/مارچ 1923ء کو خطبہ جمعہ میں تحریک فرمائی کہ فتنہ ارتداد کے مٹانے کے لئے فی الحال ڈیڑھ سو احمدی سرفروشوں کی ضرورت ہے، جو اپنے اور اپنے لواحقین کی معاش کی فکر کر کے میدانِ عمل میں آجائیں چنانچہ آپ نے فتنہ ارتداد کی وسعت بیان کرتے اور جماعت کو اپنی سکیم کے ایک حصّہ سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ہمیں اس وقت ڈیڑھ سو آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس علاقہ میں کام کریں اور کام کرنے کا یہ طریق ہو کہ اس ڈیڑھ سو کو تیس تیس کی جماعتوں پر تقسیم کر دیا جائے اور اس کے چار حصہ بیس بیس کے بنائے جائیں اور تیس آدمیوں کو ریزرو رکھا جائے کہ ممکن ہے کہ کوئی حادثہ ہو...... اس ڈیڑھ سو میں سے ہر ایک کو..... فی الحال تین مہینہ کے لئے زندگی وقف کرنی ہوگی...... ہم ان کو ایک پیسہ بھی خرچ کے لئے نہ دیں گے۔ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا خرچ انہیں خود برداشت کرنا ہوگا...... سوائے ان لوگوں کے جن کو ہم خود انتظام کرنے کے لئے بھیجیں گے۔ ان کو بھی جو ہم کرایہ دیں گے وہ تیسرے درجہ کا ہوگا چاہے وہ کسی درجہ اور کسی حالت کے ہوں۔ اور اخراجات بہت کم دیں گے۔ ان لوگوں کے علاوہ زندگی وقف کرنے والے خود اپنا خرچ آپ کریں گے۔ اپنے اہل وعیال کا خرچ خود برداشت کریں گے۔ البتہ ڈاک کا خرچ یا وہاں تبلیغ کا خرچ اگر کوئی ہوگا تو ہم دیں گے...... اس کے لئے جماعت کو پچاس ہزار روپیہ دینا ہوگا ایسے کاموں کے لئے

جو تبلیغ وغیرہ کے ہوں گے باقی مبلغین اسی رنگ میں جائیں گے۔ وہاں اپنے اخراجات خود اٹھائیں گے..... جو لوگ ملازمتوں پر ہیں وہ اپنی رخصتوں کا خود انتظام کریں اور جو ملازم نہیں اپنے کاروبار کرتے ہیں...... وہاں سے فراغت حاصل کریں اور ہمیں درخواست میں بتائیں کہ وہ چار سہ ماہیوں میں سے کس سہ ماہی میں کام کرنے کے لئے تیار ہیں.....اسی انتظام کے ماتحت ہم سخت انتظام کریں گے اور جو ہیڈ بنائے جائیں گے ان کی پوری اطاعت کرنی ہوگی۔ ممکن ہے کہ بعض اوقات افسر سختی بھی کر بیٹھیں اور مار بھی بیٹھیں لیکن جو ماتحت ہو کے جائیں گے ان کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے تمام ارادوں کو چھوڑ کر جائیں۔ اور تمام سختیوں کے مقابلے میں کام کریں اور افسر نے اگر ناواجب تکلیف دی ہوگی تو کام کے ختم ہونے کے بعد رپورٹ کر سکتے ہیں مگر اس وقت کام کرنا ہوگا۔ ماتحتوں کو بہرحال افسروں کی اطاعت کرنی اور ان کا حکم ماننا ہوگا۔ اگر وہ زیادتی کریں گے تو خدا تعالیٰ ان کو سزا دے گا۔ صبر کا اجر ملے گا اور بعد میں رپورٹ کر سکتے ہیں......اس سکیم کے ماتحت کام کرنے والوں کو ہر ایک اپنا کام کرنا ہوگا۔ اگر کھانا آپ پکانا پڑے گا تو پکائیں گے، اگر جنگل میں سونا پڑے گا تو سوئیں گے۔ جو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں وہ آئیں۔ ان کو اپنی عزّت اپنے خیالات قربان کرنے پڑیں گے ایسے لوگوں کی محنت باطل نہیں جائے گی ننگے پیروں چلیں گے، جنگلوں میں سوئیں گے۔ خدا اُن کی اس محنت کو جو اخلاص سے کی جائے ضائع نہیں کرے گا۔ اس طرح جنگلوں میں ننگے پیروں پھرنے سے ان کے پاؤں میں جو سختی پیدا ہو جائے گی وہ حشر کے دن جب پل صراط سے گذرنا ہوگا ان کے کام آئے گی مرنے کے بعد ان کو جو مقام ملے گا وہ راحت و آرام کا مقام ہوگا اور یہ وہ مقام ہوگا جہاں رہنے والے نہ بھوکے رہیں گے نہ پیاسے یہ چند دن کی بھوک اور یہ چند دن کی پیاس اس انعام کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ نمبر 334)

مسلمانانِ ہند کو متحدہ کام کی دعوت

حضورؓ نے نہ صرف جماعت کو اس میدان کارزار میں جھونک دیا بلکہ مسلمانانِ ہند کو بھی متحدہ کام کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا:

''جب تک ایک لمبی اور باقاعدہ جنگ نہ کی جائے گی (سعی اور تبلیغ کی نہ کہ تلوار کی) اس وقت تک ان علاقوں میں کامیابی کی امید رکھنا فضول ہے۔ اس کام پر روپیہ بھی کثرت سے خرچ ہوگا........ ہندو اپنی پرانی کوششوں کے باوجود دس لاکھ روپیہ کا مطالبہ کر رہے ہیں مسلمانوں کو نیا کام شروع کرنا ہے ان کے لئے بیس لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے اس اعلان کے ساتھ ہی حضور نے اپنی طرف سے پیشکش فرمائی کہ اگر دوسرے لوگ بقیہ رقم مہیا کرلیں تو ہم پچاس ہزار روپیہ یعنی کل رقم کا چالیسواں حصّہ اس کام کے لئے جمع کریں گے...... علاوہ ازیں مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق کے ماتحت ہماری جماعت تیس آدمی تبلیغ کا کام کرنے کے لئے دے گی۔ جن کے اخراجات وہ موعودہ رقم میں سے خود برداشت کرے گی اور اگر اس سے زیادہ خرچ ہوگا تو بھی وہ خود اپنے مبلّغوں کا کل خرچ ادا کرے گی اور مَیں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہوئی تو ہماری جماعت انشاءاللہ سینکڑوں تک ایسے آدمی مہیا کر دے گی جو تبلیغ کا عمر بھر کا تجربہ رکھتے ہوں گے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اس دعوت اور فراخ دلانہ پیشکش پر اخبار ''ہمدم'' نے لکھا:

''جماعت احمدیہ کے جوش و ایثار کو دیکھتے ہوئے ان کی طرف سے پچاس ہزار بلکہ اُس سے زیادہ روپیہ اس غرض یعنی انسداد ارتداد کے لئے فراہم ہوسکنے کا قریب قریب یقین واعتماد ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ دیگر مسلمانوں سے ساڑھے اُنیس لاکھ تو کجا ایک لاکھ روپیہ بھی حالاتِ موجودہ میں چند ہفتہ کے اندر جمع ہوجانے کی قوی تو کیا معمولی اُمید بھی اُن طریقوں سے نہیں باندھ سکتے۔'' (''ہمدم'' 18/مارچ 1923ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ 43)

احمدیہ جماعت کی طرف سے والہانہ رنگ میں لبیک

اس تحریک پر جماعت احمدیہ نے انتہائی والہانہ رنگ میں لبیک کہا اور ڈیڑھ ہزار احمدیوں نے اپنی آنریری خدمات حضور کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اس قربانی کے لئے آگے آنے والے ملازم، روٴسا، وکلاء، تاجر، زمیندار، صنّاع، پیشہ ور، استاد، طالبعلم، انگریزی خواں، عربی دان، بوڑھے اور جوان غرض کہ ہر طبقہ کے لوگ تھے۔ حتّٰی کہ مستورات اور بچوں تک نے اس جہاد کے لئے اپنا نام پیش کیا۔

چنانچہ لجنہ اماءاللہ نے حضور کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ہماری راہ نمائی فرمائی جائے کہ ہم اس تبلیغی جہاد میں کیا خدمت سرانجام دے سکتی ہیں؟ خواتین نے ملکانہ عورتوں میں تبلیغ کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اس موقعہ پر احمدی بچوں میں بھی اشاعتِ اسلام کا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب جو اس وقت پانچ سال کے تھے ملکانہ علاقوں میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت نواب محمد علی خانصاحب کے فرزند نواب محمد احمد صاحب نے جن کی عمر اس وقت بارہ سال ہو گی اپنی والدہ ماجدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو لکھا کہ تبلیغ اسلام کرنا بڑوں کا ہی نہیں ہمارا بھی فرض ہے۔ اس لئے جب آپ تبلیغ کے لئے جائیں تو مجھے بھی لے چلیں اور اگر آپ نہ جائیں تو مجھے ضرور بھیج دیں۔

جہاں تک انسداد ارتداد کے لئے پچاس ہزار روپیہ چندہ کا تعلق تھا یہ بھی بہت جلد جمع ہو گیا اور بالخصوص جماعت کے مخیر بزرگوں نے اس میں بساط سے بڑھ کر حصّہ لیا۔ چندے کے علاوہ احمدی احباب نے مجاہدین کے لئے سائیکل دیئے خصوصاً لاہور کی جماعت نے۔ ڈاکٹر محمد منیر صاحب آف امرت سر نے دھوپ سے بچانے والے پروٹیکٹر دیئے۔ بعض نے ستّو کی بوریاں بھیج دیں۔ عیدالاضحیہ کا موقعہ آیا تو ہزاروں روپے میدان ارتداد میں ملکانہ قوم کے لئے جانور ذبح کرنے کے لئے بھجوا دیئے۔ بعض غریبوں نے جن کے پاس کچھ نقدا ثاثہ نہ تھا اپنا مکان یا زمین یا جانور بیچ کر اس میں حصّہ لیا۔ کہتے ہیں کہ مشہور پنجابی شاعر ڈاکٹر منظور احمد صاحب بھیروی نے اپنی بھینس بیچ ڈالی اور میدانِ ارتداد میں جا پہنچے۔ بھینس اگرچہ خسارے پر بکی مگر ڈاکٹر صاحب نے اِس بظاہر گھاٹے کے سودے پر بھی خوشی منائی۔

مردوں کے علاوہ احمدی عورتوں نے بھی ایثار و قربانی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ لجنہ اماءاللہ نے بیس

بڑے دوپٹے ان ملکانہ عورتوں کے لئے بھیجے جو ارتداد کے وقت اسلام پر ثابت قدم رہیں حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ کی صاحبزادی امۃ القیوم نے جن کی عمر اس وقت چھ سال کی ہوگی اپنا ایک چھوٹا دوپٹہ دیا اور کہا کہ یہ کسی چھوٹی ملکانی کو دیا جائے۔(کارزارِ شدھی صفحہ 43 تا45 از ماسٹر محمد شفیع اسلم صاحب)

واقفین کی قربانیاں اور اس کے شاندار نتائج

حضور نے وسط مارچ 1923ء کو ہی اس تحریک پر عملی کام کا آغاز فرمادیا چنانچہ ''صیغہ انسدادِ ارتداد'' کے نام سے نیا دفتر کھولا گیا۔ چنانچہ ایک منظم پروگرام کے تحت جوق در جوق واقفین کے وفود ارتداد کے علاقہ میں جانے لگے اور بے انتہا قربانیاں دے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو واپس دینِ حق کی طرف کھینچ لائے۔ اس راہ میں جو مشکلات درپیش تھیں اور جو قربانیاں ان مجاہدین نے دیں اس کا معمولی سا خاکہ تاریخ احمدیت نے یوں بیان کیا ہے:

''مجاہدین نے تیز اور چلچلاتی دھوپ میں کئی کئی میل پیدل سفر کیا۔ بعض اوقات کھانا تو الگ رہا ان کو پانی بھی نہ مل سکا۔ کھانے کے وقت یا تو اپنا بچا کھچا باسی کھاتے یا بھونے ہوئے دانے کھا کر پانی پی لیتے اور اگر سامان میسّر آسکتا تو آٹے میں نمک ڈال کر اپنے ہاتھوں روٹی پکا کر کھاتے۔ رات کو جہاں جگہ ملتی سوجاتے ملکانوں نے ان کی خاطر تواضع دودھ سے کرنا چاہی مگر انہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے واپس کر دیا۔ بعض رؤسا نے مبلّغین کے بستر اور سامان کے لئے مزدور دینا چاہے مگر یہ جانباز سپاہی اپنا سامان اٹھائے پیدل سفر کرتے رہے اور ایک گاؤں میں کام ختم ہونے پر اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ کیا وقت ہے یا دوسرا گاؤں کتنے فاصلے پر ہے فوراً آگے روانہ ہو جاتے انہوں نے بعض اوقات اندھیری راتوں میں ایسے تنگ اور پُرخطر راستوں سے سفر کیا جہاں جنگلی سؤر اور بھیڑیئے بکثرت پائے جاتے تھے۔ یہ مجاہد ملکانوں پر پانی تک کا بھی بوجھ نہ ڈالتے اور یہ کہتے کہ آپ لوگوں کو دین سکھانے کے لئے ہمارے آدمی آئیں گے جو آپ سے کچھ نہ لیں گے بلکہ اپنا خرچ بھی برداشت کریں گے۔ یہ لوگ چونکہ اپنے مولوی صاحبان کی شکم پروریوں کی وجہ سے بہت بدظن ہو چکے تھے اس لئے ان کے نزدیک یہ بات بڑی حیرت انگیز تھی کہ ایسے خادمِ دین بھی موجود ہیں جو رضا کارانہ طور پر اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔اے نے قریباً چالیس دیہات میں چکر لگایا اور سولہ میل روزانہ

کی اوسط سے پیدل سفر کرتے رہے ایک بار کھانے کا کوئی انتظام نہ ہوسکا اور متواتر انتیس گھنٹہ تک بھوکے رہے اور اسی حالت میں سفر جاری رکھا۔

اسی دوران میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے ''افسر صیغہ انسداد ارتداد ملکانہ'' حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ کے ساتھ آگرہ تشریف لے گئے اور بچشم خود اصل حالات کا مشاہدہ کر کے اور مبلّغین کو ضروری اور مناسب ہدایات دے کر 23/اپریل 1923ء کو واپس آئے۔ آپ کے تاثرات یہ تھے کہ

''یہ ایک عظیم الشان جنگ تھی جس کا محاذ قریباً ایک سو میل کی وسعت پر پھیلا ہوا تھا اور اس وسیع محاذ پر اسلام اور کفر کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل پر تخت یا تختہ کے عزم کے ساتھ ڈیرہ جمائے پڑی تھیں۔'' (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ نمبر 341 تا 346)

مسلمان اور ہندو اخبارات کی طرف سے خراجِ تحسین

احمدیت نے سرفروشی، جان بازی اور فدا کاری کا وہ شاندار نمونہ دکھایا کہ مسلمان ہی نہیں ہندو بھی عش عش کر اُٹھے۔

1۔ چنانچہ اخبار ''زمیندار'' لاہور (8/اپریل 1922ء) نے لکھا:

''احمدی بھائیوں نے جس خلوص، جس ایثار، جس جوش اور جس ہمدردی سے اس کام میں حصّہ لیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے۔''

2۔ ''اخبار ہمدم'' لکھنؤ (6/اپریل 1933ء) نے لکھا:

''قادیانی جماعت کی مساعی حسنہ اس معاملہ میں بے حد قابلِ تحسین ہیں اور دوسری اسلامی جماعتوں کو بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے۔''

3۔ اخبار ''مشرق'' گورکھپور نے لکھا:

''جماعت احمدیہ کے امام و پیشوا کی لگاتار تقریروں اور تحریروں کا اثر اُن کے تابعین پر بہت گہرا پڑا ہے اور اس جہاد میں اس وقت سب سے آگے یہی فرقہ نظر آتا ہے اور باوجود اس بات کے احمدی فرقہ کے نزدیک اس گروہ نومسلم کی تائید کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس

فرقہ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا مگر اسلام کا نام لگا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی شرم سے امام جماعت احمدیہ کو جوش پیدا ہو گیا ہے اور آپ کی بعض تقریریں دیکھ کر دل پر بہت ہیبت طاری ہوتی ہے کہ ابھی خدا کے نام پر جان دینے والے موجود ہیں اور اگر ہمارے علماء کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ احمدیہ جماعت اپنے عقائد کی تعلیم دے گی۔ تو وہ اپنی متفقہ جماعت میں .... ایسا خلوص پیدا کر کے آگے بڑھیں کہ ستّو کھائیں اور چنے چبائیں اور اسلام کو بچائیں۔ جماعت احمدیہ کے ارکان میں ہم یہ خلوص بیشتر دیکھتے ہیں۔''

4۔ ہندو دیو سماجی اخبار ''جیون تت'' (لاہور) نے لکھا:

''ملکانہ راجپوتوں کی شدھی کی تحریک کو روکنے اور ملکانوں میں اسلامی مت کا پرچار کرنے کے لئے احمدی صاحبان خاص جوش کا اظہار کر رہے ہیں۔ چند ہفتے ہوئے قادیانی فرقہ کے لیڈر مرزا محمود احمد صاحب نے ڈیڑھ سو ایسے کام کرنے والوں کے لئے اپیل کی تھی جو تین ماہ کے لئے ملکانوں میں جا کر مفت کام کرنے کے لئے تیار ہوں اور انتظام میں جس لیڈر کے ماتحت جس کام پر انہیں لگایا جاوے اسے وہ خوشی خوشی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس اپیل پر چند ہفتوں کے اندر چار سو سے زائد درخواستیں ان شرائط پر کام کرنے کے لئے موصول ہو چکی ہیں اور 3 پارٹیوں میں 90 احمدی صاحبان آگرہ کے علاقہ میں پہنچ چکے ہیں اور بڑی سرگرمی سے ملکانوں میں اپنا پرچار کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض نے جن میں گریجویٹ بھی شامل تھے اپنے بستر کندھوں پر رکھ کر اور تیز دھوپ میں پیدل سفر کر کے سارے علاقے کا دورہ کیا ہے۔ اپنے مت کے پرچار کے لئے ان کا جوش اور ایثار تعریف کے قابل ہے۔'' (بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ نمبر 347۔350)

آریوں کی طرف سے احمدیت کی زبردست طاقت کا اقرار

اس معرکہ حق و باطل نے آریوں کو جماعت احمدیہ کی زبردست اور بے پناہ تبلیغی و تنظیمی طاقت وقوت کا پورا پورا احساس کرا دیا۔ چنانچہ اخبار ''پرتاپ'' (لاہور) نے لکھا:

''مشکل یہ ہے کہ ہندوؤں کو اپنے ہی ہموطنوں کی ایک جماعت کی طرف سے خطرہ

ہے اور وہ خطرہ اتنا عظیم ہے کہ اس نتیجہ کے طور پر آریہ جاتی صفحہ ہستی سے مٹ سکتی ہے وہ خطرہ ہے تنظیم وتبلیغ کا۔ مسلمانوں کی طرف سے یہ کام اس تیزی سے ہو رہا ہے کہ ہندوؤں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں۔ ان کی تعداد سال بہ سال کم ہو رہی ہے اگر اسے کسی طرح روکا نہ گیا تو ایک وقت ایسا آ سکتا ہے جبکہ آریہ دھرم کا کوئی بھی نام لیوا نہ رہے۔''

اس سے بڑھ کر متعصبّ آریہ سماجی نے لکھا:

''میں نے اسلام کے اندر رہ کر اسلام کے ترک کرنے کے بعد مسلمانوں کے تبلیغی نظام کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا۔ میرے خیال میں تمام دنیا کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ ٹھوس مؤثر اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والی طاقت احمدیہ جماعت ہے اور مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم سب سے زیادہ اس کی طرف سے غافل ہیں اور آج تک ہم نے اس خوفناک جماعت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر کی ہے تو فی الحال ہم اسے سمجھ نہیں سکے۔ اگر ہم نے اس کی طرف کبھی دیکھا بھی تو ہماری نگاہیں اس کے بیرونی خدوخال کو دیکھ کر پلٹ آئیں اور اس کے اندرونی حالات ابھی تک ہمارے لئے ایک بھید اور سرِّ مخفی ہیں۔ بلا مبالغہ احمدیہ تحریک ایک خوفناک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بظاہر اتنا خوفناک معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے اندر ایک تباہ کن اور سیّال آگ کھول رہی ہے جس سے بچنے کی کوشش نہ کی گئی تو کسی وقت موقعہ پا کر ہمیں بالکل جُھلس دے گی۔''

(اخبار تیج دہلی 25 رجولائی 1927ء۔ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ نمبر 373)

جماعت کے پہلے واقفِ زندگی شہید مبلغ

جماعت احمدیہ کے لئے دسمبر 1923ء کا پہلا ہفتہ خوشی وغم کے مخلوط جذبات پیدا کرنے کا موجب بنا۔ خوشی اس لئے کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب مبلغ انگلستان وامریکہ 4 ردسمبر 1923ء کو کامیاب وکامران ہو کر واپس قادیان وارد ہوئے اور غم اس لئے کہ 7 ردسمبر 1923ء کو حضرت مولوی حافظ عبید اللہ صاحب مبلغ ماریشس کے انتقال کی المناک خبر ملی۔ حضورؓ نے اپنے خطبہ میں ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''.....مولوی عبید اللہ ہمارے ملک میں سے تھا جس نے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ

دین کے لئے زندگی وقف کرنا اور پھر اس عہد کو نباہنا دونوں باتوں کو جانتا تھا۔ ہماری جماعت میں پہلے شہید حضرت سیّد عبد اللطیف تھے یا دوسرے کہ ان سے پہلے ان کے ایک شاگرد شہید ہوئے۔ مگر وہ ہندوستان کے نہ تھے بلکہ ہندوستان سے باہر کے تھے ہندوستان میں شہادت کا پہلا موقع عبید اللہ کو ملا۔'' (الفضل 14 دسمبر 1923ء)

وقفِ زندگی کی دوسری تحریک

سلسلہ کی ضروریات جوں جوں بڑھتی چلی گئیں اُسی قدر زیادہ واقفین زندگی کی ضرورت پیش آتی رہی چنانچہ 1928ء میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے دوسری بار جماعت کے نوجوانوں سے وقف زندگی کا مطالبہ فرمایا۔ حضور فرماتے ہیں:۔

''کچھ عرصہ ہوا میں نے تحریک کی تھی کہ نوجوان خدمت دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ اس پر بہت سے نوجوانوں نے کیں جن میں کئی ایک عربی کی تعلیم حاصل کئے ہوئے تھے اور کئی انگریزی کی۔ اس وقت جتنے آدمیوں کی ضرورت تھی وہ پوری ہوگئی لیکن اب پھر بعض کاموں کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ مقامی حالات کے لحاظ سے یہ قدرتی بات ہے کہ محدود جماعت کے کارکنوں کو جو گذارے دیئے جائیں وہ محدود ہوں۔ اس لئے یہاں کے کارکنوں کے گذارے محدود ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے زندگی وقف کنندوں اور دوسروں میں جو فرق ہے وہ کم از کم وصیت کرنے والوں اور وصیت نہ کرنے والوں کے برابر رہنا چاہئے اس وجہ سے میں نے یہ قرار دیا ہے کہ وقف کنندہ کو اس عہدہ والے سے 25 فیصد کم گذارہ دیا جائے مگر اس سے چندہ نہ لیا جائے۔ اس طرح دراصل فرق 25 فیصد نہیں رہتا بلکہ 19 یا 18 فیصد پر بات آجاتی ہے۔ یہ دوسروں کی نسبت زیادہ قربانی کی صورت ہے اور جس حد تک وقف کنندگان کے گذارہ کی کوشش کی جاسکتی تھی وہ اپنے کارکنوں کو بھی ترقی دینا ضروری سمجھی جاتی ہے اور جو قوم خود ذلیل ہوجاتی ہے اس کے کارکن بھی ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ دیکھو مولویوں کو آج کوئی پوچھتا نہیں لیکن پادریوں کی ہر جگہ عزت کی

جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ پادریوں کی قوم کو عزت حاصل ہے اور مولویوں کی قوم ذلیل سمجھی جاتی ہے۔ تو ہوسکتا ہے آج ہمارے جن کارکنوں کو کوئی پوچھتا نہیں وہی جماعت کی ترقی کے ساتھ اس درجہ کو پہنچ جائیں کہ ہر جگہ ان کی عزت کی جائے۔

پہلے میں نے مدرسہ احمدیہ میں اس بات کا ذکر کیا ہے اور بعض نوجوانوں نے مجھے درخواستیں پہنچائی ہیں اور بعض نے دفتر میں دی ہیں۔ اب میں باقی جماعت کو اس خطبہ کے ذریعہ مطلع کرتا ہوں خصوصاً کالجوں کے طلباء کو اور ان طلباء کو جو اپنی تعلیم ختم کر چکے یا کرنے والے ہیں۔ اس وقت غیر مذاہب میں تبلیغ کے لئے مبلغ بھیجنے کی ضرورت ہے اس لئے ایسے نوجوان ہوں جو دین کے متعلق واقفیت رکھتے ہوں یا واقفیت پیدا کرنے کی خواہش رکھتے ہوں۔ اس وقت چند آدمیوں کی ضرورت ہے جن کو لے کر کام پر لگایا جائے گا یا تیاری کرائی جائے گی.....

پس ان نوجوانوں کو جو کالجوں میں پڑھتے ہیں یا تعلیم سے فارغ ہو چکے ہیں اس اعلان کے ذریعہ مطلع کیا جاتا ہے کہ ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ ہمارے انگریزی خواں نوجوان جو کسی موقع پر کسی سے کم نہیں رہے وہ اس وقت بھی دین کی خدمت کے لئے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔'' (الفضل 15 رمئی 1928 صفحہ 8,7)

تحریک جدید اور وقفِ زندگی

1934ء کا سال جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک نہایت اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سال جماعت احمدیہ کی اس مخالف ترین جماعت مجلس احرار اور دوسرا مسلمان طبقہ جو جماعت کے روز افزوں اثر ورسوخ کو دیکھ کر مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا اور تیسرے خود حکومت انگریزی کے بعض افسر بھی اپنی غلطی اور کوتاہ بینی سے جماعت کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لئے خطرہ کا موجب سمجھ کر اسے دبانے اور مٹانے کی فکر میں لگ گے۔ چنانچہ مخالفت کا شدید طوفان اٹھا اور کچھ عرصہ تک سلسلہ احمدیہ کی تاریخ سیاہ بادلوں کی گرجوں اور بجلی کی مہیب کڑکوں میں سے گذری۔ ان ایام کی تاریخ ایک طرف تو نہایت دردناک ہے۔ یہ صدائیں بلند ہو رہی تھیں کہ ہم قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور احمدیوں کا صفحہ ہستی سے صفایا کر دیں گے یہاں تک کہ اگر کوئی کسی احمدی کو دیکھنے کا خواہشمند ہوگا تو اسے ڈھونڈنا پڑے گا۔ اس مقصد کی خاطر مخالفوں

نے اپنی تمام تر صلاحیتوں، استعدادوں اور وسائل کو اس گھناؤنے مشن کی تکمیل کے لئے جھونک دیا۔

مگر دوسری طرف انہی خوفناک طوفانوں سے باری تعالیٰ کی رحمتوں کی پھوار نے ساری جماعت کو گھیر لیا اور اس ابتلاء سے جماعت ہر لحاظ سے پہلے سے زیادہ مضبوط تر اور قوی تر ہو کر نکلی۔ مخالفت کا طوفان تو تھم گیا اور ختم ہو گیا مگر جماعت کو تحریک جدید جیسی عظیم برکت سے فیضاب کر گیا۔ جس کی بدولت جماعت کی ترقیات کی رفتار پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی۔

مطالبات تحریک جدید کا خلاصہ

حضور فرماتے ہیں:۔

''ان مطالبات کا خلاصہ چار باتیں ہیں۔ اوّل جماعت کے افراد میں عملی زندگی پیدا کرنا خصوصاً نوجوانوں کے اندر بیداری اور عملی جوش پیدا کرنا۔ دوسرے جماعتی کاموں کی بنیاد بجائے مالی بوجھ کے ذاتی قربانیوں پر زیادہ رکھنا۔ تیسرے جماعت میں ایک ایسا فنڈ تحریک جدید کا قائم کر دینا جس کے نتیجہ میں تبلیغ کے کام میں مالی پریشانیاں روک پیدا نہ کریں۔ چوتھے جماعت کو تبلیغی کاموں کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ دلا دینا۔'' (رپورٹ مجلس مشاورت اپریل 1939ء صفحہ نمبر 3)

تحریک جدید کے مطالبات میں سے ایک اہم مطالبہ وقف زندگی کا تھا۔ اس کی تفصیلات میں جانے سے پہلے ''وقف'' سے متعلق دیگر مطالبات کا تعارف بھی مفید ہوگا۔

وقف رخصت

ایک مطالبہ یہ تھا کہ جو لوگ سال میں دو دو تین تین ماہ کی لمبی چھٹیاں لے سکتے ہیں وہ اپنی فرصت اور رخصت کے ایام کو خدا تعالیٰ کے دین کے لئے وقف کر دیں تا کہ تبلیغ اور سلسلہ کے دوسرے کاموں پر لگایا جا سکے۔ (مطالبات تحریک جدید صفحہ نمبر 62)

وقف رخصت موسمی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

جماعت میں یہ روح ہونی چاہئے کہ جس طرح وہ مالی قربانی کرتی ہے اُسی طرح جسمانی قربانی میں

بھی حصّہ لے۔سرکاری ملازم بھی اپنی چھٹیوں کو وقف کر سکتے ہیں۔ بے شک بعض سرکاری ملازمتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں انسان کو چھٹی نہیں ملتی۔ پھر بعض لوگ ایسی ڈیوٹیوں پر مقرر ہوتے ہیں جن سے انہیں لمبے عرصہ کے لئے فارغ بھی نہیں کیا جاسکتا۔لیکن ان استثنائی صورتوں کے علاوہ باقی جس قدر ملازم زمیندار، تاجر اور پیشہ ور اور جنہیں چھٹیاں مل سکتی ہیں، مَیں اُن سب کو تحریک کرتا ہوں کہ ایک یا دو ماہ یا تین ماہ جتنا عرصہ کوئی دے سکے تبلیغ کے لئے دیں۔ یہ بھی نفلی نیکی ہے اور مَیں اس کے لئے بھی کسی کو مجبور نہیں کرتا۔لیکن یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر جماعت نے اس پر عمل نہ کیا تو اس کے نتائج نہایت خطرناک نکلیں گے۔ جماعت کی ترقی کے لئے یہ چیز نہایت ضروری ہے اور ہر فرد بشر کو آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ایک نظام کے ماتحت اس میں لازمی طور پر حصّہ لینا پڑیگا اور اگر تمام جماعت یا اس کا بیشتر حصّہ اس تحریک میں حصّہ لے کر مشق نہیں کرے گا تو بہت لوگ وقت پر کچے دھاگے ثابت ہوں گے جو ٹوٹ جائیں گے۔تبلیغ ایک اہم فریضہ ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے۔

’’پس مَیں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی چھٹیوں کو تبلیغ کے لئے وقف کریں۔ تاجر اصحاب اپنی تجارتوں سے وقت نکالیں اور اسے احمدیت کی تبلیغ میں صرف کرنے کے لئے ہمارے سامنے پیش کریں۔ زمیندار اپنی زمینداری سے فارغ وقت نکالیں اور اُسے احمدیت کی تبلیغ میں لگائیں۔ملازم اصحاب اپنی ملازمت سے چھٹی لے کر اسے تبلیغ کے لئے وقف کر دیں۔‘‘ (خطبہ جمعہ 14/مارچ1936ء)

وقفِ تجارت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے تجارتی ضروریات کے پیش نظر وقف تجارت کا اعلان فرمایا ہے اس وقف کے ماتحت واقفین تجارت کو مختلف مقامات پر متعین کیا جارہا ہے جہاں جا کر وہ دفتر کی ہدایات کے ماتحت تجارت کرتے ہیں اور اپنی باقاعدہ رپوٹیں دفتر میں بھجواتے ہیں۔

اس وقف کے ماتحت سرمایہ واقفین خود لگاتے ہیں اور اس کے منافع کے حقدار بھی وہ خود ہوتے ہیں لیکن وہ دفتر متعلقہ کی ہدایت کے ماتحت ہی معیّن تجارتوں میں ہاتھ ڈالتے ہیں اور دفتر ان کو ہر اخلاقی مدد مہیا کرتا ہے۔ چونکہ دفتر تجارت تحریک جدید کے ماتحت کام کرتا ہے اس لئے مقامی جماعتیں بھی اس

کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرتی ہیں۔

بعض واقفین ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو کوئی ہنر نہیں آتا۔ وہ تجارت سے بالکل نا آشنا ہوتے ہیں اس لئے انکے واسطے بعض تاجر احباب سے مل کر یہ انتظام کیا گیا ہے کہ وہ ان کو اپنی تجارت میں ٹریننگ دیں تاکہ بعد از ٹریننگ وہ اپنے کام کو جاری کر سکیں۔ (مطالبات تحریک جدید صفحہ 86-87)

وقفِ جائداد، وقفِ آمد

حضور فرماتے ہیں مجھے ایک رؤیا میں اس تحریک کی طرف توجہ دلائی گئی۔ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک عورت ہے جس کا خاوند نیک ہے مگر وہ خود نیک نہیں۔ اس کا بیٹا ہے۔ وہ اس سے کہتی ہے کہ تیرا باپ اسراف بہت کرتا ہے اگر اس سے کوئی ایک پیسہ مانگے تو پیسہ دیتا ہے اگر دو آنے مانگے تو دو آنے دے دیتا ہے اور وہ اس قسم کا ہے کہ اگر کوئی اس سے سارا مال مانگے تو وہ سارا دے دیگا اور اپنے بیٹے سے کہتی ہے کہ آؤ ہم اس سے سارا مال مانگ لیں وہ ہمیں دے دیگا تو پھر وہ دین کی راہ میں اس مال کو لٹا نہ سکے گا۔ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں جماعت کے دوستوں کے سامنے عربی میں تقریر کر رہا ہوں اور یہ مثال دیتا ہوں کہ اس طرح ایک نیک آدمی تھا مگر اس کی بیوی نیک نہ تھی اس کا ایک بیٹا تھا جو میں نہیں کہہ سکتا کہ خود نیک تھا یا برا۔ مگر اس کی ماں ضرور سمجھتی تھی کہ وہ اسے اپنا آلۂ کار بنا سکے گی وہ اسے کہتی ہے کہ تیرے باپ سے کوئی جو کچھ مانگے وہ اسے دے دیتا ہے اور ڈر ہے کہ اگر اس سے کوئی سارا مال دین کیلئے مانگے تو سارا مال دے دیگا اس لئے آؤ ہم اس سے سارا مال مانگ لیں۔ اس طرح وہ خدا کی راہ میں اسے خرچ نہ کر سکے گا اور ہمیں نقصان نہ ہوگا۔ یہ مثال دے کر میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ایسے فتنے بھی انسان کو پیش آ سکتے ہیں ان سے ہوشیار رہو۔ میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی اور میں سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو دین کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ مگر یہ بھی خطرہ ہے کہ ان کی بیویاں اور بچے ان کے لئے فتنہ بن جائیں۔ پس پیشتر اس کے کہ وہ فتنہ بنیں کیوں نہ ہم ہی ان سے دین کے لئے ان کی جائیدادیں طلب کریں حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ایمان کے اس درجہ پر قائم نہ ہو اس وقت تک وہ صحیح معنوں میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اس رؤیا نے مجھے اس طرف توجہ دلائی کہ جب مومن دین کے لئے سب کچھ خرچ کرنے کے لئے تیار ہے تو اگر ہم اس

سے ایسا مطالبہ نہ کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ اس کے بیٹے اوراولادیں لے لیں۔پس پیشتر اس کے کہ اس طرح مومنوں کے مال ضائع ہوں کیوں نہ دین کے لئے انہیں لے لیا جائے۔پس اس رؤیا کے ماتحت میں نے اس وقف کی تحریک کی۔" (مطالبات تحریک جدید صفحہ 142-143)

اپنا نمونہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:۔

''اس تجویز کے مطابق سب سے پہلے میں اپنے وجود کو پیش کرتا ہوں کہ ہم میں سے کچھ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے اپنی جائیدادوں کو اس صورت میں دین کے لئے وقف کردیں کہ جب سلسلہ کی طرف سے ان سے مطالبہ کیا جائیگا انہیں وہ جائیداد اسلام کی اشاعت کے لئے پیش کرنے میں قطعاً کوئی عذر نہیں ہوگا میں سب سے پہلے اس غرض کے لئے اپنی جائیداد وقف کرتا ہوں۔''

حضورؓ نے یہ وضاحت بھی فرمائی کہ اس تحریک کے یہ معنی ہیں کہ اگر بالفرض جماعت کے سارے ذرائع ختم ہوجائیں تو آخر میں وقف جائیداد کا سہارا موجود ہوگا۔اس وقت اس کی ضرورت پیش آسکے گی ورنہ جائیدادیں اور اسکی آمد مالک کی ہی ہوگی۔اور وہی اسکا انتظام بھی کرے گا۔اور جن کے پاس جائیدادیں نہیں ہیں وہ بھی اس تحریک میں اس طرح شامل ہوسکتے ہیں کہ وہ یہ وعدہ کریں کہ جب کبھی اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے خاص قربانیوں کا مطالبہ ہوا تو میں اپنی ایک ماہ یا دو ماہ کی آمد دیدوں گا۔اور مجھے اور میرے بیوی بچوں کو خواہ کیسی ہی تنگی سے گذارہ کرنا پڑے میں اسکی پرواہ نہیں کروں گا۔ (مطالبات تحریک جدید صفحہ 142 تا149)

جماعت کا شاندار نمونہ

اپنے آقا کو یوں اپنی جائیداد وقف کرتے ہوئے دیکھ کر جماعت نے والہانہ انداز میں لبیک کہا۔اور قادیان کے دوستوں نے چند گھنٹوں کے اندر اندر 40لاکھ کی جائیدادیں وقف کردیں۔

اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے جائیداد وقف کرنے کی تحریک کی تھی۔قادیان کے دوستوں نے اس کے

جواب میں شاندار نمونہ دکھایا ہے اور اس تحریک کا استقبال کیا ہے۔ بہت سے دوستوں نے اپنی جائیدادیں وقف کر دی ہیں''

قادیان کے بعد بیرونی مخلص جماعتوں نے بھی اس قربانی میں کوئے سبقت لے جانے کی مخلصانہ جدوجہد کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وقف ہونے والی جائیدادوں کی مالیت چند دنوں کے اندر اندر کروڑ تک جا پہنچی۔ ان دنوں جوش کا یہ عالم تھا کہ جو احمدی ذاتی جائیدادیں نہ رکھتے تھے وہ اپنی ماہوار یا سال بھر کی آمدنیاں وقف کر کے دیوانہ وار اس مالی جہاد میں شامل ہو گئے۔ (تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 559)

وقف اولاد کی تحریک

حضور فرماتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کی قربانی ہمیں یہ سبق سکھاتی ہے کہ اولاد قربان کرنے سے نسل بڑھتی ہے اور اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی نسل بڑھے اور پھیلے اور اُسے اور اس کی نسلوں کو عزت ملے تو اس کا طریق یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دین کی راہ میں قربان کر دے۔ یہ ایک ایسا گر ہے کہ ہمارے دوستوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی نسلیں دنیا پر چھا جائیں اور ہزاروں سال تک ان کا نام عزت کیساتھ زندہ رہے تو وہ اسوۂ ابراہیمی پر عمل پیرا ہوں اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی رشتہ نہ تھا جو ان کو اتنی برکت دیدی۔ ہر شخص جو آپ کے نقش قدم پر چلے اور اپنے نفس اور اپنی اولاد کو خدا تعالیٰ کے رستے میں قربان کر دے ان برکات سے حصہ پا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیں۔

ہر خاندان ایک بچہ وقف کرے

ایمان کی کم سے کم علامت یہ ہونی چاہئے کہ ہر خاندان ایک لڑکا دے اور جو یہ بھی نہیں کرتا وہ گو شرم وحیا کی وجہ سے منہ سے تو نہیں کہتا مگر عملی طور پر یہی کہتا ہے کہ اذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْن۔ اے موسیٰ! تو اور تیرا رب جاؤ اور دونوں جا کر دشمن سے جنگ کرو۔ ہم تو اسی جگہ بیٹھے رہیں گے۔ اگرچہ وہ منہ سے یہ الفاظ نہ کہے مگر اپنے عمل سے یہی کہتا ہے اور اس کے دل میں یہی ہے اور جس کے دل میں یہ بات ہو وہ بھی مومن نہیں ہو سکتا۔

عترت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہر وہ شخص جو دنیا پر لات مار کر دین کی خاطر اپنی زندگی کو وقف کرتا ہے اور ہر باپ جو اپنی اولاد کو تعلیم دلا کر دین کے لئے وقف کرتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت ہے جس سے اسلام زندہ رہ سکتا ہے۔

مستقل دعوت

مَیں مستقل طور پر دعوت دیتا ہوں کہ جس طرح ہر احمدی اپنے اوپر چندہ دینا لازم کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے لئے لازم کر لے کہ وہ اپنے کسی نہ کسی بچہ کو دین کے لئے وقف کریگا۔

وقفِ اولاد میں شمولیت بذریعہ مال

جن کے ہاں اولاد نہ ہو یا ہو مگر بڑی عمر کی ہو یا جن کے ہاں لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو وہ ایک دیہاتی مبلغ یا مدرسہ احمدیہ کے ایک طالب علم کا ماہوار خرچ دیں یا چند دوست مل کر ایک طالب علم کا خرچ برداشت کریں۔ (مطالبات تحریک جدید صفحہ 137-139)

وقفِ زندگی کا مطالبہ

تحریک جدید کے مطالبات میں سے ایک نہایت اہم مطالبہ وقف زندگی کا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اگرچہ کافی پہلے سے ہی اس طرف جماعت کو متوجہ کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اس تحریک کے بعد سے اپنی وفات تک متعدد خطبات، تقاریر وغیرہ میں مختلف انداز اور پیرائے میں احباب جماعت کو اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کرنے کی بھرپور تلقین فرماتے رہے۔ کیونکہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا کام واقفین کے بغیر ممکن نہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے بعض ارشادات پیش خدمت ہیں۔

وقفِ زندگی میں قوم کی زندگی ہے

''دنیا میں روپیہ کے ذریعہ کبھی تبلیغ نہیں ہوئی اور جو قوم یہ سمجھتی ہے کہ روپیہ کے ذریعہ

وہ اکناف عالم میں اپنی تبلیغ کو پہنچا دے گی اس سے زیادہ فریب خوردہ ،اس سے زیادہ احمق اور اس سے زیادہ دیوانی قوم دنیا میں کوئی نہیں ۔ زندگی کی علامت یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص اپنی جان لیکر آگے آئے اور کہے کہ اے امیر المومنین ! یہ خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین اور اس کے اسلام کے لئے حاضر ہے ۔جس دن سے تم یہ سمجھ لو گے کہ تمہاری زندگیاں تمہاری نہیں بلکہ اسلام کے لئے ہیں جس دن سے تم نے محض دل میں ہی یہ نہ سمجھ لیا بلکہ عملاً اسکے مطابق کام بھی شروع کر دیا اس دن تم کہہ سکو گے کہ تم زندہ جماعت ہو۔''

جان کا مطالبہ

''تم سے جس چیز کا مطالبہ کیا گیا اور جو اکیلا **حقیقی مطالبہ** ہے وہ تمہاری جان کا مطالبہ ہے ۔ نہ صرف تمہیں اس مطالبہ کو پورا کرنا چاہیے بلکہ ہر وقت یہ مطالبہ تمہارے ذہن میں مستحضر رہنا چاہئے کیونکہ اس وقت تک تم میں جرأت و دلیری پیدا نہیں ہوسکتی جب تک تم اپنی جان کو ایک بے حقیقت چیز سمجھ کر دین کے لئے اسے قربان کرنیکے لئے ہر وقت تیار نہ رہو۔'' (خطبہ جمعہ فرمودہ 11 جنوری 1935)

نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں

''بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے اور اس ملک میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے اور سلسلہ کے کاموں کو مضبوطی سے چلانے کے لئے مجھے ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کریں ۔ میں شروع سے بتاتا چلا آرہا ہوں کہ تحریک جدید کا کام وسیع کرنے کے لئے ہمارے پاس روپیہ نہیں ۔ اگر ساری جماعت اپنی ساری دولت بھی دے دے تب بھی اتنا روپیہ ہمارے ہاتھ نہیں آسکتا جس کے ذریعہ ہم اس کام کو سرانجام دے سکیں ، جو اس وقت ہمارے سامنے ہے ۔ اگر ہم کام کر سکتے ہیں تو اس طرح کہ نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں اور جو قلیل گزاروں پر جو ان کی حیثیت کے لحاظ سے قلیل ہوں کام کریں ۔.................. پس میں آج پھر اپنی جماعت کے نوجوانوں کو

توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ہمت کر کے آگے آئیں اور جوش کا ثبوت دیں جس کا اظہار وہ اس طرح کیا کرتے ہیں کہ اپنی جانیں احمدیت کی عزت کی حفاظت کے لئے قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔'' (الفضل 8 دسمبر 1938ء)

سینکڑوں عبداللطیف درکار ہیں

''تحریک جدید سے میری غرض جماعت میں صرف سادہ زندگی کی عادت پیدا کرنا نہیں بلکہ میری غرض انہیں قربانیوں کے تنور کے پاس کھڑا کرنا ہے تا کہ جب ان کی آنکھوں کے سامنے بعض لوگ اس آگ میں کود جائیں تو ان کے دلوں میں بھی آگ میں کودنے کے لئے جوش پیدا ہو اور وہ بھی اس جوش سے کام لے کر آگ میں کود جائیں اور اپنی جانوں کو اسلام اور احمدیت کے لئے قربان کر دیں۔ اگر ہم اپنی جماعت کے لوگوں کو اس بات کی اجازت دے دیتے کہ وہ باغوں میں آرام سے بیٹھے رہیں تو وہ گرمی میں کام کرنے پر آمادہ نہ ہو سکتے اور بزدلوں کی طرح پیچھے ہٹ کر بیٹھ جاتے۔ مگر اب جماعت کے تمام افراد کو قربانیوں کے تنور کے قریب کھڑا کر دیا گیا ہے تا کہ جب ان سے قربانیوں کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اپنی جان کو قربان کرتے ہوئے آگ میں کود جائیں۔ چنانچہ جب قربانی کا وقت آئے گا اس وقت یہ سوال نہیں رہے گا کہ کوئی مبلغ کب واپس آئیگا۔ اس وقت واپسی کا سوال بالکل عبث ہوگا۔ دیکھو عیسائیوں نے جب تبلیغ کی تو اسی رنگ میں کی۔ تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی حواری یا کوئی اور شخص کسی علاقہ میں تبلیغ کے لئے گیا تو پھر یہ نہیں ہوا کہ وہ واپس آ گیا ہو۔ بلکہ ہم تاریخوں میں یہی پڑھتے ہیں کہ فلاں مبلغ کو فلاں جگہ پھانسی دے دی گئی اور فلاں مبلغ کو فلاں جگہ قید کر دیا گیا۔ ہمارے دوست اس بات پر خوش ہوا کرتے ہیں کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید نے سلسلہ کے لئے اپنی جان کو قربان کر دیا حالانکہ ایک عبداللطیف نہیں جماعت کو زندہ کرنیکے لئے سینکڑوں عبداللطیف درکار ہیں جو مختلف ملکوں میں جائیں اور اپنی اپنی جانیں اسلام اور احمدیت کے لئے قربان کریں۔ جب تک ہر ملک اور ہر علاقہ

میں عبداللطیف پیدا نہیں ہو جاتے اس وقت تک احمدیت کا رعب پیدا نہیں ہو سکتا جب سب لوگوں کو گھروں سے نکال کر ایک میدان میں قربانی کی آگ کے قریب کھڑا کر دیا جائے تا جب پہلی قربانی دینے والے قربانی دیں تو انکو دیکھ کر خود بخود وہ آگ میں کودنا شروع کر دیں اور اسی ماحول کو پیدا کرنے کے لئے میں نے تحریک جدید جاری کی ہے۔''

(الفضل 2۔دسمبر 1942)

عہد بیعت پورا کریں

''دین کی خدمت کے لئے جتنے لوگوں کو اپنی زندگیاں وقف کرنی چاہئیں اتنے لوگ اپنی زندگی وقف نہیں کر رہے اور پھر جو زندگی وقف کرتے ہیں وہ بھی اپنے فرائض کو پورے طور پر ادا نہیں کر رہے حالانکہ جب تک اس امر کی طرف توجہ نہیں ہوگی ہمارا کبھی بھی وہ پیمان پورا نہیں ہوگا جو ہم خدا کے ساتھ بیعت کے وقت کرتے ہیں اور جب تک ہم یہ پیمان پورا نہیں کرتے اس وقت تک خدا تعالیٰ کا ہمارے متعلق جو عہد ہے اس کے بھی ہم کبھی حقدار نہیں ہو سکتے۔''(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 247 سورہ قریش)

مستقل وقف کی تحریک

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضور نے ابتداء میں افراد جماعت کے سامنے صرف تین سال کے وقف کرنے کی تحریک فرمائی تھی۔لیکن کام کی وسعت کے پیش نظر 17؍دسمبر 1937ء کو مستقل وقف زندگی کی تحریک کی اور ساتھ ہی وضاحت فرمائی کہ

''آئندہ جو لوگ اپنے آپ کو وقف کریں وہ یہ سمجھ کر کریں کہ اپنے آپ کو فنا سمجھیں گے اور جس کام پر ان کو لگایا جائے گا اس پر محنت، اخلاص اور عقل و علم سے کام کریں گے۔عقل اور علم کا اندازہ کرنا تو ہمارا کام ہے مگر محنت، اطاعت اور اخلاص سے کام کا ارادہ ان کو کرنا چاہئے اور دوسرے یہ بھی ارادہ کر لینا چاہئے کہ وقف کے یہ معنے نہیں کہ وہ خواہ کام کے لئے موزوں ثابت ہوں یا نہ ہوں ہم ان کو علیحدہ نہیں کریں گے یا ان کو سزا نہیں دیں

گے۔صرف وہی اپنے آپ کو پیش کرے جو سزا کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔جن قوموں میں سزا برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی وہ ہمیشہ ہلاک ہی ہوا کرتی ہیں۔صحابہ کو دیکھو وہ بعض اوقات ضرورت سے زیادہ سزا برداشت کرتے تھے اور خود بخود کرتے تھے.....پس وقف کرنے والوں کے لئے ان پانچوں اوصاف کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سزا برداشت کرنیکے لئے تیار ہوں اور بعد میں یہ نہ کہیں کہ اس وقت ہمیں نوکری مل سکتی تھی۔پس صرف وہی آگے آئے جس کی نیت یہ ہو کہ میں پوری کوشش کروں گا۔لیکن اگر نکما ثابت ہوں تو سزا بھی بخوشی برداشت کرلوں گا۔''

''مجھے امید ہے کہ ہمارے نوجوان ان شرائط کے ماتحت جلد از جلد اپنے نام پیش کریں گے تا اس سکیم پر کام کرسکیں جو میرے مدّنظر ہے۔ہم آدمی تو تھوڑے ہی لیں گے مگر جو چند آدمی سینکڑوں میں سے چنے جائیں گے وہ بہر حال ان سے بہتر ہوں گے جو پانچ سات میں سے چنے جائیں۔پچھلی مرتبہ قریباً دوسو نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور مجھے امید ہے کہ اب اس سے بھی زیادہ کریں گے جنہوں نے پچھلی دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا تھا وہ اب بھی کر سکتے ہیں بلکہ جو کام پر لگے ہوئے ہیں وہ بھی چاہیں تو اپنے نام پیش کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی تین سال کی مدت ختم ہوگئی ہے۔بعض ان میں سے ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ تین سال تو ہم جانتے نہیں۔جب ایک دفعہ اپنے آپ کو پیش کر دیا تو پھر پیچھے کیا ہٹنا ہے۔ان کو قانون کے ماتحت پھر اپنے نام پیش کرنے چاہئیں۔کیونکہ پہلے ہمارا مطالبہ صرف تین سال کے لئے تھا۔اور جو بھی اپنے آپ کو پیش کریں پختہ عزم اور ارادہ کے ساتھ کریں۔'' (تاریخ احمدیت جلد 8 صفحہ 85-86)

مخلصین جماعت کا وقف کرنا

مندرجہ بالا تحریک کے نتیجہ میں تحریک جدید کے دور ثانی کو یہ عظیم خصوصیت حاصل ہوئی کہ کئی مخلص نوجوان مستقل طور پر اپنی زندگی وقف کر کے حضور کے قدموں میں آگئے اور حضور کی خصوصی توجہ اور تعلیم و تربیت اور دعاؤں نے نہایت قلیل گذارہ پانے والی مستقل واقفین کی ایثار پیشہ، مخلص اور قربانی کرنے

والے مجاہدوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے آئندہ چل کر اسلام اور احمدیت کی عظیم الشان اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں اور نہ صرف بیرونی دنیا میں مشن قائم کئے بلکہ مرکز میں نئے مبلغین کو تیار کرنے میں ہر ممکن جدوجہد کی جو حضور کی قوت قدسیہ کی دلیل اور شاندار کارنامہ ہے جس کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔ان واقفین نے قناعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عملی ثبوت پیش کیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ انہی جانفروش واقفین کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''میں تحریک جدید کے دور ثانی میں مستقل کام کی داغ بیل ڈالنے کے لئے مالی.......تحریک کے علاوہ کہ وہ بھی مستقل ہے،ایک مستقل جماعت واقفین کی تیار کر رہا ہوں ۔دور اوّل میں میں نے کہا تھا کہ نوجوان تین سال کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں مگر دور ثانی میں وقف عمر بھر کیلئے ہے اور اب واقفین کا ہرگز حق نہیں کہ وہ خود بخود کام چھوڑ کر چلے جائیں۔ہاں ہمیں اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ اگر ہم انہیں کام کے ناقابل دیکھیں تو انہیں الگ کر دیں۔پس یہ سہ سالہ وقف نہیں بلکہ جس طرح یہ دور مستقل ہے اسی طرح یہ وقف بھی مستقل ہے اور اس دور میں کام کی اہمیت کے پیش نظر میں نے یہ شرط عائد کر دی ہے کہ صرف وہی نوجوان لئے جائیں گے جو یا تو گریجوایٹ ہوں یا مولوی فاضل ہوں اور جو نہ گریجوایٹ ہو ں اور نہ مولوی فاضل ہوں انہیں نہیں لیا جائے گا کیونکہ ان لوگوں نے علمی کام کرنے ہیں اور اس کے لئے یا تو دینی علم کی ضرورت ہے یا دُنیوی علم کی۔اس دور میں تین چار آدمیوں کو منہا کر کے کہ وہ گریجوایٹ نہیں کیونکہ وہ پہلے دور کے بقیہ واقفین میں سے ہیں،باقی سب یا تو گریجوایٹ ہیں یا مولوی فاضل ہیں۔چنانچہ اس وقت چار گریجوایٹ ہیں اور چار ہی مولوی فاضل ہیں۔کل غالباً بارہ نوجوان ہیں۔چار ان میں سے غیر گریجوایٹ ہیں۔مگر ہیں سب ایسے ہی جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے محنت سے کام کرنیوالے اور سلسلہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔۔۔۔۔۔۔میرا منشاء ہے کہ ان میں سے بعض کو مرکز کے علاوہ باہر بھجوا کر تعلیم دلوائی جائے اور علمی اور عملی لحاظ سے اس پایہ کے نوجوان پیدا کیے جائیں جو تبلیغ،تعلیم اور تربیت کے کام میں دنیا کے بہترین نوجوانوں کا مقابلہ کر سکیں بلکہ ان سے فائق ہوں۔صرف انہیں مذہبی تعلیم دینا ہی میرے مدّنظر نہیں۔بلکہ میرا منشاء ہے کہ انہیں ہر قسم کی دُنیوی معلومات بہم پہنچائی جائیں اور دنیا کے تمام علوم

انہیں سکھائے جائیں تا دنیا کے ہر کام کو سنبھالنے کی اہلیت ان کے اندر پیدا ہو جائے۔ان نوجوانوں کے متعلق میری سکیم جیسا کہ میں گذشتہ مجلس شوریٰ کے موقع پر بیان کر چکا ہوں، یہ ہے کہ انہیں یورپی ممالک میں بھیج کر اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلائی جائے۔اور جب یہ ہر قسم کے علوم میں ماہر ہو جائیں تو انہیں تنخواہیں نہ دی جائیں بلکہ صرف گذارے دیئے جائیں اور ان کے گذارہ کی رقم کا انحصار علمی قابلیت کی بجائے گھر کے آدمیوں پر ہو جیسا کہ صحابہؓ کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا اور یوں انتظام ہو کہ جس کی بیوی ہوئی یا بچے ہوئے اسے زیادہ الاؤنس دے دیا اور جس کے بیوی بچے نہ ہوئے اسے کم گذارہ دے دیا۔ یا کسی نوجوان کی شادی ہونے لگی تو اسے تھوڑی سی امداد دے دی''۔(الفضل 24 ر نومبر 1938ء صفحہ 9)

واقفین کی مالی حالت

ان واقفین زندگی کو ان دنوں نہایت معمولی خرچ دیا جاتا تھا جس کی تفصیل خود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے الفاظ میں پیش کی جاتی ہے حضور نے فرمایا:

''میری کوشش یہ ہے کہ اس دور میں سو 100 واقفین زندگی ایسے تیار ہو جائیں جو علاوہ مذہبی تعلیم رکھنے کے ظاہری علوم کے بھی ماہر ہوں اور سلسلہ کے تمام کاموں کو عزم و احتیاط سے کرنے والے اور قربانی و ایثار کا نمونہ دکھانے والے ہوں۔اس غرض کے لئے تعلیمی اخراجات کے علاوہ ہمیں ان لوگوں کو گزارے بھی دینے پڑیں گے اور یہ گذارہ پندرہ روپے فی کس مقرر ہے۔اگر ایک گریجوایٹ بھی ہو تو اسے بھی ہم پندرہ روپے ہی دیتے ہیں زیادہ نہیں اور یہ اتنا قلیل گذارہ ہے کہ بعض یتامیٰ و مساکین کے وظائف اسی کے لگ بھگ ہیں۔مگر باوجود اس کے کہ گذارہ انہیں اتنا تھوڑا دیا جاتا ہے جتنا بعض یتامیٰ و مساکین کو ملتا ہے وہ کام بھی کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی ساری زندگی خدمت دین کے لئے وقف کی ہوئی ہے۔سر دست ہمارا قانون یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی کی شادی ہو جائے تو اسے بیس روپے دیئے جائیں اور پھر بچے پیدا ہوں تو فی بچہ تین روپے زیادہ کئے جائیں اور اس طرح چار بچوں تک یہی نسبت قائم رہے۔گویا ان کے گذارہ کی آخری حد بتیس 32

روپے ہے مگر یہ بھی اس وقت ملیں گے جب ان کے گھروں میں چھ کھانے والے ہو جائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ گذارہ کم ہے۔اسی طرح بچوں کی حد بندی کرنی بھی درست نہیں اور اسے جلد سے جلد دور کرنا چاہئے مگر فی الحال ہماری مالی حالت چونکہ اس سے زیادہ گذارہ دینے کی متحمل نہیں اس لئے ہم اس سے زیادہ نہیں دے سکتے اور انہوں نے بھی خوشی سے اس گذارہ کو قبول کیا ہے۔''

(الفضل 24 نومبر 1938ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 8 صفحہ 87-88)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اظہار خوشنودی

واقفین نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے مقدور بھر کوشش کی کہ حضرت امیر المومنینؓ کی ہدایات پر پوری طرح عمل پیرا ہوں ۔ چنانچہ حضور نے واقفین کی قربانی ،خلوص اور محنت شاقہ پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

''ضروری ہے کہ وہ نوجوان جو بغیر روپیہ کے کام کرنیکے لئے تیار ہوں وہ اپنی زندگیاں وقف کریں۔اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے بعض نوجوان ہمیں ایسی ہی روح رکھنے والے دیئے ہوئے ہیں چنانچہ ان واقفین زندگی میں ایک وکیل ہیں۔ان کے والد کئی مربعوں کے مالک ہیں اور وہ اپنے علاقہ کے رئیس اور مرکزی اسمبلی کے ووٹروں میں سے ہیں۔وہ شادی شدہ ہیں مگر انہیں بیس روپے ہی دیتے ہیں اور وہ خوشی سے اسے قبول کر لیتے ہیں حالانکہ زمیندار ہونے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ انہیں اپنے علاقہ میں رسوخ حاصل ہے۔اگر وہ وکالت کرتے سو ڈیڑھ سو روپیہ ضرور کما لیتے بلکہ ہوشیار آدمی تو آجکل کے گرے ہوئے زمانہ میں بھی دواڑھائی سو روپیہ کما لیتا ہے۔لیکن انہوں نے اپنے آپ کو وقف کیا اور قلیل گذارے پر ہی وقف کیا اور میں تو اس قسم کے وقف کو بغیر روپیہ کے کام کرنا ہی قرار دیتا ہوں۔کیونکہ جو کچھ ہماری طرف سے دیا جاتا ہے وہ نہ دیئے جانے کے برابر ہے۔اسی طرح اور کئی گریجوایٹ ہیں جو اپنی ذہانت کی وجہ سے اگر باہر کہیں کام کرتے تو بہت زیادہ کما لیتے مگر ان سب نے خوشی اور بشاشت کے ساتھ اپنی زندگی وقف کی

ہے۔پس گوتحریک جدید کے واقفین ایک قلیل گذارہ لے رہے ہیں مگر عقلاً انہیں بغیر گذارہ کے ہی کام کرنے والے سمجھنا چاہئے کیونکہ ان کے گذارے ان کی لیاقتوں اور ضرورتوں سے بہت کم ہیں۔'' (الفضل24 نومبر 1938ء)

واقفین میں مجاہدانہ سپرٹ پیدا کرنے کے لئے مختلف اقدامات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے نزدیک ہر واقف مجاہد تھا۔اسی لئے حضور نے واقفین کی ٹریننگ میں خاص طور پر یہ امر ملحوظ رکھا کہ وہ اپنا بلند مقام پہچانیں اور جہاد کی روح کے ساتھ زندگی بسر کریں۔چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

''ہر واقف مجاہد ہے اور مجاہد پر اللہ تعالیٰ نے بہت ذمہ داریاں ڈالی ہیں۔ان کو پورا کرنے والا ہی مجاہد کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہمارا مقابلہ تو ان قوموں سے ہے جن کے نوجوانوں نے چالیس چالیس سال تک شادی نہیں کی اور اپنی زندگیاں لیبارٹریوں میں گزار دیں اور کام کرتے کرتے میز پر ہی مر گئے اور جاتے ہوئے بعض نہایت مفید ایجادیں اپنی قوم کو دے گئے۔مقابلہ تو ایسے لوگوں سے ہے کہ جن کے پاس گولہ بارود اور دوسرے لڑائی کے ہتھیار نہ رہے تو انہوں نے امریکہ سے ردی شدہ بندوقیں منگوائیں اور انہی سے اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔انگلستان والوں نے کہا کہ بے شک جرمنی آجائے ہم اس سے سمندر میں لڑیں گے۔اگر سمندر میں لڑنے کے قابل نہ رہے تو پھر اس سے سمندر کے کناروں پر لڑیں گے اور اگر سمندر کے کناروں پر لڑنے کے قابل نہ رہے تو ہم اس سے شہر کی گلیوں میں لڑیں گے اور اگر گلیوں میں لڑنے کے قابل نہ رہے تو ہم گھروں کے دروازوں تک مقابلہ کریں گے۔اور اگر پھر بھی مقابلہ نہ کر سکے تو پھر کشتیوں میں بیٹھ کر امریکہ چلے جائیں گے مگر اس سے جنگ کرنا ترک نہیں کریں گے۔ہمارا مقابلہ تو ایسے لوگوں سے ہے۔۔۔۔۔۔ہمیں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے کہ جہاں ان کو کھڑا کیا جائے وہ وہاں سے ایک قدم بھی نہ ہلیں سوائے اس کے کہ ان کی لاش ایک فٹ ہماری طرف گرے تو گرے لیکن زندہ انسان کا قدم ایک فٹ آگے پڑے پیچھے نہ

آئے۔ہمیں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے اور یہی لوگ ہیں جو قوموں کی بنیادوں کا کام کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق فرماتا ہے کہ ان میں سے ہر آدمی کفن بردوش ہے۔مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام کی راہ میں اپنی جانیں دے دی ہیں اور کچھ انتظار کر رہے ہیں۔یہ وقف ہے جو دنیا میں تغیر پیدا کیا کرتا ہے۔''

واقفین میں مجاہدانہ روح اور سپاہیانہ انداز پیدا کرنے لئے حضور نے متعدد وسائل اختیار فرمائے۔

اوّل۔واقفین کے لئے قطعی ہدایت تھی کہ وہ دارالواقفین میں رہیں۔شادی شدہ واقفین کو ہفتہ میں صرف ایک بار یعنی جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب گھر جانے کی اجازت تھی اور مجرد واقفین تھوڑے سے وقت کے لئے ہفتہ میں دو بار گھر جا سکتے تھے اور مہینہ میں ایک رخصت گھر گزار سکتے تھے۔

دوم۔واقفین روزانہ ڈائری لکھنے کے پابند تھے۔ڈائری میں خاص طور پر یہ ذکر کیا جانا ضروری تھا کہ انہوں نے کتنی نمازیں با جماعت ادا کی ہیں اور کس مسجد میں؟ نیز یہ کہ تلاوت قرآن مجید کتنے دن کی ہے؟

سوم۔واقفین ہر پندرہ روز بعد عموماً حضرت اقدسؓ کی خدمت میں اجتماعی طور پر حاضر ہوتے تھے۔اس طرح حضور کو براہ راست نگرانی کرنے اور طلبہ کو فیض حاصل کرنے کا موقعہ میسر آتا رہتا تھا۔حضور وقتاً فوقتاً مختلف علوم وفنون میں واقفین کا خود بھی امتحان لیتے۔

چہارم۔چونکہ وہ زمانہ واقفین کی عملی ٹریننگ کا تھا اس لئے ان کی خاص توجہ سے نگہداشت کی جاتی تھی۔کسی غلطی کو نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا اور اس پر گرفت کر کے سزا دی جاتی تھی جیسے معین وقت کے لئے اعتکاف بیٹھنا، مقاطعہ یا خرچ کے بغیر لمبا سفر یا سب کے سامنے معافی مانگنا۔

حضورؓ کا نظریہ اس بارہ میں یہ تھا کہ جب تک کسی قوم کے افراد کو سزا برداشت کرنے کی عادت نہ ہو کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

پنجم۔حضور نے بار بار واقفین پر یہ حقیقت واضح فرمائی ''کہ وقف کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جو کام سپرد ہوا سے کیا جاوے۔اسے دین ہی دین سمجھیں''

ششم۔مجلس خدام الاحمدیہ نئی نئی قائم ہوئی تھی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے اس

مجلس کے کاموں میں واقفین کی شرکت لازمی قرار دی گئی تھی۔

ہفتم۔ حضور شعار اسلامی کی خاص طور پر پابندی کرنے کا ارشاد فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے واضح ہدایت دے رکھی تھی:

''واقفین اپنے سر کے بال اس طرح رکھیں کہ اس کے کسی حصہ کے بال دوسرے حصّہ کے بالوں سے چھوٹے نہ ہوں۔ خواہ سارے بال چھوٹے ہوں خواہ سارے بال بڑے ہوں لیکن یکساں ہوں''

پھر فرمایا ''داڑھی مومنوں والی ہو'' اور اس کی تشریح دوسرے موقعہ پر یوں فرمائی:

''ایسی داڑھی ہو کہ دیکھنے والے کہیں کہ یہ داڑھی ہے۔ باقی رہا یہ کہ کتنی ہو اس کے متعلق کوئی پابندی نہیں۔۔۔۔ اصل چیز تو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکموں کی اطاعت کی جائے۔''

ہشتم۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے واقفین میں جفاکشی اور مشقت کی عادت پیدا کرنے کے لئے اگست ستمبر 1939ء میں قادیان سے کُلّو تک پیدل سفر کروایا۔ واقفین کو اپنا سامان (بستر کپڑے وغیرہ) خود اٹھانے اور کھانا وغیرہ پکانے کا سب کام راستے میں اپنے ہاتھوں سے ہی سرانجام دینے کی ہدایت تھی۔ صرف راشن اور برتن اٹھانے کے لئے باربرداری کی اجازت تھی۔ اس سفر میں چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امیر سفر تھے۔ اس کے بعد واقفین نے زیر امارت مکرم مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی 1940ء میں ڈلہوزی کی طرف اور 1941ء میں چمبہ کی طرف پیدل سفر کیا۔ اگلے سال 1942ء میں مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل بدوملہوی ہی کی زیر قیادت مجاہدین کا قافلہ قادیان سے جموں تک بذریعہ ریل گاڑی پہنچا۔ جہاں سے پیدل چل کر 20 راگست کو سرینگر پہنچا۔ سرینگر سے واپسی پر شدید بارش اور راستہ کی خرابی کے باوجود واقفین نے سرینگر سے جموں تک کا سفر دو رات اور ڈیڑھ دن میں پیدل طے کیا۔

اسی طرح 1944ء اور 1945ء میں بھی واقفین نے مکرم مولوی صاحب موصوف کی قیادت میں پھر ڈلہوزی کا پیدل سفر کیا اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا جہاں تعلیم کے لئے اساتذہ کرام بھی تشریف لے گئے ہوئے تھے۔

نسہم۔ یہ زمانہ چونکہ واقفین کی ٹریننگ اور تربیت کا تھا۔اس لئے حضورؓ نے جماعت کو اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

'' آج نوجوانوں کی ٹریننگ اور ان کی تربیت کا زمانہ ہے اور ٹریننگ کا زمانہ خاموشی کا زمانہ ہوتا ہے۔لوگ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کچھ نہیں ہو رہا۔مگر جب قوم تربیت پا کر عمل کے میدان میں نکل کھڑی ہوتی ہے تو دنیا انجام دیکھنے لگ جاتی ہے۔ درحقیقت ایک ایسی زندہ قوم جو ایک ہاتھ کے اٹھنے پر اٹھے اور ایک ہاتھ کے گرنے پر بیٹھ جائے دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہے اور یہ چیز ہماری جماعت میں ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہماری جماعت میں قربانیوں کا مادہ بہت کچھ ہے مگر ابھی یہ جذبہ ان کے اندر اپنے کمال کو نہیں پہنچا کہ جونہی ان کے کانوں میں خلیفہ وقت کی طرف سے کوئی آواز آئے اس وقت جماعت کو یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں نے ان کو اٹھا لیا ہے اور صور اسرافیل ان کے سامنے پھونکا جا رہا ہے۔ جب آواز آئے کہ بیٹھو تو اس وقت انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں کا تصرف ان پر ہو رہا ہے اور وہ ایسی سواریاں ہیں جن پر فرشتے سوار ہیں۔ جب وہ کہے کہ بیٹھ جاؤ تو سب بیٹھ جائیں جب کہے کھڑے ہو جاؤ تو سب کھڑے ہو جائیں۔جس دن یہ روح ہماری جماعت میں پیدا ہو جائے گی اس دن جس طرح باز چڑیا پر حملہ کرتا اور اسے توڑ مروڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اسی طرح احمدیت اپنے شکار پر گرے گی اور تمام دنیا کے ممالک چڑیا کی طرح اس کے پنجہ میں آجائیں گے اور دنیا میں اسلام کا پرچم پھر نئے سرے سے لہرانے لگ جائے گا'' (تاریخ احمدیت جلد 8 صفحہ 90 تا 96)

انگریزی اور عربی کے گریجوایٹوں کی ضرورت

شروع میں حضور نے صرف گریجوایٹ اور مولوی فاضل نوجوانوں کو وقف کی تحریک فرمائی۔ دور ثانی میں فرمایا وقف عمر بھر کے لئے ہے اور اب یہ واقفین کا ہرگز حق نہیں کہ وہ خود بخود کام چھوڑ کر چلے جائیں۔ ہاں ہمیں اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ اگر ہم انہیں کام

کے ناقابل دیکھیں تو انہیں الگ کر دیں۔ پس یہ سہ سالہ واقفین نہیں بلکہ جس طرح کہ دور مستقل ہے اسی طرح یہ وقف بھی مستقل ہے۔ اس دور میں کام کی اہمیت کے پیش نظر میں نے یہ شرط عائد کر دی ہے کہ وہی نوجوان لئے جائیں گے جو یا تو گریجوایٹ ہوں یا مولوی فاضل اور جو نہ گریجوایٹ ہوں اور نہ مولوی فاضل انہیں نہیں لیا جائے گا۔

میٹرک پاس واقفین

سلسلہ کے کاموں میں توسیع کے پیش نظر بعد میں حضور نے اس امر کی اجازت فرمائی کہ میٹرک پاس کرنے کے فوراً بعد بھی واقفین زندگی کو لیا جاسکتا ہے۔ (مطالبات تحریک جدید صفحہ 74)

ہر معیار کے واقفین کی ضرورت

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے ہر معیار کے احباب کو بھی وقف زندگی کی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔ تا کہ سلسلہ کے دوسرے کاموں میں انہیں لگا دیا جا سکے اور حضور نے مبلغ کی یہ تعریف فرمائی کہ جو سلسلہ کے کسی کام کو بھی تندہی اور اخلاص سے کرنے والا ہے آپ فرماتے ہیں:

مبلغ کی تعریف

”بعض لوگ حماقت سے سمجھتے ہیں کہ جو تقریر اور تحریر کرے وہی مبلغ ہے۔ حالانکہ اسلام ایک محیط کُل مذہب ہے۔ اس کے احکام کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ وہی مبلغ نہیں جو تبلیغ کے لئے باہر جاتا ہے۔ جو سلسلہ کی جائیدادوں کا انتظام تندہی اور اخلاص سے کرتا ہے اور باہر جانے والے مبلغوں کیلئے اور سلسلہ کے لٹریچر کے لئے روپیہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں کماتا ہے وہ اس سے کم نہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک مبلغوں میں شامل ہے۔ جو سلسلہ کی عمارتوں کی اخلاص سے نگرانی کرتا ہے وہ بھی مبلغ ہے جو سلسلہ کے لئے تجارت کرتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ جو سلسلہ کا کارخانہ چلاتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ جو زندگی وقف کرتا ہے اور اسے سلسلہ کے خزانہ کا پہریدار مقرر کیا جاتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ کسی کام کی نوعیت کا خیال دل سے نکال دو اور اپنے آپ کو سلسلہ کے ہاتھ میں دے دو۔ پھر جہاں

تم کو مقرر کیا جائے گا وہی مقام تمہاری نجات اور برکت کا مقام ہوگا۔''

(الفضل 31 مارچ 1944)

زمیندار طبقہ میں سے واقفین کی ضرورت

''میرا اندازہ ہے کہ فی الحال 200 علماء کی ہمیں ضرورت ہے۔ زمیندار طبقہ ہمارے ملک کی جان ہے اور ان قوموں میں سے جو باہر سے ہندوستان میں آئی ہیں مثلاً پٹھان، قریشی، سیّد، مُغل اور راجپوت وغیرہ اقوام، ان میں سے بہت کم نوجوانوں نے زندگیاں وقف کی ہیں اور ایسی صورت میں بعض اوقات دشمن اعتراض کر سکتا ہے کہ جن لوگوں کے گذارہ کی کوئی صورت نہ تھی انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ گو یہ بات ہے تو جھوٹ۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ روح ہماری جماعت میں نہیں ہے اس لئے وہ اقوام جن کو خدا تعالیٰ نے سیاسی عزت دی ہے اگر اپنے فرائض ادا کریں تو ان کی عزت قائم رہ سکتی ہے اگر ان کے اندر قربانی کا مادہ پیدا نہ ہوا تو ان کی عزت چھن جائے گی۔ اس وقت دنیا میں ایسے انقلاب اور تغیرات ہونیوالے ہیں کہ اگر ان قوموں نے جو اس وقت سیاسی طور پر معزز سمجھی جاتی ہیں اپنا حصہ قربانیوں کا ادا نہ کیا تو وہ گر جائیں گی اور وہ عزت پا جائیں گی جو اس وقت سیاسی طور پر معزز نہیں سمجھی جاتیں۔ قرآن وحدیث میں ایسی پیشگوئیاں موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں عزت والی قومیں گر جائیں گی اور ادنیٰ سمجھی جانے والی معزز ہو جائیں گی۔ اسلام نے تو کسی قوم کو ذلیل قرار نہیں دیا اور قومی فرق کو تسلیم نہیں کیا۔ اسلام کے نزدیک ہر شخص اگر وہ خدمت دین کرے تو وہ معزز اور سردار ہے۔ پس میں تحریک کرتا ہوں کہ سیاسی طور پر معزز سمجھی جانے والی اقوام کے لوگ اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں کو دین کے لئے وقف کریں۔''

''ایسے نوجوان بھی اپنی زندگیاں وقف کر دیں جنہوں نے سائنس میں میٹرک پاس کیا ہو۔ اسی طرح گریجوایٹ وغیرہ بھی جو ڈاکٹری کیلئے مناسب ہوں کہ انہیں ڈاکٹری کی تعلیم دلا کر ادنیٰ اقوام میں تبلیغ کیلئے بھیجا جا سکے۔''

''دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان بھی اپنے آپ کو وقف کر سکتے ہیں اوران سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے مگر یہ یادرہے کہ تعلیم اور کام کے متعلق ان کا کوئی دخل نہ ہو گا۔ یہ کام ہمارا ہوگا کہ ہم فیصلہ کریں کہ کس سے کیا کام لیا جائے گا۔''

(خطبہ جمعہ 24 مارچ۔1944 بحوالہ مطالبات تحریک جدید صفحہ 81-82)

خاندان حضرت مسیح موعود کے افراد کو تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کرو......اس معاملہ میں سب سے بڑی ذمہ داری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان پر ہے........حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام خدا تعالیٰ نے ابراہیم بھی رکھا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا یہی منشاء ہے کہ آپ کی اولاد اسماعیلی نمونہ کو اختیار کرے اور دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے۔اس کے بعد خدا انہیں زیادہ دے تو زیادہ قبول کرلیں اور اگر کم دے تو کم پر راضی رہیں یہ خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے بعض فاقہ زدہ نبی بھی ہوئے ہیں اور حضرت سلیمان جیسے بادشاہ بھی گزرے ہیں جنکے لشکروں اور نوکروں کی تعداد ہی ہزاروں تک پہنچتی تھی۔''(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 247-246 تفسیر سورہ قریش)

اسی طرح فرمایا:

''دیکھو ہمارے اوپر خدا تعالیٰ کے اس قدر احسانات ہیں کہ اگر سجدوں میں ہمارے ناک گھس جائیں، ہمارے ہاتھوں کی ہڈیاں گھس جائیں تب بھی ہم اس کے احسانات کا شکرادا نہیں کر سکتے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری موعود کی نسل سے ہمیں پیدا کیا ہے اور اس فخر کے لئے اس نے اپنے فضل سے ہمیں چُن لیا ہے پس ہم پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔دنیا کے لوگوں کے لئے دنیا کے اور بہت سے کام پڑے ہوئے ہیں مگر ہماری زندگی تو کلیتہً دین کی خدمت اور اسلام کے احیاء کے لئے وقف ہونی چاہیئے۔''

(تاریخ احمدیت جلد نمبر 4 صفحہ 558)

اس تحریک وقف پر سب سے پہلے حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے لبیک کہا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے انہی دنوں مارچ 1944ء میں فرمایا:

''سب سے پہلے ہمارے خاندان میں سے عزیزم مرزا ناصر احمد نے اپنے آپ کو وقف کیا تھا''

(تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 558)

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد ان دنوں جرمنی میں بغرض حصول تعلیم فروکش تھے۔ آپ نے اپنی وقف زندگی کا اظہار اپنے خط میں یوں فرمایا:

''میں حضور کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اگر حضور مناسب خیال فرماویں تو بندہ ہمیشہ کی طرح اب بھی فوراً خدمت سلسلہ کے لئے حاضر ہے۔ بی۔اے اور ایم۔اے بننے کا مجھے کبھی شوق نہیں ہوا اور خدا تعالیٰ شاھد ہے گو اسکا اظہار پہلے نہ ہوسکا اور گو بعض اور خیالات نے اس کی طرف مجبور کیا۔ گو وقف کنندہ ہوں مگر پھر دوبارہ اپنے آپ کو حضور کے سامنے پیش کرتا ہوں بندہ اسی وقت خدمت احمدیت کے لئے حاضر ہے اور سلسلہ کی غلامی کو سب عزتوں سے معزز سمجھتا ہے اور سلسلہ کی خدمت سے علیحدہ رہتے ہوئے اپنی زندگی کو خالی اور فضول پاتا ہوں۔ وماتوفیق الا باللہ۔

فقط

مرزا ناصر احمد

(حیات ناصر جلد اوّل صفحہ 108)

ہر قسم کے واقفین کی ضرورت ہے

اسلام کی ترقی اور اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لینے کی ولولہ انگیز تحریک:

''ہماری جماعت کے ہر بچے، ہر نوجوان، ہر مرد اور ہر عورت کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے سپرد اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت کو دنیا میں قائم کرنے کا جو اہم کام کیا ہے اس سے بڑھ کر دنیا کی کوئی امانت نہیں ہوسکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے گھروں کی حفاظت کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں۔ بعض لوگ گورنمنٹ کے خزانہ کا پہرہ دیتے ہوئے

مارے جاتے ہیں اور بعض لوگ فوجوں میں بھرتی ہوکر اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں لیکن جو چیز اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد کی ہے، اس کے مقابلہ میں دنیا کی بادشاہتیں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں بلکہ ان کو اس سے اتنی بھی نسبت نہیں جتنی ایک معمولی کنکر کو ہیرے سے ہوسکتی ہے۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے اسلام اور احمدیت کی اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لو۔ اس غرض کے لئے زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کو خدمت دین کے لئے وقف کردو تا کہ ایک کے بعد دوسری نسل اور دوسری کے بعد تیسری نسل اس بوجھ کو اٹھاتی چلی جائے اور قیامت تک اسلام کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہراتا رہے۔ اس عظیم الشان مقصد کی سرانجام دہی کے لئے میں نے بیرونی ممالک کے لئے تحریک جدید اور اندرون ملک کیلئے صدر انجمن احمدیہ اور وقف جدید کے ادارے قائم کئے ہوئے ہیں۔ دوستوں کو ان اداروں کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنا چاہئے اور نوجوانوں کو سلسلہ کی خدمت کے لئے آگے آنے کی تحریک کرنی چاہئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں سادھو اور بھکاری تک بھی اپنے ساتھی تلاش کر لیتے ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر تم اس عظیم الشان کام کیلئے دوسروں کو تحریک کرو تو تمہارا کوئی اثر نہ ہو۔ اس وقت اسلام کی کشتی بھنور میں ہے اور اس کو سلامتی کے ساتھ کنارے تک پہنچانا ہمارا کام ہے اگر ہم اس کی اہمیت کو سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھانے کی کوشش کریں تو ہزاروں نوجوان خدمت دین کے لئے آسکتے ہیں۔ ہمیں اس وقت ہر قسم کے واقفین کی ضرورت ہے۔ ہمیں گریجوایٹوں کی بھی ضرورت ہے اور کم تعلیم والوں کی بھی ضرورت ہے تا کہ ہم ہر طبقہ تک اسلام کی آواز پہنچا سکیں۔ اگر تم اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ لوگے تو یقیناً اس کشتی کو سلامتی کے ساتھ نکال کرلے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں ابدی حیات عطا فرمائے گا۔ تمہارے بعد بڑے بڑے فلاسفر پیدا ہوں گے، بڑے بڑے علماء پیدا ہوں گے۔ بڑے بڑے صوفیاء پیدا ہوں گے، بڑے بڑے بادشاہ آئیں گے مگر یاد رکھو خدا تعالیٰ نے جو شرف ہمیں عطا فرمایا ہے، بعد میں آنے والوں کو وہ میسر نہیں آسکتا جیسے عالم اسلام میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں مگر جو مرتبہ رسول کریم ﷺ کے ایک چھوٹے سے چھوٹے صحابیؓ کو بھی ملا، وہ ان

بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوا۔ ان بادشاہوں اور نوجوانوں کو بے شک دنیوی دولت ملی مگر اصل چیز تو صحابہؓ ہی کے حصے میں آئی۔ باقی لوگوں کو تو صرف چھلکا ہی ملا۔ یہ تقسیم بالکل ویسی ہی تھی جیسے غزوہ حنین کے بعد جب رسول کریم ﷺ نے مکہ والوں میں اموال غنیمت تقسیم کئے تو ایک انصاری نوجوان نے بیوقوفی سے یہ فقرہ کہہ دیا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال مکہ والوں کو دیدیا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے تمام انصار کو جمع کیا اور فرمایا۔ اے انصار اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے ایک نوجوان نے یہ کہا ہے کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال غنیمت محمد رسول ﷺ مکہ والوں کو دے دیا ہے انصار نہایت مخلص اور فدائی انسان تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر ان کی چیخیں نکل گئیں اور انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہم ایسا نہیں کہتے۔ ہم میں سے ایک بیوقوف نوجوان نے غلطی سے یہ بات کہہ دی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اے انصار! اگر تم چاہتے تو تم بھی یہ بات کہہ سکتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے فتح بخشی اور اسے عزت کے ساتھ اپنے وطن میں واپس لایا مگر جب جنگ ختم ہوگئی اور مکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں آ گیا تو مکہ والے تو بکریوں اور بھیڑوں کے گلے ہانک کر اپنے گھروں میں لے گئے اور انصار خدا کے رسول کو اپنے گھر میں لے آئے۔ اسی طرح بے شک صحابہؓ کے بعد آنے والوں کو بڑی بڑی دولتیں ملیں۔ حکومتوں پر انہیں قبضہ ملا مگر جو روحانی دولت صحابہؓ کے حصہ میں آئی، وہ بعد میں آنے والوں کو نہیں ملی۔ **پس خدمت دین کے اس اہم موقعہ کو جو تمہیں صدیوں کے بعد نصیب ہوا ہے ضائع مت کرو اور اپنے گھروں کو خدا تعالیٰ کی برکتوں سے بھر لو۔''**

(تقریر جلسہ سالانہ 1960ء بحوالہ مشعل راہ جلد اوّل صفحہ 817,816)

نوجوانان جماعت سے دین کے لئے زندگیاں وقف کرنے کا مطالبہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''جہاں یہ ضروری ہے کہ جماعت کا ہر فرد تبلیغ کرے وہاں ایک خاص جماعت کا ہونا بھی ضروری

ہے جو اسلام کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کر دے۔اس کی طرف میں نے جماعت کو متواتر توجہ دلائی ہے۔کچھ نوجوان آگے آئے بھی ہیں مگر جس حد تک ضروری ہے اس حد تک نہیں۔پچھلے سالوں میں مالی قربانی کے لحاظ سے جماعت نے نہایت اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے ایسا نمونہ کہ جس پر فخر کیا جا سکتا ہے........لیکن تبلیغ کے لئے وقف زندگی کا نمونہ ایسا شاندار نہیں جو جماعت نے مالی قربانی کے لحاظ سے دکھایا ہے۔ابھی بہت سے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو ایسے اوقات کو کلی طور پر دین کی خدمت میں لگانے کے لئے تیار ہوں۔پھر میں نے ایک اور نقص دیکھا ہے کہ دوستوں میں کام کرنے میں سستی کی عادت ہے۔جسے کسی کام پر مقرر کیا جاتا ہے وہ غفلت کرتا ہے۔یہ عادت اہم مہمات کے سر کرنے کے لئے سخت مضر ہے اور فتح کے وقت کو پیچھے ڈال دینے کی عادت ہے۔اس کی اصلاح بھی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اپنی زندگیوں کو وقف کرنے والوں کی ایک جماعت ہو جو ایک خاص پروگرام کے ماتحت تعلیم و تربیت حاصل کرے اور پھر وہی روح دوسروں میں پیدا کرنے کی کوشش کرے۔اس لئے زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اپنی زندگیوں کو دین کے لئے وقف کریں۔'' (خطبہ جمعہ یکم اکتوبر 1943ء بحوالہ مشعل راہ جلد اول صفحہ 353)

جو شخص وقف کرتا ہے اس کا وقف ہمیشہ قائم رہتا ہے خواہ بظاہر قبول ہو یا نہ ہو

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:

''اس سلسلہ میں جماعت کے دوستوں کو ایک اور امر کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں جس کی طرف پہلے توجہ نہیں اور پہلے میں نے اسے بیان بھی نہیں کیا۔ہر شخص جو اپنی زندگی وقف کرتا ہے،اس کے وقف کرنے کے یہ معنے نہیں کہ اس کا وقف ضرور قبول کر لیا جائے۔پیش کرنے والوں میں سے جو کام کے لئے موزوں سمجھے جاتے ہیں،ان کو لیا جاتا ہے اور باقی کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔لیکن جو شخص ایک دفعہ اپنی زندگی وقف کرتا ہے وہ خدا کے ہاں ہمیشہ ہی وقف سمجھا جاتا ہے۔میرے اسے رد کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے ہاں بھی رد ہو گیا ہے۔چاہے ہم اسے قبول نہ کریں،وہ خدا تعالیٰ کے ہاں وقف ہے۔چاہے باہر جا کر کوئی نوکری ہی کر رہا ہو جب بھی وقف زندگی کے لئے جماعت سے

مطالبہ کیا جائے ،اسکا فرض ہے کہ پھر اپنے آپ کو پیش کرے۔خواہ پھر رد کر دیا جائے اور رد کرنے کی صورت میں اگر وہ کوئی اور کام بھی کرتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت وہ دین کی خدمت میں صرف کرے ورنہ شدید وعدہ خلافی کا مرتکب سمجھا جائے گا۔جب ایک شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کرتا ہے کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف کر تا ہے اور پھر امام جماعت بلکہ نبی کے رد کر دینے پر سمجھتا ہے کہ چونکہ مجھے قبول نہیں کیا گیا اس لئے میں آزاد ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ خلافی کا مرتکب سمجھا جائے گا بلکہ اپنے آپ کو پیش کر دینا تو درکنار جو شخص اپنے دل میں بھی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے لئے وقف ہوں تو پھر کسی وقت بھی اس کا اپنے آپ کو وقف کی ذمہ داریوں سے آزاد سمجھنا شدید وعدہ خلافی ہے۔کسی کا اسے قبول کرنے سے انکار اس کے وقف کو نہیں بدل سکتا۔اس کے رد کرنے کے معنی تو صرف یہ ہیں کہ وہ اس خاص جماعت میں داخل نہیں ہو سکتا جس سے اس وقت کوئی کام لیا جانا ہے اور یہ عدم شمولیت اس کے وقف کو بدل نہیں سکتی۔بلکہ جس دن سے کوئی وقف کا ارادہ کرتا ہے وہ چاہے اس ارادہ کا اظہار بھی کسی کے سامنے نہ کرے، وہ خدا تعالیٰ کے ہاں وقف ہے اور اس سے کسی صورت میں بھی اپنے آپ کو آزاد سمجھنا وعدہ خلافی ہے۔کامل مومن وہ ہے جو دل کے ارادہ پر بھی پختہ رہے۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صدقہ کا ارادہ کرے اس کے لئے صدقہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔جو شخص نفل پڑھنے کا ارادہ کرے اس کیلئے پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔پس کامل مومن کا ارادہ بھی اسے باندھ دیتا ہے اور پابند کر دیتا ہے۔لیکن اگر کوئی ادنیٰ مومن ہے تو جب وہ ایک بار اپنے آپ کو وقف کر چکا تو خواہ اسے قبول نہ بھی کیا جائے وہ آزاد نہیں ہو سکتا۔دینی خدمت کے لئے قبول نہ کئے جانے کی صورت میں اگر وہ مثلاً ڈاکٹری کرتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ ڈاکٹری کے کام کو کم سے کم وقت میں محدود کرے اور باقی وقت دین کی خدمت میں لگائے اور اگر کوئی انجینئر ہے تو چاہئے کہ کم سے کم وقت انجینئرنگ کے کام پر صرف کرے اور زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت پر۔اگر وہ کوئی ملازمت اختیار کرتا ہے تو چاہئے کہ ملازمت کیلئے جتنا وقت اس کے لئے لازمی ہے اس کے سوا باقی وقت کا کثیر حصہ دینی خدمت میں

گذارے اور پھر اس تاک میں رہے کہ کب دینی خدمت کے لئے آگے بڑھنے کا مطالبہ ہوتا ہے اور جب بھی ایسی آواز اس کے کان میں پڑے اسے چاہیئے کہ پھر اپنے آپ کو پیش کرے اور کہے کہ میں واقف ہوں پہلے فلاں وقت مجھے نہیں لیا گیا تھا اب پھر پیش کرتا ہوں اور خواہ ساری عمر بھی نہ لیا جائے مگر اس کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو واقف ہی سمجھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ وعدہ خلاف اور غدار سمجھا جائے گا۔ پس جس نے کسی وقت بھی اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش کیا، وہ اس سے کبھی آزاد نہیں ہوسکتا۔ میرا یا کسی اور کا اسے کسی وقت قبول نہ کرنا اسے وقف کی ذمہ داریوں سے آزاد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وقف تو ایک عہد ہے خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے اور کوئی قبول کرے یا نہ کرے، یہ عہد ہرگز نہیں ٹوٹ سکتا بلکہ اگر صرف دل میں ہی وقف کا ارادہ کیا جائے چاہے اظہار نہ ہو تو بھی نہیں ٹوٹ سکتا۔''

''پس وقف کے قبول کئے جانے یا نہ کئے جانے کا کوئی سوال نہیں۔ جو شخص وقف کرتا ہے اس کا وقف ہمیشہ رہتا ہے اور خدمت دین کی ایک صورت کے لئے اسے قبول نہ کئے جانے کے یہ معنے نہیں کہ وہ دین کی کسی اور رنگ میں خدمت کرنے کی ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہو گیا۔ اگر ایک شخص کی آنکھیں خراب ہیں اور اسے فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اب وہ ہمیشہ ملک کی خدمت کے فرض سے آزاد ہو گیا کیونکہ اگر وہ باقاعدہ لڑنے والی فوج میں شامل نہیں کیا گیا تو کئی اور صورتوں میں خدمت ملک کر سکتا ہے۔ کلرک بن سکتا ہے، زخمیوں کے لئے پٹیاں بنانے کا کام کر سکتا ہے، ایسی تحریکیں کر سکتا ہے جن سے فوجی بھرتی میں امداد مل سکتی ہے۔ اور نہیں تو عوام میں بے چینی پیدا کرنے والی غلط افواہوں کی تردید کر کے ایک اہم خدمت سرانجام دے سکتا ہے۔''

''غرض جو شخص کسی خاص وقف کی تحریک میں نہ لیا جانے کی صورت میں یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اب وقف کی ذمہ داری سے وہ آزاد ہو گیا ہے، وہ ایسا ہی احمق ہے جیسا وہ والنٹیئر احمق جو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے گیا اور اسے فوج کے قابل نہ سمجھ کر آزاد کر دیا اور اس نے ملک کی خدمت کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو آزاد سمجھ لیا۔ اگر وہ کامل مومن ہے تو

صرف دل میں ارادہ کرنے سے، اور اگر ادنیٰ مومن ہے تو اپنے آپ کو پیش کر دینے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے خدا تعالیٰ کے ہاں وقف ہے، خواہ اسے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ پس جو نوجوان اپنے آپ کو پیش کر چکے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ قیامت تک وقف ہیں۔''

(خطبہ جمعہ الفضل 19 اکتوبر 1943)

وقفِ زندگی برائے دیہاتی مبلّغین

ایک لمبے تجربہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جب دیکھا کہ ہم اتنے مبلغ تیار نہیں کر سکتے جو دنیا کی ضرورت کو پورا کر سکیں تو اللہ تعالیٰ نے حضور کے دل میں دیہاتی مبلّغین کی سکیم ڈالی اور حضور نے 29 جنوری 1943ء کو تیسری قسم کا وقف (برائے دیہاتی مبلّغین) جاری کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ دو قسم کے مبلّغ ہونے چاہئیں۔ایک تو وہ جو بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں جا کر تبلیغ کر سکیں۔لیکچر اور مناظرے کر سکیں اپنے ماتحت مبلغوں کی نگرانی کر سکیں۔اور ایک ان سے چھوٹے درجہ کے مبلغ دیہات میں تبلیغ کے لئے ہوں۔جیسے دیہات کے پرائمری سکولوں کے مدرس ہوتے ہیں ایسے مبلغ دیہات کے لوگوں میں سے ہی لئے جائیں۔ایک سال تک ان کو تعلیم دے کر موٹے موٹے مسائل سے آگاہ کر دیا جائے اور جس طرح پرائمری کے مدرس اپنے اردگرد کے دیہات میں تعلیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں اسی طرح یہ اپنے علاقہ میں تبلیغ کے ذمّہ دار ہوں۔......انہیں ایک سال میں موٹے موٹے دینی مسائل مثلاً نکاح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جنازہ وغیرہ کے متعلق احکام سکھا دیئے جائیں۔قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا دیا جائے، کچھ احادیث پڑھا دی جائیں، سلسلہ کے ضروری مسائل پر نوٹ لکھا دیئے جائیں۔تعلیم وتربیت کے متعلق ان کو ضروری ہدایات دی جائیں اور انہیں سمجھا دیا جائے کہ بچوں کو کس قسم کے اخلاق سکھانے چاہئیں اور اس غرض سے انہیں ایک دو ماہ خدام الاحمدیہ میں کام کرنے کا موقع بہم پہنچایا جائے اور یہ سارا کورس ایک سال یا سوا سال میں ختم کرا کر انہیں دیہات میں پھیلا دیا جائے.......... پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس سکیم کو کامیاب بنانے کی

کوشش کرے اور اپنے اپنے ہاں کے ایسے نوجوانوں کو جو پرائمری یا مڈل پاس ہوں اور لوئر پرائمری کے مدرسوں جتنا گذارہ لے کر تبلیغ کا کام کرنے پر تیار ہوں فوراً بھجوا دیں تا کہ ان کے لئے تعلیم کا کورس مقرر کر کے انہیں تبلیغ کے لئے تیار کیا جا سکے''۔

چونکہ جنگ کا زمانہ تھا اور گرانی بہت تھی اس لئے ابتداء میں صرف پندرہ واقفین منتخب کیے گئے جن کی ٹریننگ با قاعدہ ایک کلاس کی شکل میں جنوری 1945ء تک جاری رہی۔انہیں علمائے سلسلہ کے علاوہ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی تعلیم دیتے تھے۔چنانچہ حضورؓ نے مجلس مشاورت (منعقدہ 7۔8۔9/اپریل 1944ء) میں بتایا کہ:

''میں دیہاتی مبلّغین کو آجکل تعلیم دے رہا ہوں۔یہ لوگ مدرس بھی ہوں گے اور مبلغ بھی۔چھ مہینہ تک یہ لوگ فارغ ہو جائیں گے۔پندرہ بیس ان کی تعداد ہے۔''

ٹریننگ کا دور ختم ہوا تو ان میں سے چودہ کو فروری 1945ء سے پنجاب کے مختلف دیہاتی علاقوں میں متعین کر دیا گیا۔دیہاتی مبلّغین کے وقف کی یہ سکیم بہت کامیاب رہی اور حضور نے دیہاتی مبلّغین کی نسبت اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:

''خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارا یہ تجربہ بہت کامیاب رہا ہے۔کئی جماعتیں ایسی تھیں جو کہ چندوں میں سُست تھیں اب ان میں بیداری پیدا ہو گئی۔پہلے سال صرف پندرہ آدمی اس کلاس میں شامل ہوئے تھے اور پچھلے سال پچاس شامل ہوئے۔''

دیہاتی مبلّغین کی تیسری کلاس 1947ء میں کھولی گئی جس میں 53 واقفین داخل کئے گئے۔ابھی پڑھائی کا گویا آغاز ہی تھا کہ ملک فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر طلبہ قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے رہ گئے اور صرف چھ پاکستان آئے جنہیں تکمیل تعلیم کے بعد تبلیغ پر لگا دیا گیا۔

اس کے بعد آئندہ کے لئے یہ شرط عاید کر دی گئی کہ صرف غیر شادی شدہ لئے جائیں گے نیز یہ کہ ان کو صرف دورانِ تعلیم میں وظیفہ دیا جائے گا اور تعلیم کے بعد دو برس تک کسی الاؤنس کے بغیر مفوضہ کام کرنا ہو گا۔چنانچہ ان شرائط کے مطابق چوتھی کلاس جون 1948ء سے لاہور میں جاری کی گئی۔اور جب واقفین دورِ تعلیم مکمل کر چکے وہ اپنے اپنے حلقوں میں بھجوا دیئے گئے۔اس طرح دیہاتی مبلّغین کے چار گروپ بن گئے جن کی تعداد 1952ء میں انسٹھ تک جا پہنچی۔ 28/مارچ 1954ء کو سیّدنا حضرت المصلح

الموعودؓ کے ارشاد پر مولانا ابوالعطاء صاحب اور میاں غلام محمد صاحب اختر پر مشتمل ایک بورڈ مقرر کیا گیا جس نے دیہاتی مبلّغین کا امتحان لیا اور قابل مبلّغین کا انتخاب کر کے نظارت اصلاح وارشاد صدر انجمن احمدیہ میں بطور معلّم رکھ لیا گیا اور باقی فارغ کر دیئے گئے۔ (تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 98 تا 100)

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی وفات پر تحریک وقف زندگی

16 مارچ 1944 کی شب حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی وفات کا المناک واقعہ پیش آیا۔ نماز مغرب وعشاء کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ایک دردانگیز تقریر کی جس میں فرمایا:-

''جب رسول کریم ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہؓ کے لئے وہ ایک موت کا دن تھا۔ مگر جب حضرت ابوبکرؓ فوت ہوئے تو وہ تابعین جنہوں نے رسول کریم ﷺ کو نہ دیکھا تھا اور اسلام حضرت ابوبکرؓ سے ہی سیکھا تھا ان کو اس وفات کا شدید ترین صدمہ ہوا۔ ویسا ہی صدمہ جیسا کہ صحابہؓ کو آنحضرت ﷺ کی وفات کا ہوا تھا۔ اسی طرح ایک کے بعد ایک زمانہ کے لوگ گذرتے چلے گئے۔ اور جب سارے گزر گئے تو کسی وقت عالم اسلامی کیلئے حسن بصریؒ یا جنید بغدادیؒ کی وفات ایسے ہی صدمہ کا باعث تھی جیسی صحابہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی وفات مگر یہ احساس نتیجہ تھا اس بات کا کہ حسن بصریؒ اور جنید بغدادیؒ جیسے لوگ مسلمانوں میں بہت شاذ ہی پیدا ہوتے تھے۔ اگر ساری امت ہی حسنؒ اور جنیدؒ ہوتی تو وہ درد اور وہ چبھن جوان بزرگوں کی وفات پر بلند ہوئیں یوں بلند نہ ہوتیں۔ بدقسمتی سے اکثر لوگ رونا بھی جانتے ہیں۔ اظہارِ غم کرنا بھی جانتے ہیں۔ مگر اکثر لوگ خدا تعالیٰ کے لئے زندگی وقف کرنا اور کام کرنا نہیں جانتے۔ یہی وجہ ہے دنیا پرحُزن وغم کی چادر پڑی رہتی ہے۔ اگر سب کے سب لوگ دین کی خدمت کرتے اور اللہ تعالیٰ کی رضاء جوئی میں لگے ہوتے تو دنیا کا عرفان اور علم ایسے بلند معیار پر آ جاتا کہ کسی قابل قدر خادم اسلام کی وفات پر جو یہ احساس پیدا ہوتا ہے اور یہ فکر لاحق ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں گے یہ کبھی نہ ہوتا۔''

''میر محمد اسحٰق صاحبؓ خدمات سلسلہ کے لحاظ سے غیر معمولی وجود تھے۔ درحقیقت میرے بعد علمی لحاظ سے جماعت کا فکر اگر کسی کو تھا تو ان کو۔ رات دن قرآن وحدیث لوگوں کو پڑھانا ان کا مشغلہ تھا۔ وہ زندگی کے آخری دور میں کئی بار موت کے منہ سے بچے۔ جلسہ سالانہ پر وہ ایسا اندھا دھند کام کرتے

کہ کئی باران پر نمونیہ کا حملہ ہوا۔ایسے شخص کی وفات پر طبعاً لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں گے؟ لیکن اگر ہماری جماعت کا ہر شخص ویسا ہی بننے کی کوشش کرتا تو آج یہ احساس پیدا نہ ہوتا۔ جب ہر شخص اپنی ذمہ داری کو سمجھتا ہے تو کسی کارکن کی وفات پر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اب ہم کیا کریں گئے؟ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہم سب یہی کام کر رہے ہیں۔عزیز اور دوست کی جدائی کا غم تو ضرور ہوتا ہے مگر یہ احساس نہیں ہوتا کہ اب اس کا کام کون سنبھالے گا۔موت کا رنج تو لازمی بات ہے مگر یہ رنج مایوسی پیدا نہیں کرتا بلکہ ہر شخص ایسے موقعہ پر اللہ تعالیٰ سے شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے وقت پر چاروں کونوں کو سنبھال لیا تھا۔احباب کی اس غلطی کی وجہ سے کہ ہر ایک نے وقت پر اپنے آپ کو سلسلہ کا واحد نمائندہ تصور نہ کیا اور اس کے لئے کوشش نہ کی۔آج میر صاحب کی وفات ایسا بڑا نقصان ہے کہ نظر آ رہا ہے کہ اس نقصان کو پورا کرنا آسان نہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ؓ اس طرز کے آدمی تھے۔ان کے بعد حضرت حافظ روشن علی ؓ صاحب تھے اور تیسرے اس رنگ میں میر صاحب ؓ رنگین تھے اور ان کی وفات کا بڑا صدمہ اس وجہ سے بھی ہے کہ ان جیسے اور لوگ جماعت میں موجود نہیں ہیں۔اگر اور لوگ بھی ایسے ہوتے تو بیشک ان کی وفات کا صدمہ ہو تا۔ویسا ہی صدمہ جیسا ایک عزیز کی وفات کا ہوتا ہے مگر جماعتی پہلو محفوظ ہوتا۔اور یہ دیکھ کر مایوس نہ ہوتے اور وہ سمجھتے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نے ایک آدمی ہم سے لے لیا ہے تو اس کے کئی قائم مقام موجود ہیں۔مگر قحط الرّجال ایسی چیز ہے کہ جو لوگوں کے دلوں میں مایوسی پیدا کر دیتی ہے اور جب کام کا ایک آدمی فوت ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اب کیا ہوگا اور دشمن بھی کہتا ہے کہ اب یہ جماعت تباہ ہو جائے گی۔اب اس کا کام چلانے والا کوئی نہیں۔لیکن اگر ایک کے بعد کام کرنے والے کئی موجود ہوں تو پھر نہ اپنوں میں مایوسی پیدا ہوتی ہے اور نہ دشمن کو خوش ہونے کا موقعہ مل سکتا ہے۔پس اگر جماعت کے دوست اپنی اپنی ذمہ داری کو سمجھتے تو آج جو یہ گھبراہٹ پائی جاتی ہے نہ ہوتی۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بروقت مجھے سمجھ دی اور میں نے نوجوانوں کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک کی جس کے ماتحت آج نوجوان تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن ہمارا کام بہت وسیع ہے۔‘‘

ہزار ہا علماء درکار ہیں

''ہم نے دنیا کو صحیح علوم سے آگاہ کرنا ہے اور اس کے لئے ہزار ہا علماء درکار ہیں.......حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت تھی کہ جب کبھی جماعت کے لئے غم کا کوئی موقع ہوتا۔آپ دوستوں سے فرماتے کہ دعائیں کرو اور استخارے کرو۔تا اللہ تعالیٰ دلوں سے گھبراہٹ دور کرے اور بشارات دے کر دلوں کو مضبوط کر دے۔پس آپ لوگ بھی آئندہ چند دنوں تک متواتر دعائیں کریں۔خصوصاً آج کی رات بہت دعائیں کی جائیں کہ اگر جماعت کیلئے کوئی اور ابتلاء مقدر ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں ٹال دے اور اگر تمہارا خیال غلط ہو تو دلوں سے دہشت کو دور کر دے اور اپنے فضل سے ایسی سچی بشارتیں عطا کرے کہ جن سے دل مضبوط ہوں اور کمزور لوگ ٹھوکر سے بچ جائیں۔پس خوب دعائیں کرو اور اگر کسی کو خواب آئے تو بتائے۔خصوصاً صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد بہت دعائیں کریں۔وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ پایا اور انہیں موقعہ ملا کہ وہ حضورؑ کی پاک صحبت میں رہے،خاص طور پر میرے مخاطب ہیں۔وہ آج رات بھی اور آئندہ بھی بہت دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو ایسے واقعات اور ابتلاؤں سے بچائے جو کمزوروں کے لئے ٹھوکر کا سبب ہو سکتے ہیں اور جن سے افسردگی پیدا ہوتی ہے کہ یہ دین کی فتح کے دن ہیں اور ان دنوں میں افسردگی نہیں ہونی چاہیے۔بلکہ دلوں میں ایسا عزم صمیم ہونا چاہئے کہ جس کے ماتحت دوست بڑھ بڑھ کر قربانیاں کر سکیں۔''

(الفضل یکم اپریل 1944)

علماء تیار کرنے کیلئے وقفِ زندگی کی وسیع تحریک

حضور نے 24/مارچ 1944 کو وقفِ زندگی کی پر زور تحریک فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ:

''جسمانی کام ایک ایک آدمی سے بھی چل سکتا ہے کیونکہ جسم کا فتح کرنا آسان ہے مگر روحانی کاموں کیلئے بہت آدمیوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ دلوں کا فتح کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے پاس اتنے معلم ہوں کہ ہم انہیں تمام جماعت میں پھیلا سکیں۔۔۔۔۔۔۔ضروری ہے کہ

ہماری جماعت کا ہر زمیندار، تاجر، پیشہ ور، وکیل، بیرسٹر، ڈاکٹر، انجنیئر ایک خاص حد تک قرآن، حدیث اور کتب حضرت مسیح موعودؑ کا علم رکھتا ہو مگر یہ نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے پاس علماء کی کثرت نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔اسلام کے نزدیک ہر شخص اگر خدمت دین کرے تو وہ معزز اور سردار ہے مگر ان قوموں کے لئے جو سیاسی طور پر معزز سمجھی جاتی ہیں، بہت شرم کی بات ہوگی اگر وہ قربانیوں میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے گر جائیں اور سیاسی طور پر ادنیٰ سمجھی جانے والی قومیں آگے آجائیں۔ پس میں تحریک کرتا ہوں کہ سیاسی طور پر معزز سمجھی جانے والی اقوام کے لوگ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو دین کے لئے وقف کریں۔۔۔۔۔۔۔۔کام کی وسعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر سال ایک سو نہیں بلکہ 200 مبلغ رکھے جائیں۔ پس میں ایک تحریک تو یہ کرتا ہوں کہ دوست مدرسہ احمدیہ میں اپنے بچوں کو بھیجیں تا انہیں خدمت دین کے لئے تیار کیا جا سکے۔''

پڑھائی کی سکیم

''اور دوسری تحریک انجمن کو یہ کرتا ہوں کہ پڑھائی کی سکیم ایسی ہو کہ تھوڑے سے تھوڑے عرصہ میں زیادہ سے زیادہ دینی تعلیم حاصل ہو سکے اور اس رستہ میں جو بھی چیز حائل ہو اسے نکال دیا جائے۔ مولوی فاضل بنانا ضروری نہیں۔ جس نے ڈگری حاصل کرنی ہو وہ باہر چلا جائے۔ اس دوغلا پن کو دور کرنا ضروری ہے۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے والا کبھی ساحل پر نہیں پہنچا کرتا۔ پس تعلیم کا انتظام ایسے رنگ میں کیا جائے کہ جلد سے جلد مکمل علماء ہمیں مل سکیں۔ فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف اور کلام وغیرہ علوم میں ایسی دسترس حاصل کر سکیں کہ چوٹی کے علماء میں ان کا شمار ہو بلکہ دنیا میں صرف وہی علماء سمجھے جائیں۔ اور اسلام کے ہر فرقہ اور ہر ملک کے لوگ اختلاف عقائد کے باوجود یہ تسلیم کریں کہ اگر ہم نے ان علوم کو سیکھنا ہے تو احمدی علماء سے ہی سیکھنا چاہئے۔''

گریجوایٹ علماء کی ضرورت

''میرا اندازہ ہے کہ فی الحال دوسو علماء کی ہمیں ضرورت ہے تب موجودہ حالات کے مطابق جماعتی کاموں کو تنظیم کے ماتحت چلایا جا سکتا ہے لیکن اس وقت واقفین کی تعداد 30 سے 35

ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے علاوہ گریجوایٹوں اور ایم۔اے پاس نوجوانوں کی بھی کالج کے لئے ضرورت ہے تا پروفیسر وغیرہ تیار کئے جاسکیں۔ایسے ہی واقفین میں سے آئندہ ناظروں کے قائم مقام بھی تیار کئے جاسکیں گے۔ایسے لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ناظروں کا قائم مقام بنایا جا سکے۔میری تجویز ہے کہ واقفین نوجوانوں کو ایسے کاموں پر بھی لگایا جائے اور ایسے رنگ میں ان کی تربیت کی جائے کہ وہ آئندہ موجودہ ناظروں کے قائم مقام بھی ہوسکیں پس MA پاس نوجوانوں کی بھی ضرورت ہے۔''

ڈاکٹروں کی ضرورت

''.......ایسے نوجوان بھی اپنی زندگیاں وقف کریں جنہوں نے سائنس میں میٹرک پاس کیا ہو یا اس سال پاس ہونے کی امید ہو۔اسی طرح گریجوایٹ وغیرہ تا جو ڈاکٹری کے لئے مناسب ہوں انہیں ڈاکٹری تعلیم دلوا کر ادنیٰ اقوام میں جن تک ابھی اسلام کا نور نہیں پہنچا،تبلیغ کے لئے بھیجا جاسکے، اور جو دوسرے کاموں کے لئے مناسب ہوں انہیں دوسرے کاموں کے لئے تعلیم دلوائی جائے۔ ہندو ان لوگوں کو ابھی تک ذلیل سمجھتے ہیں۔ان سے چھوت چھات کرتے ہیں۔ان غریبوں کو غلام قرار دے رکھا ہے اس لئے جب ہمدردی سے ان کی خدمت کی جائے اور احسن رنگ میں اسلامی تعلیم ان کے سامنے پیش کی جائے تو عیسائیوں کی نسبت کئی گنا زیادہ کامیابی ہوسکتی ہے۔پس یہ راستہ بھی بند نہیں دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان بھی اپنے آپ کو وقف کر سکتے ہیں اور ان سے فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔مگر یہ یاد رہے کہ تعلیم اور کام کے متعلق ان کا کوئی دخل نہ ہوگا۔یہ کام ہمارا ہوگا ہم فیصلہ کریں گے کہ کس سے کیا کام لیا جائے گا۔'' (الفضل 31؍مارچ 1944ء)

تمام علوم کے ماہرین پیدا کرنے کی تحریک

حضرت میر محمد اسحٰقؓ کی وفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ جماعت میں جلد سے جلد علماء اور علوم اسلامیہ کے ماہرین پیدا کرنے کی ضرورت ہے تا وہ پہلے بزرگوں کے قائم مقام ہوسکیں۔چنانچہ حضور نے مجلس مشاورت 1944ء کے دوران فرمایا:۔

''خدا تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی اور میر صاحبؓ وفات پا گئے۔ان کے انتقال سے جماعت کو

اس لحاظ سے شدید صدمہ پہنچا ہے کہ وہ سلسلہ کے لئے ایک نہایت مفید وجود تھے۔مگر یاد رکھو کہ مومن بہادر ہوتا ہے اور بہادر انسان کا یہ کام نہیں ہوتا کہ جب کوئی ابتلاء آئے تو وہ رونے بیٹھ جائے یا اس پر افسوس کرنے بیٹھ جائے۔ بہادر آدمی کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ فوراً اپنی غلطی کو درست کرنا شروع کر دیتا ہے۔اور نقصان کو پورا کرنے میں مشغول ہوجاتا ہے۔وہ شخص جو رونے لگ جاتا ہے مگر اپنی غلطی کی اصلاح نہیں کرتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔کامیاب ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ابتلاء کے بعد اپنے آپ کو ایسے رنگ میں تیار کرنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور باہمت ہوجاتا ہے۔ ہمارے لئے جو ابتلاء آئے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا تازیانہ ہیں کہ تم کیوں ایسی حالت میں بیٹھے ہوئے ہو کہ جب کوئی شخص چلا جاتا ہے تو تم کہتے ہو کہ اب کیا ہوگا؟ تم کیوں اپنے آپ کو اس حالت میں تبدیل نہیں کر لیتے کہ جب کوئی شخص مشیت ایزدی کے ماتحت فوت ہوجائے تو تمہیں ذرا بھی یہ فکر محسوس نہ ہو کہ اب سلسلہ کا کام کس طرح چلے گا بلکہ تم میں سینکڑوں لوگ اس جیسا کام کرنے والے موجود ہوں۔ایک غریب شخص جس کے پاس ایک ہی کوٹ ہو، اگر اس کا کوٹ ضائع ہوجائے تو اسے سخت صدمہ ہوتا ہے۔لیکن اگر ایک امیر شخص جس کے پاس پچاس کوٹ ہوں۔اس کا اگر ایک کوٹ ضائع بھی ہوجائے تو اسے خاص صدمہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے پاس انچاس کوٹ اور موجود ہیں۔اسی طرح ہماری جماعت اگر روحانی طور پر نہایت مالدار بن جائے تو اسے کسی شخص کی موت پر کوئی گھبراہٹ لاحق نہیں ہوسکتی۔تم اپنے آپ کو روحانی لحاظ سے مالدار بنانے کی کوشش کرو۔تم میں سینکڑوں فقیہہ ہونے چاہئیں،تم میں سینکڑوں محدث ہونے چاہئیں،تم میں سینکڑوں مفسّر ہونے چاہئیں،تم میں سینکڑوں علم کلام کے ماہر ہونے چاہئیں۔تم میں سینکڑوں علم اخلاق کے ماہر ہونے چاہئیں،تم میں سینکڑوں علم تصوّف کے ماہر ہونے چاہئیں،تم میں سینکڑوں منطق اور فلسفہ اور فقہ اور لغت کے ماہر ہونے چاہئیں۔تم میں سینکڑوں دنیا کے ہر علم کے ماہر ہونے چاہئیں تا کہ ان سینکڑوں میں سے کوئی شخص فوت ہوجائے تو تمہارے پاس ہر علم اور ہر فن کے 499 عالم موجود ہوں اور تمہاری توجہ اس طرف ہونے ہی نہ پائے کہ اب کیا ہوگا۔جو چیز ہر جگہ ہر زمانہ میں مل سکتی ہو اس کے کسی حصہ کے ضائع ہونے پر انسان کو صدمہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسی سینکڑوں چیزیں میرے پاس موجود ہیں۔اسی طرح اگر ہم میں سے ہر شخص علوم وفنون کا ماہر ہو تو کسی کو خیال بھی نہیں آسکتا کہ فلاں عالم تو مر گیا اب کیا ہوگا؟ یہ خیال اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ہم

اپنے وجودوں کو نادر بننے دیتے ہیں اور ان جیسے سینکڑوں نہیں ہزاروں وجود اور پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ان کے نادر ہونے کا احساس جاتا رہے جس کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ ان کے قائم مقام ہزاروں کی تعداد میں ہمارے اندر موجود ہیں تو کبھی بھی جماعت کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ فلاں شخص تو فوت ہو گیا۔ اب کیا ہو گا؟''

''دیکھو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ تم نیکی کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اگر ہم قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق یہ اشتیاق رکھتے کہ ہم دوسروں سے آگے بڑھ کر رہیں، اگر ہم میں سے ہر شخص اشتیاق کی روح اپنے اندر قائم رکھتا تو آج ہم میں سے ہر شخص بڑے سے بڑا محدّث ہوتا، بڑے سے بڑا مفسّر قرآن ہوتا، بڑے سے بڑا عالم دین ہوتا اور کسی دل میں یہ احساس تک پیدا نہ ہوتا کہ اب جماعت کا کیا بنے گا؟....... ہمارے لئے یہ خطرہ کی بات نہیں ہے کہ حضرت خلیفہ اول ؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا حضرت مولوی برہان الدینؓ صاحب بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا حافظ روشن علی صاحبؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا حضرت قاضی امیر حسین صاحبؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا حضرت میر محمد اسحٰق صاحب بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے بلکہ ہمارے لئے خطرہ کی بات یہ ہے کہ جماعت کسی وقت بحیثیت جماعت مَر جائے اور ایک عالم کی جگہ دوسرا عالم ہمیں اپنی جماعت میں دکھائی نہ دے۔'' (رپورٹ مجلس مشاورت 1944ء)

علماء کی مضبوط جماعت کی بناء

حضور فرماتے ہیں:

''علماء کا ایک مضبوط گروہ پیدا کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں اس کام کو اپنے ہاتھ میں لوں تا جلد از جلد اسلامی علماء کی ایک مضبوط جماعت قائم ہو سکے جس سے آئندہ علماء کا سلسلہ چلتا رہے۔ پس ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے کہ جن میں سے ہر ایک قرآن وحدیث اور کتب حضرت مسیح موعودؑ کا کامل عالم

ہو۔ بڑے سے بڑے قاضی، فقیہہ، محدث اور مفسّر ہوں۔‘‘

صرف ونحو کی اہمیت

اب اللہ تعالیٰ نے جو انکشاف مجھ پر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ جب یہ لوگ صرف ونحو کی تعلیم مکمل کر لیں تو ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جاوے۔ بعض کو فقہ کی اعلیٰ تعلیم دلوائی جاوے بعض کو حدیث کی، بعض کو تفسیر کی اعلیٰ تعلیم دلوائی جاوے اور اس طرح تین تین چار چار کو مختلف علوم کی تکمیل کرائی جاوے اور پھر پانچ چھ ماہ، سال کے بعد وہ ایک دوسرے کو اپنے اپنے حاصل کردہ علوم کی تکمیل کرا دیں اور جو جو علم کسی نے سیکھا ہو وہ دوسروں کو سکھا دیں۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک دوسرے کا شاگرد اور استاد بن جائے اور سب کے سب مختلف علوم میں کمال حاصل کر سکیں۔‘‘ (مطالبات تحریک جدید صفحہ 80-81)

نوجوانانِ احمدیت کا شاندار اخلاص

حضور خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی اس تحریک پر نوجوانان احمدیت خدمت دین کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھے اور اپنی زندگیاں وقف کیں جس کے نتیجہ میں نئے علماء کی ایک کثیر تعداد پیدا ہوگئی اور سلسلہ میں پیدا شدہ خلاء کو پُر کرنے میں بھاری مدد ملی اس وقت اخلاص ومحبت کا یہ ایسا شاندار نظارہ تھا کہ اس نے غیر مسلموں تک کو متاثر کیا۔ چنانچہ اخبار "پرکاش" (جالندھر) نے لکھا:

’’آپ احمدیت، تحریک قادیان کی طرف دھیان دیں اور آنکھیں کھولیں۔ قادیان میں بڑے سے بڑے احمدی نے اپنے لخت جگروں کو احمدیت کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا ہے اور اس پیشہ کو بڑی آدرُ کی دِرِشٹی سے دیکھا جاتا ہے۔ تحریک دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے کیونکہ ان کے لیڈر عالم باعمل ہیں اور سپرٹ مخلصانہ ہے‘‘ (بحوالہ الفضل 10 رمئی 1947ء)

اذا خلا منا سیّدٌ قام سیدُ

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ؓ کی وفات پر اور آپ جیسے دوسرے جید عالم دین کبار صحابہ کی وفات

پر سیدنا حضرت مصلح موعود کو جماعتی کاموں میں رخنے کی جو تشویش لاحق ہوئی وہ خدا تعالیٰ کے فضل اور آپ کی احسن تدابیر سے بہت جلد رفع ہوگئی۔ چنانچہ آپؓ فرماتے ہیں:۔

''ہماری جماعت میں لوگ بیمار بھی ہوتے ہیں اور مر بھی جاتے ہیں مگر کیا کبھی بھی ہمارے کاموں میں رخنہ پڑا......جب......میر محمد اسحٰق صاحبؓ کو انتظامی امور میں زیادہ مصروف رہنا پڑا اور ان کی صحت بھی خراب ہوگئی اور ادھر حافظ روشن علی صاحب بھی وفات پا گئے تو کیا اس وقت بھی کوئی رخنہ پڑا؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی جلال الدین شمس صاحب کو کھڑا کر دیا اور جماعت نے محسوس کیا کہ یہ پہلوں کے علمی لحاظ سے قائم مقام ہیں۔'' (الفضل 19 نومبر 1940)

آپؓ نے ان بزرگان جماعت کو خالد کے لقب سے بھی نوازا فرماتے ہیں:

''حضرت خلیفہ اولؓ کی خلافت کے خلاف جب حملے ہوئے تو حضرت خلیفہ اولؓ نے فرمایا تھا کہ مغرور مت ہو میرے پاس خالد ہیں جو تمہارا سر توڑ دیں گے مگر اس وقت سوائے میرے کوئی خالد نہ تھا۔ صرف میں ایک شخص تھا......جس نے آپ کی طرف سے دفاع کیا پیغامیوں کا مقابلہ کیا......یہ نہ سمجھو کہ اب وہ خالد نہیں ہیں۔ اب ہماری جماعت میں اس سے زیادہ خالد موجود ہیں۔ چنانچہ شمس صاحب ہیں مولوی ابوالعطاء ہیں۔ عبدالرحمن صاحب خادم ہیں یہ لوگ ایسے ہیں کہ دشمن کا منہ توڑ جواب دے سکتے ہیں اور دیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ ان کی قلم میں اور ان کے کلام میں زیادہ سے زیادہ برکت دے گا یہاں تک کہ اس بُت خانہ کو جو پیغامیوں نے تیار کیا ہے چکنا چور کر کے رکھ دیں گے۔''
(الفضل 15 مارچ 1957)

حضرت مصلح موعودؓ کی اولوالعزمی

ان خالدین احمدیت اور ان جیسے اور علماء اور خدام کے ہوتے ہوئے بھی حضرت مصلح موعودؓ چاہتے تھے کہ جماعت میں ان جیسے اور لوگ بھی پیدا ہوں اور ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں۔ کیونکہ جس ٹارگٹ کو حاصل کرنا تھا وہ کوئی محدود نہ تھا بلکہ ساری دنیا کو فتح کرنا ہماری منزل ہے۔ اس لئے مسلسل حضورؓ ہمیشہ

جماعت میں بیداری کے لئے وقف زندگی جیسی تحریکات کرتے رہے۔

رضا کارانہ تبلیغ کرنے کی ولولہ انگیز تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یکم مئی 1944ء کو جماعت کے سامنے یہ تحریک فرمائی کہ دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت صرف اس طرح پوری ہوسکتی ہے کہ احمدی بُدھ بھکشوؤں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی طرح قریہ قریہ، بستی بستی میں نکل کھڑے ہوں۔ چنانچہ فرمایا:

''دنیا میں تبلیغ کرنے کے لئے ہمیں ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہے۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مبلغ کہاں سے آئیں اور ان کے اخراجات کون برداشت کرے۔ میں نے بہت سوچا ہے مگر بڑے غور وفکر کے بعد سوائے اس کے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا کہ جب تک وہی طریق اختیار نہیں کیا جائے گا جو پہلے زمانوں میں اختیار کیا گیا تھا اس وقت تک ہم کامیاب نہیں ہوسکتے۔ .... حضرت مسیح علیہ السلام ناصری نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم دنیا میں نکل جاؤ اور تبلیغ کرو۔ جب رات کا وقت آئے تو جس بستی میں تمہیں ٹھہرنا پڑے اس بستی کے رہنے والوں سے کھانا کھاؤ اور پھر آگے چل دو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی حکمت سے یہ بات امت کو سکھائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر بستی پر باہر سے آنے والے کی مہمان نوازی تین دن فرض ہے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر بستی والے کھانا نہ کھلائیں تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا۔ تم زبردستی ان سے لے لو۔ گویا ہمارا حق ہے کہ ہم تین دن ٹھہریں اور بستی والوں کا فرض ہے کہ وہ تین دن کھانا کھلائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کے طریق کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے۔ اگر تم کسی بستی سے تین دن کھانا کھاتے ہو تو یہ بھیک نہیں۔ ہاں اگر تین دن سے زائد ٹھہر کر ان سے کھانا مانگتے ہو تو یہ بھیک ہوگی۔ اگر ہماری جماعت کے دوست بھی اسی طرح کریں کہ وہ گھروں سے تبلیغ کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ ایک ایک گاؤں اور ایک ایک بستی اور ایک ایک شہر میں تین تین دن ٹھہرتے جائیں اور تبلیغ کرتے جائیں۔ اگر کسی گاؤں والے لڑیں تو جیسے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے کہا تھا وہ

اپنے پاؤں سے خاک جھاڑ کر آگے نکل جائیں تو میں سمجھتا ہوں۔تبلیغ کا سوال ایک دن میں حل ہو جائے۔''(تاریخ احمدیت جلد نہم صفحہ 564۔565)

غلبہ اسلام کے لئے چالیس روزہ دعاؤں کا خاص سلسلہ

17 ؍مارچ 1944ء کو مسجد مبارک میں نماز مغرب پڑھانے کے بعد محراب میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ:۔

''ایک تجویز ذہن میں آئی ہے جو بیان کرنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ 40 دن متواتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر جا کر اسلام کے غلبہ کے لئے دعا کی جائے۔بعض خاص وجودوں کے ساتھ دعا کی قبولیت کو خاص تعلق ہوتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔پس جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کرتے ہیں تو وہی دعا ہمارے حق میں قبول ہو جاتی ہے۔اسی طرح اگر ہم وہاں جا کر دعا کریں جہاں وہ شخص مدفون ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے غلبے کے وعدے کئے ہیں اور ہم کہیں کہ اے خدا! یہ شخص ہے جس کے ساتھ تو نے اسلام کے غلبے کے وعدے کئے اور اب تو ان وعدوں کو پورا کر۔تو یہ دعا بہت جلد قبولیت حاصل کر لے گی۔جماعت میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس جگہ پر جا کر دعا کریں تا اللہ تعالیٰ کی غیرت کو بھڑکایا جائے اور تا اسلام کو ایسی فوج میسّر آجائے جو اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈال دے۔''

لاکھ دو لاکھ واقفین سے دنیا فتح ہو سکتی ہے

''اللہ تعالیٰ کے ارادے تو بہت وسیع ہیں مگر مَیں کہتا ہوں کہ جس حد تک میرے ارادے ہیں اگر جماعت میں اتنی تبدیلی پیدا ہو جائے تو موجودہ لاکھ دو لاکھ سے ہی ہم نہ صرف رُوحانی طور پر بلکہ جسمانی طور پر بھی دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔اگرچہ ہمارا مقصد رُوحانی فتح ہے جسمانی نہیں لیکن جہاں تک طاقت کا سوال ہے مَیں سمجھتا ہوں جسمانی فتح کے لئے

بھی ضرورت اخلاص اور عزم کی ہے اس قدر مقدار افراد کی نہیں ہے۔ پس ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ جتنے لوگ ہم کومل چکے ہیں پہلے ہم اُن کے دلوں کو دوبارہ فتح کریں۔ پس جو دوست جا سکتے ہوں وہ عصر کے بعد میرے ساتھ جا کر دعا میں شامل ہو سکتے ہیں اور جو قادیان سے باہر ہیں وہ بہ اُمرِ مجبوری چالیس دن تک اس دعا میں عصر کے بعد اپنی جگہ شامل ہو سکتے ہیں خواہ مسجد میں، خواہ اپنے گھر میں، خواہ دفتروں میں، خواہ بازار یا گذرگاہوں میں۔''

''ام طاہر احمد کے لئے مَیں نے چند دن جانا ہی تھا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی کی وفات ہوجاتی ہے تو کچھ عرصہ کے لئے اس کی روح میں کچھ توحش سا پیدا ہوجاتا ہے۔ پس اس توحش کو دُور کرنے کے لئے اگر میّت کے اعزّہ اور اقرباء قبر پر جا کر دعا کرتے ہیں تو مَیں سمجھتا ہوں اس سے مُردہ کو اس دوسری زندگی میں سہولت میّسر ہوسکتی ہے۔ پس مَیں نے سوچا کہ جب اس غرض سے میں کچھ دن متواتر مقبرہ میں جاؤں گا تو ساتھ ہی یہ دوسرا کام بھی شروع کر دیا جائے اور اسلام اور سلسلہ کی فتوحات کے لئے دُعا کرنے کے لئے چالیس دن مقرر کر لیے جائیں تا خدا تعالیٰ کا فضل بھی نازل ہو اور ہمارے دلوں میں بھی تبدیلی ہو۔

''پچھلے دنوں مجھ پر بہت بوجھ رہا لیکن مجھے خدا تعالیٰ نے توفیق دی کہ مَیں اس بوجھ کو اُٹھا سکوں۔ لیکن اُمِّ طاہر احمد کی وفات کے بعد میری طبیعت ناساز ہوگئی ہے.......پس اگر مَیں باہر ہوں یا بیمار ہوں تو جو مقامی امام ہو یا جس کو میں مقرر کردوں میری جگہ جا کر دعا کرائے۔ جتنے دن میں دعا نہ کرسکوں گا ان کی کمی بعد میں پوری کروں گا۔ اس طرح 40 دن تواتر کے ساتھ ہم دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے ناچیز وجودوں کو اس کی درگاہ کی بھینٹ چڑھا دیں۔ جماعت اللہ ہی سنبھالتا ہے۔ اللہ ہی دلوں کو فتح کرتا ہے لیکن انسان جب اپنی قربانی پیش کر دیتا ہے تو باقی کام اللہ تعالیٰ خود کر دیتا ہے۔''

ہر شخص اسماعیلؑ بن جائے

''پس ضروری ہے کہ جماعت کا ہر فرد اپنی قربانی اس طرح پیش کردے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو پیش کر دیا تھا جس کے نتیجے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وجود پیدا ہوا۔ آج بھی اگر ہم میں سے ہر شخص اسمٰعیلؑ بن جائے تو جلد ہی ناممکن بات ممکن ہو جائے گی۔ دنیا میں آج اس قدر غفلت ہے، اتنی دہریّت ہے، اس قدر مادیت ہے، مذہب سے اس قدر بے اعتنائی ہے کہ ایک منٹ کے لئے بھی کوئی خیال نہیں کرسکتا کہ کوئی زبردست تبدیلی دُنیا میں پیدا ہو جائے گی۔ پس آؤ! ہم اپنی گردنوں کو خدا تعالیٰ کے دروازہ پر جُھکا کر خود اپنے ہاتھوں سے اُن پر چُھری پھیر دیں تاکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت پھر دنیا میں قائم ہو جائے۔''

اسلام کی فتح روحانی کے لئے ان دردمندانہ دُعاؤں کا سلسلہ دوسرے دن 8/مارچ 1944ء سے شروع ہو گیا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس روز نماز عصر کے بعد خدام کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ بہشتی مقبرہ تشریف لے گئے۔ اگلے روز حضور نے دُعا کرنے سے قبل چار دیواری کے دروازہ میں کھڑے ہو کر یہ وضاحت فرمائی کہ:

''ہماری غرض یہاں آکر دعائیں کرنے سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کو دیکھ کر ہمارے اندر رقّت پیدا ہو اور ہم خدا تعالیٰ سے عرض کریں کہ اے خدا! یہ وہ شخص ہے جس نے اسلام کی خاطر اپنی تمام زندگی وقف کر دی۔ یہ وہ شخص ہے جس پر تو نے الہامات نازل کئے کہ اس کے ہاتھوں سے اسلام کا احیاء ہوگا اور دنیا ایک نئے رنگ میں پلٹا کھائے گی۔ اب یہ شخص فوت ہو چکا ہے اور ہمارے سامنے زمین میں دفن ہے۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس کے ساتھ محبت رکھتے اور اس کے غلاموں میں شامل ہیں۔ اس لئے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اس ذمہ داری کو ادا کریں اور ان وعدوں کو جو تو نے کئے پورا کرنے کے لئے اپنی جدوجہد اور کوشش کو

کمال تک پہنچادیں ۔مگر ہم کمزور ہیں ۔ ہمارے اندر کئی قسم کی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں تو آپ اپنے فضل سے ہمارے کمزور کندھوں کو طاقت دے ہمارے ناتوان ہاتھوں کو مضبوط بنا اور ہماری کوششوں میں ایسی برکت پیدا فرما کہ تیرے وعدے پورے ہوں اور تیرادین دُنیا پر غالب آجائے ۔'' (تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ نمبر 627 تا 629)

بیرونی ممالک اور واقفین زندگی

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے وقت آپ کی آسمانی آواز جو قادیان سے باہر نکلی اور پنجاب سے ہوتی ہوئی سارے ہندوستان میں پھیل گئی ۔ پھر سرحدوں کو عبور کرتی ہوئی افغانستان اور عرب کے ممالک تک پہنچی ۔ دوسری طرف افریقہ اور امریکہ میں اس کا شہرہ ہوا۔اس کے بعد خلافت اولیٰ میں واقفین کو باقاعدہ بیرونی ممالک میں بھجوانے کا آغاز ہوا۔مگر خلافت ثانیہ میں وقف زندگی کی زبردست تحریکات کے تحت واقفین کی ایک فوج تیار ہونے لگی ۔جس کی کمان وہ سپہ سالار کررہا تھا جس کے بارے میں الہاماً بتایا گیا تھا۔

"كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ"

اور جوق در جوق واقفین زندگی مشرق،مغرب،شمال،جنوب دنیا کے چاروں طرف پھیلنے لگے اور پھیلتے چلے گئے ۔جس قدر قدوسیوں کا یہ لشکر علاقے روحانی طور پر فتح کرتا چلا گیا اسی قدر اور زمین مفتوح ہونے کے لئے تیار نظر آنے لگی ۔جس کے لئے مزید واقفین کی ضرورت پیش آئی ۔ چنانچہ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

غیر ممالک میں تبلیغ اسلام

حضور نے فرمایا:

''جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے اب کثرت سے ہمارے نوجوان غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے جارہے ہیں ۔جب میں نے شروع میں وقف زندگی کی تحریک کی تھی تو اس وقت چار پانچ سو آدمیوں نے اپنے نام پیش کئے تھے لیکن سب کے سب ایسے نہیں ہوتے کہ ان سے بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کا کام لیا جاسکے ...... پھر بعض واقف زندگی ایسے ہیں کہ ان میں وقف کی اہلیت

ہی نہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسے نہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داری ہم پر ڈالی ہے کہ ہم عقل سے کام لیں اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں وقف کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی قابلیت نہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جنہوں نے جوش میں آکر اپنے آپ کو وقف کردیا لیکن درحقیقت ان میں قربانی کا مادہ نہیں ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ان پر کوئی مصیبت آئے گی تو ان کا قدم پھسل جائے گا اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور گنہگار بنیں گے ۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی تعلیمی حالت اچھی نہیں اور ہمیں عموماً تعلیم یافتہ لوگوں کی ضرورت پیش آتی ہے ۔ گو کبھی کبھار ان پڑھ لوگوں کے لئے بھی موقعہ نکل آتا ہے لیکن فی الحال تحریک جدید کے کام ایسے ہیں جن میں اکثر پڑھے لکھے آدمیوں کی ضرورت ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کی عمر ابھی چھوٹی ہے اور وہ پرائمری یا مڈل میں پڑھ رہے ہیں اور ہمیں ضرورت ہے مولوی فاضل یا گریجوایٹوں کی اس لحاظ سے فی الحال ہمارے کام نہیں آسکتے ۔ ان سب قسموں کے آدمیوں کو نکال کر ہمارے پاس کل سوڈیڑھ سو آدمی ایسے ہیں جو ہمارے کام آسکتے ہیں ۔ ان میں سے سو کے قریب تو کام پر لگ چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں وہ بھی عنقریب کام پر لگ جائیں گے ۔ چونکہ پہلے ہمارے پاس کافی لوگوں کے نام جمع ہو گئے تھے اس لئے میں نے وقف کرنے کی تحریک چھوڑ دی تھی ۔ میں سمجھتا تھا کہ ان کے کام پر لگنے تک ہمارے اور طالب علم ان کی جگہ آجائیں گے لیکن پچھلے سال جتنے آدمی ہمارے باہر گئے ہیں اور دوسرے کاموں پر لگے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ جو آدمی ہمارے پاس ہیں وہ بھی بہت جلد ختم ہو جائیں گے ۔ اس لئے مجھے یہ ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ میں پھر وقف زندگی کی تحریک جماعت کے سامنے پیش کروں ۔ ‘‘

جنگ سے واپس آنے والے نوجوانوں کو وقفِ زندگی کی تحریک

’’میں نے جنگ سے واپس آنے والے نوجوانوں کو یہ تحریک کی تھی کہ وہ اپنی زندگیاں وقف کریں اور کوئی وقف نمبر ایک میں آجائے اور کوئی وقف نمبر ۲ دو میں آجائے ۔ پہلے انہوں نے انگریزوں کے مفاد کے لئے یا اپنی قوم اور ملک کے مفاد کے لئے اپنی جان پیش کی تھی ۔ اب کیا وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اور اسلام کی خاطر اپنی

جانیں پیش نہیں کر سکتے۔ یہ قربانی تو اس قربانی سے زیادہ شاندار ہے۔ اس طرح ان کا دین بھی اچھا ہو جائے گا اور دنیا بھی اچھی ہو جائے گی۔ جب وہ دین کی خدمت کریں گے تو خود بخود ان کی دینی حالت اچھی ہو جائے گی اور دنیا اس طرح اچھی ہو جائے گی کہ انہیں جماعت کی طرف سے بھی گذارہ ملتا رہے گا اور وہ قسم قسم کے تفکرات سے نجات حاصل کر کے یک سوئی کے ساتھ خدمت کرتے رہیں گے۔ میری اس تحریک پر ایک کافی تعداد ایسے لوگوں کی نکلی ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں اور ہمیں یہ تجربہ ہوا ہے کہ فوجی لوگ عام لوگوں کی نسبت زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ ان کو مختلف علاقوں میں جانے کا موقعہ ملتا ہے اور اس لحاظ سے ان کا علم بھی دوسرے لوگوں سے زیادہ وسیع ہوتا ہے اور وہ طاقت اور ہمت کے کام سے گھبراتے نہیں کیونکہ جو شخص سپاہی بھرتی ہوتا ہے اس کو یہ علم ہوتا ہے کہ میں نے جان دینی ہے اور یہ بات ہر وقت اس کے مدنظر رہتی ہے کہ آج نہیں تو کل اس کی باری آ جائے گی۔ یہ خیال ان کی ہمت اور حوصلہ کو بڑھا دیتا ہے اور ان کو نڈر اور دلیر بنا دیتا ہے۔ پھر غیر ممالک کے طرزِ تمدن سے وہ واقف ہو جاتے ہیں۔ کسی نے برما دیکھا ہوتا ہے، کسی نے ملایا دیکھا ہوتا ہے، کسی نے جاپان دیکھا ہوتا ہے، کسی نے چین دیکھا ہوتا ہے، کسی نے انڈونیشیا دیکھا ہوتا ہے، کسی نے آسٹریلیا دیکھا ہوتا ہے، کسی نے یورپ کے بعض حصّے دیکھے ہوتے ہیں، کسی نے اٹلی اور یونان دیکھا ہوتا ہے، کسی نے شمالی افریقہ کے بعض حصّے دیکھے ہوتے ہیں، کسی نے شام، مصر اور فلسطین دیکھا ہوتا ہے، ان کے دیکھنے سے ان کی روح میں تازگی اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور وہ زیادہ سمجھنے اور سوچنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ ہمارے تجربے کے مطابق زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں۔ ابھی ہزاروں ہزار نوجوان باقی ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ ان کو بھی توجہ کرنی چاہئے اور دوسرے دوستوں کو بھی توجہ دلانی چاہئے۔ گو فوج میں اکثر حصّہ اَن پڑھوں کا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کے اکثر نوجوان پڑھے لکھے ہیں۔ ایسے لوگ اگر فارغ ہونے کے بعد اپنی زندگی دین کے لئے وقف کر دیں تو بہت مفید وجود ثابت ہو سکتے ہیں۔ بالخصوص تجارت میں یہ لوگ بہت زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ مختلف علاقوں میں رہتے ہیں۔ مختلف لوگوں سے ان کو واسطہ پڑتا ہے۔ مختلف قسم کی زبانیں سیکھ جاتے ہیں۔ مختلف قسم کے

لباس پہننے اور دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے، مختلف قسم کے لوگوں سے سودا خریدنے کا موقعہ ملتا ہے، مختلف شکلوں سے آشنائی ہوتی ہے اور انہیں اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس قسم کی شکل کا آدمی خوش اخلاق ہوتا ہے اور اس قسم کی شکل کا آدمی بد اخلاق ہوتا ہے لیکن ایک گاؤں میں رہنے والا آدمی ایک ہی تہذیب کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے۔ ایک جیسے دکانداروں سے سودا خریدتا ہے اور ایک قسم کا لباس دیکھتا ہے اور ایک قسم کی زبان روزانہ سنتا اور بولتا ہے اس لئے اس کا تجربہ زیادہ وسیع نہیں ہوتا لیکن ایک تاجر کو مختلف قسم کی زبانیں بولنی پڑتی ہیں اور چھاؤنیوں میں تو خصوصاً دکانداروں کی زبان عجیب قسم کی ہو جاتی ہے۔''

دوکاندار کا لطیفہ

''لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی گورا نیا نیا ہندوستان آیا۔ اُس کو کسی نے بتا دیا کہ دوکاندار جو قیمت بتاتے ہیں اس سے کچھ کم کر کے بھی لے لیتے ہیں اس لئے دوکاندار کو قیمت کم کرنے کے لئے ضرور کہنا چاہئے۔ چنانچہ وہ گورا کوئی چیز خریدنے کے لئے دوکان پر گیا اور دوکاندار سے وہ چیز لے کر اس سے قیمت پوچھی۔ دوکاندار نے اس کی قیمت ایک روپیہ بتائی۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ اچھا دو آنے لے لو۔ اس طرح آہستہ آہستہ دو دو آنے بڑھانے شروع کئے۔ دوکاندار کو غصّہ آیا وہ اس گورے کو کہنے لگا صاحب! ٹیکنی ہے تو ٹیک۔ نہیں تو اپنا رستہ ٹیک۔ یعنی صاحب اگر آپ نے لینی ہے تو لے لیں، نہیں تو اپنا راستہ پکڑیں۔ گویا اس نے (Take) ٹیک انگریزی اور باقی پنجابی ملا کر اپنا مفہوم ادا کر لیا۔ تو فوجیوں کو یہ عادت ہو جاتی ہے کہ زبان آتی ہو نہ آتی ہو وہ مختلف زبانیں ملا کر بھی اپنا مقصد پورا کر لیتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم صحیح زبان بول رہے ہیں یا غلط بول رہے ہیں۔ پس ایسے لوگ اگر سلسلہ کی خدمت کے لئے آگے آ جائیں تو مفید کام کر سکتے ہیں۔ جو لوگ اس وقت تک ہم نے کام پر لگائے ہیں وہ کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ گو ابھی ان کی کامیابی ایسی نہیں کہ جماعت کو نظر آ سکے لیکن کہتے ہیں ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کچھ دیر کے بعد ان کی کامیابی جماعت کے سامنے آ جائے گی۔ اسی طرح ہمیں مولوی فاضلوں کی بھی ضرورت ہے اور گو ان کا

کثیر حصّہ ہمارے پاس آچکا ہے لیکن ہر بار جب تحریک کی جاتی ہے تو کچھ نہ کچھ لوگ نکل ہی آتے ہیں۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پہلی دفعہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک ہمارے لئے نہیں دوسروں کے لئے ہے۔ پھر جب دوسری تیسری دفعہ تحریک ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ہم پر بھی یہ فرض ہے کہ ہم اس میں حصّہ لیں۔ اس طرح امید ہے کہ کچھ اور آدمی بھی ہمیں مل جائیں گے۔ لیکن ہماری ضروریات ان سے پوری نہیں ہوسکتیں۔ ہمیں تو ضرورت ہے کہ ساٹھ ستر یا سو آدمی ہر وقت ہمارے پاس تیار رہے۔ تا کہ ہم فوری ضرورتیں اس سے پوری کرتے چلے جائیں۔''

وقفِ زندگی کی عام تحریک

''ان حالات کو دیکھتے ہوئے آج پھر میں وقفِ زندگی کی عام تحریک کرتا ہوں۔ باہر سے کچھ دوست مہمان آئے ہوئے ہیں وہ بھی اس تحریک کو اپنے ہاں جا کر بیان کریں اور الفضل میں بھی یہ تقریر چھپ جائے گی۔ جو لوگ پہلے اپنے آپ کو پیش نہیں کر سکے وہ اب آگے آئیں اور اسلام کی ضرورت کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے بچی کھچی چیز سے ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ جو کام ہم نے کرنا ہے اس کے لئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی بھی تھوڑے ہیں اور ہمیں اسلام کی اشاعت کے لئے انہیں اسی طرح قربان کرنا پڑے گا جس طرح دانے بھوننے والا بھڑ بھونجا اپنی بھٹی میں پتے ڈالتا ہے۔ جہاں آج کل محاسب کا دفتر ہے یہاں پہلے ایک بھڑ بھونجے کی بھٹی ہوتی تھی۔ کبھی وہ خود دانے بھونتا تھا اور کبھی اس کی عورت دانے بھونتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ بھڑ بھونجا یا بھڑ بھونجن دن بھر پتے جمع کرتے رہتے تھے اور پتوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر تیار کر لیتے تھے اور پھر نہایت بے تکلفی سے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بھٹی میں پتے ڈالتے جاتے تھے۔ میں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو میں نے سمجھا کہ اس مثال سے کہ جس طرح تنور میں ایندھن ڈالا جاتا ہے یہ مثال زیادہ اچھی ہے کہ جس طرح بھڑ بھونجا اپنی بھٹی میں پتے ڈالتا ہے۔ چونکہ پتوں کی گرمی کم ہوتی ہے اور جلدی جل جاتے ہیں اس لئے بار بار ان کے ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ پس جس طرح بھڑ بھونجا اپنی بھٹی میں پتے ڈالتا ہے اسی طرح

ہمیں بھی اپنے آدمی دین کی بھٹی میں ڈالنے ہوں گے تب کہیں اسلام کامیاب ہوگا۔‘‘

شاہ جہاں کی مثال

’’شاہجہان کی بیوی نے مرنے سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا جو اس نے شاہجہان کو سنا دیا اور اس سے وعدہ لیا کہ مجھے ایسی جگہ دفن کرنا جو اس خواب کے مطابق ہو۔ چنانچہ اس کی وفات پر بادشاہ نے انجینئروں کو بلایا اور سارا نقشہ ان کے سامنے بیان کیا۔ انجینئروں نے کہا کہ ہم ایسی عمارت نہیں بنا سکتے اور نہ ہی ایسی عمارت دنیا میں بن سکتی ہے بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا۔ آخر ایران سے ایک نیا انجینئر آیا بادشاہ نے اس سے ذکر کیا کہ میں اس قسم کی عمارت بنوانا چاہتا ہوں۔ بن سکتی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں بن سکتی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تمام انجینئروں نے جواب دے دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ایسی عمارت نہیں بن سکتی۔ اس نے کہا وہ بھی درست کہتے ہیں اور میں بھی درست کہتا ہوں۔ آپ مجھے کچھ دیر سوچنے کا موقعہ دیں اور مجھے اس جگہ لے چلیں جہاں آپ یہ عمارت بنوانا چاہتے ہیں۔ میں وہ جگہ دیکھ کر فیصلہ کر سکوں گا۔ عمارت بن سکے گی یا نہیں۔ بادشاہ نے اسے بتایا کہ میں دریا کے دوسرے کنارے فلاں جگہ عمارت بنوانا چاہتا ہوں۔ اس نے بادشاہ کو کہا کہ میں آپ کے ساتھ اس جگہ چلوں گا۔ آپ کشتی میں دو لاکھ روپے کی ہزار ہزار کی تھیلیاں بھی رکھ لیں چنانچہ بادشاہ نے کشتی میں روپے رکھنے کا حکم دیا اور بادشاہ اور وہ انجینئر اور خدام وغیرہ اس کشتی میں بیٹھ کر دوسرے کنارے کی طرف چل پڑے۔ ابھی کشتی تھوڑی دور ہی تھی کہ انجینئر نے ہزار روپے کی ایک تھیلی اٹھائی اور دریا میں پھینک دی۔ اور کہا بادشاہ سلامت اس طرح روپیہ خرچ ہوگا۔ بادشاہ نے کہا کچھ پرواہ نہیں پھر چند گز اور کشتی آگے چلی تو اس نے ایک اور تھیلی اٹھائی اور دریا میں پھینک دی اور کہا بادشاہ سلامت اس طرح روپیہ خرچ ہوگا۔ بادشاہ نے کہا کچھ پرواہ نہیں۔ چند قدم اور کشتی آگے گئی تو اس نے تیسری تھیلی اٹھائی اور دریا میں پھینک دی اور کہا۔ بادشاہ سلامت عمارت بن تو جائے گی لیکن شاید آپ میری بات کو نہیں سمجھے۔ اس طرح روپیہ خرچ ہوگا۔ بادشاہ نے کہا کوئی بات نہیں۔ پھر چند قدم اور کشتی آگے چلی تو اس نے چوتھی تھیلی اٹھائی اور دریا میں پھینک دی اور کہا باشاہ سلامت شاید میں اپنی

بات کو پوری طرح واضح نہیں کر سکا۔ عمارت تو بن جائے گی لیکن اس طرح روپیہ خرچ ہوگا۔ بادشاہ نے کہا کوئی بات نہیں۔ اس طرح ہر دفعہ چند قدم کے بعد وہ انجینئر ایک تھیلی دریا میں پھینک دیتا اور کہتا کہ بادشاہ سلامت! اس طرح روپیہ خرچ ہوگا۔ یہاں تک کہ اس نے دو لاکھ روپیہ دریا میں پھینک دیا۔ لیکن بادشاہ کے چہرے پر ذرا بھی ملال کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے کہا۔ بادشاہ سلامت! اب عمارت ضرور بن جائے گی۔ بادشاہ نے کہا کہ تم تو سمجھ گئے ہو لیکن دوسرے کیوں نہیں سمجھتے۔ اس نے کہا۔ بادشاہ سلامت! بات دراصل یہ ہے کہ جس قسم کا آپ نقشہ بتاتے ہیں اس کے لئے کروڑوں روپے کی ضرورت ہے اور انجینئروں نے ایک حد تک اندازہ لگایا کہ بادشاہ اتنا روپیہ دے سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں اور اگر اس میں وہ عمارت تیار نہ ہو سکی تو ہمیں بجائے عزت کے ذلت نصیب ہوگی لیکن میں نے آپ کا حوصلہ آزما لیا ہے اور میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھے جس قدر روپے کی ضرورت ہوگی آپ بلا دریغ خرچ کرتے چلے جائیں گے اس لئے مجھے اس عمارت کے بنانے کا حوصلہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس انجینئر نے بادشاہ کے منشاء کے مطابق عمارت بنا کر دکھادی۔''

ہم نے نئی دنیا اور نیا آسمان بنانا ہے

''درحقیقت تاج محل بنانے میں بادشاہ کو جتنی قربانی کرنی پڑی تھی وہ ہماری قربانی کا کروڑواں حصّہ بھی نہیں۔ کُجا ایک طرف تاج محل کا بنانا اور کُجا روحانی لحاظ سے ایک نئی دنیا اور نیا آسمان بنانا۔ نئی دنیا اور نئے آسمان کے بنانے کے لئے تو ہمیں کروڑوں گُنے زیادہ قربانی کی ضرورت ہے۔ ہم نے ایسی عمارت بنانی ہے جو دنیا کے ذہنوں اور دنیا کے خیالات کو بدل ڈالے۔ ہم نے ایسی عمارت تیار کرنی ہے جو دنیا کی تہذیب اور دنیا کے تمدن کو بدل ڈالے۔ ہم نے ایسی عمارت بنانی ہے جو دنیا کے خیالات اور جذبات کو بدل ڈالے کیا ایسی عمارت بغیر عظیم الشان قربانیوں کے تیار ہو سکتی ہے؟''

ابتداء کی قربانیاں اور ان کا اجر

''ابتداء میں ایک لمبے عرصہ تک قربانیوں کا بظاہر کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ میری قربانیاں رائیگاں گئیں لیکن درحقیقت وہ بے کار نہیں ہوتیں بلکہ باکار ہوتی ہیں اور کچھ عرصے کے بعد وہی قربانیاں بار آور ہو جاتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے مکّہ میں برابر تیرہ سال تک تبلیغ کی لیکن بہت تھوڑے لوگ آپؐ پر ایمان لائے۔ گویا ایک لمبے عرصہ تک آپ کی قربانیاں بے کار نظر آتی رہیں کیونکہ تیرہ سال کے عرصہ میں کل اسّی آدمی مسلمان ہوئے۔ گویا چھ سات آدمی فی سال۔ بعض روایات میں دو تین سو کے درمیان بھی ان کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ بہر حال تیرہ سال میں دو تین سو آدمی مسلمان ہونا بھی کوئی زیادہ اُمید افزا چیز نظر نہیں آتی۔ اگر بارہ سال میں تین سو آدمی سمجھے جائیں تو اس لحاظ سے مزید بارہ سالوں میں تین سو آدمی اور مسلمان ہو سکتے تھے لیکن ہجرت کے بعد جس طرح اسلام نے ترقی کی وہ امید سے لاکھوں گنا بڑھ کر ہے۔ جونہی مدینہ والوں نے ہجرت کی دعوت دی لوگوں نے بے تحاشا اسلام قبول کرنا شروع کر دیا اور وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔ تاریخوں سے پتہ لگتا ہے کہ صبح کے وقت محلوں کے محلے خالی نظر آتے تھے۔ لوگ راتوں رات کُوچ کر کے نکل جاتے تھے۔ غرض بظاہر پہلے بارہ سال بے کار نظر آتے تھے لیکن وہ بے کار نہیں تھے بلکہ انہی سالوں کے نتیجہ میں مکّہ کے لوگوں کے دلوں میں اسلام نے گھر کیا اور ہجرت کا راستہ کھلنے پر وہ یکدم مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔ یوں تو اسلام کی سچائی ان پر پہلے ہی ظاہر ہو چکی تھی لیکن وہ ڈر کے مارے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ جب ہجرت کا رستہ کھل گیا تو وہ نڈر ہو گئے اور انہوں نے سرعت کے ساتھ اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ ابتدائی حالت میں بعض چیزوں کی قربانی بے کار نظر آتی ہے لیکن بعد میں اس کے نتائج ظاہر ہونے پر انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قربانی بے کار نہیں گئی۔''

مونگوں کی مثال

''دنیا میں اس وقت بعض جزائر ہیں جو کہ مونگے کے جزائر کہلاتے ہیں۔ مونگا سمندروں میں ایک کیڑا ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو سبق دینے کے لئے یہ مادہ پیدا کیا ہے کہ

مونگوں کے جھول کے جھول آتے ہیں اور وہ پانی کی تہہ میں گر کر جان دے دیتے ہیں۔ پھر کچھ اور جھول آتے ہیں اور وہ بھی اس جگہ جہاں پہلے مونگوں نے جان دی تھی گر کر جان دے دیتے ہیں۔ ساٹھ یا ستر یا سو سال تک وہ اسی طرح مرتے چلے جاتے ہیں اور ان پر مٹی کی تہیں چڑھتی چلی جاتی ہیں۔ آخر امتداد زمانہ کی وجہ سے وہ مونگے پتھروں وغیرہ کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور وہاں ایک جزیرہ بن جاتا ہے۔ اگر مونگے بھی دماغ رکھتے۔ اگر مونگوں میں بھی عقل ہوتی اگر مونگے بھی سوچ سکتے، اگر مونگے بھی قلم سے لکھ سکتے تو ممکن ہے بعض مونگے اپنی قوم کے افراد کو سخت بے وقوف اور احمق گردانتے کہ بغیر فائدے کے وہ جانیں دیتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن بعد میں جوان کے پوتے، پڑپوتے یا ان کے پڑپوتوں کے پڑپوتے آتے وہ کہتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کتنے بے وقوف تھے کہ وہ اپنی قوم کی قربانیوں کو بے کار سمجھتے تھے۔ ہماری قوم کی قربانیاں بے کار نہیں تھیں بلکہ ان سے نئے نئے ملک آباد ہو رہے تھے اور ہمیں ایک مستقل پوزیشن حاصل ہو رہی تھی۔ پس کوئی قربانی بھی بے کار نہیں ہوتی۔ گو ابتداء میں بے کار ہی نظر آئے لیکن بعد میں اس کے عظیم الشان نتائج ضرور ظاہر ہوتے ہیں بلکہ درحقیقت قربانی کے بغیر کوئی تغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔''

وقف زندگی اور مالی قربانی کا موازنہ

ہماری جماعت میں سے ہی جب بعض نوجوان اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں تو ان کے والدین اور بعض کی بیویاں کہتی ہیں کہ کیا اچھا ہوتا کہ اگر زندگی وقف کرنے کی بجائے یہ لوگ کوئی اور کام کرتے اور روپیہ سے جماعت کی مدد کرتے رہتے۔ گویا ان کے نزدیک قربانی صرف چند پیسے دے دینے کا نام ہے حالانکہ پیسہ تو باقی سامانوں اور سفر کے اخراجات وغیرہ کے لئے اور لٹریچر کی اشاعت کے لئے ہوتا ہے۔ جہاں تک کام کے ذرائع کا سوال ہے، انسان بغیر پیسے کے بھی کام چلا لیتا ہے اور پیدل چل کر بھی دنیا کا سفر کر سکتا ہے۔ اگر کسی نے انگلستان جانا ہو تو وہ خشکی کے رستے فرانس تک پہنچ سکتا ہے اور فرانس سے انگلستان جانے کے لئے درمیان میں بیس میل کی کھاڑی ہے وہ کسی نہ کسی طرح عبور کی جا سکتی ہے۔ اگر جہاز پر بھی سفر کیا جائے تو کل دو تین روپے لگیں گے جو ایک دن کی

محنت مزدوری سے انسان کما لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہندوستان سے پیدل فرانس پہنچنا چاہے تو اس کے لئے خشکی کا رستہ موجود ہے۔ یہاں سے بلوچستان۔ بلوچستان سے ایران، ایران سے عراق، عراق سے ٹرکی، ٹرکی سے یونان، یونان سے یوگوسلاویہ، یوگوسلاویہ سے آسٹریا، آسٹریا سے سوئٹزرلینڈ اور سوئٹزرلینڈ سے فرانس یہ تمام رستہ خشکی کا ہے۔ ہم تو جلدی پہنچنے اور جلدی پہنچ کر کام شروع کرنے کے لئے مبلغین کو جہازوں پر بھیجتے ہیں ورنہ اگر کسی وقت خدانخواستہ ہمارے پاس روپیہ نہ رہے تو ہم اپنے مبلغین سے کہہ دیں گے کہ وہ پیدل سفر کریں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے چلے جائیں۔ غرض مقدم انسان ہے، روپیہ مقدم نہیں۔ روپیہ نہ ہو لیکن آدمی ہوں تو کام چل سکتا ہے لیکن آدمی نہ ہوں اور روپیہ ہو تو کام نہیں چل سکتا کیونکہ آدمی روپے کے قائمقام ہو سکتے ہیں، روپیہ آدمیوں کا قائمقام نہیں ہوسکتا اور پھر قربانیوں میں سے اصل قربانی وہ ہوتی ہے جو ابتدائی ایام میں کی جاتی ہے۔ جب دین کو شوکت حاصل ہو جاتی ہے اس وقت کی قربانی انسان کو کوئی خاص مقام نہیں دیتی۔ قربانی وہی ہوتی ہے جب ناامیدی کے بادل سر پر منڈلا رہے ہوتے ہیں۔ جب تمام دنیا یہ کہتی ہے کہ یہ کام نہیں ہوسکتا لیکن انسان صرف خدا تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے قربانی کرتا چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا خدا کہتا ہے کہ یہ کام ہو کر رہے گا۔ دنیا بے شک اس بات کو نہ مانے مگر مجھے یقین ہے کہ یہ کام ہو کر رہے گا۔ لیکن جب حالات سازگار ہو جائیں اور دنیا بھی یہ کہنا شروع کر دے کہ اب تو واقعہ میں یہ لوگ کامیاب ہو گئے ہیں، اس وقت جو شخص قربانی کرتا ہے وہ بندوں کی زبان پر یقین کرتے ہوئے کرتا ہے۔ اگر اسے اللہ تعالیٰ کی باتوں پر یقین ہوتا تو وہ پہلے کیوں قربانی نہ کرتا۔ پس اصل قربانی وہی ہوتی ہے جو ابتدائی ایام میں کی جائے جبکہ حالات مخالف ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو سچا سمجھتے ہوئے انسان اپنا قدم آگے بڑھاتا چلا جائے اور یہ مقام ابتدائی لوگوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔‘‘

(فرمودہ 13 رفروری 1947ء مطبوعہ الفضل 30 رجون 1961ء)

جماعت کی ترقی کا مدار وقف پر ہے

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

’’میں دوسرے نوجوانوں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ احمدیت کی ترقی بغیر قربانی اور بغیر وقف کے نہیں ہوسکتی۔ انہیں بھی اس چیز کا احساس ہونا چاہئے۔ سینکڑوں ہیں جنہوں نے

اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے وقف کیا مگر سینکڑوں انتظار کرنے والے بھی آگے آئیں تا
ان کے نام خدا تعالیٰ کے رجسٹر میں لکھے جائیں۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30/دسمبر 1949ءمطبوعہ الفضل 12/فروری 1950ء)

بار بار وقف زندگی کی تحریک کرنے میں حکمت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''دوستوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری جماعت کی ترقی کا مدار وقف پر ہے لیکن ایسا وقف جو کہ کسی وقت اور کسی حالت میں پیٹھ دکھانے کو تیار نہ ہو اور ہر احمدی کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کی زندگی اُس کا مال اُس کے اوقات سب کے سب اسلام اور احمدیت کے لئے وقف ہیں۔ آخر مَیں نے وقف کی تحریک علیحدہ طور پر کیوں جاری کی۔ یہ مطالبہ کسی نئی تحریک کی علامت نہ تھا بلکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ مَیں جماعت کی قربانی پر حُسن ظنّی نہیں رکھتا ورنہ بیعت کے بعد وقف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار وقف کی تحریک کیا کرتے تھے بلکہ آپؐ نے بیعت کو ہی کافی سمجھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے بیعت کے وقت صحابہؓ کے چہروں سے نور ایمان دیکھ لیا اس لئے آپ کو کسی نئے عہد کی ضرورت پیش نہ آئی................ میں نے سمجھا کہ میں تم کو یکدم قربانیوں کے لئے بلاؤں گا تو تم میں سے کئی مرتد ہو کر بھاگ جائیں گے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تم کو آہستہ آہستہ قربانی کی عادت ڈالوں اور اس عادت کے پیدا کرنے کے لئے میں نے بعض کو تم میں سے چنا کہ وہ دوسروں کے لئے مثال بنیں۔''

(الفضل مورخہ 21/1946ء)

وقف کی استطاعت رکھتے ہوئے وقف نہ کرنے والے کو تنبیہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جب اسلام کو سپاہیوں کی ضرورت ہو تو

جو شخص طاقت اور اہلیت رکھنے کے باوجود آگے نہیں آتا، وہ گنہگار ہے۔ اس لئے جو نوجوان اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہوں اور اس ذمہ واری کو نباہ سکتے ہوں وہ پیش کریں۔ ایسے نوجوانوں کے لئے خدمت دین اور ثواب حاصل کرنے کا یہ نادر موقع ہے۔ ایسا موقع کہ جو شاید آئندہ نہ مل سکے۔ انبیاء کے قریب کے زمانہ میں ایسے مواقع مل سکتے ہیں۔ مگر جب ترقیات حاصل ہو جائیں تو پھر ایسے مواقع نہیں مل سکتے۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم/اکتوبر 1943ء مطبوعہ الفضل 19/اکتوبر 1943ء)

وقفِ زندگی کی پُرجوش تحریک

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو اپنے دوسرے سفر یورپ کے دوران یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ مغربی دنیا نہایت تیزی سے اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہے اور آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ وقت آ گیا ہے کہ وقف زندگی کی تحریک کو پہلے سے زیادہ منظم، مؤثر اور دائمی شکل دی جائے کیونکہ جب تک جماعت احمدیہ میں دین کی خدمت کرنے والے مسلسل اور متواتر پیدا نہ ہوں گے غلبۂ اسلام کے اہم مقصد کی تکمیل ہرگز ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے سفر یورپ سے واپسی کے بعد کراچی اور ربوہ میں جو ابتدائی خطبات ارشاد فرمائے ان میں بار بار وقف زندگی کی پر جوش تحریک فرمائی چنانچہ 16/ستمبر 1955ء کے خطبہ میں فرمایا:

''جب تک جماعت میں وقف کی تحریک مضبوط نہ ہو اس وقت تک ساری دنیا میں اسلام کو غالب کرنا ناممکن ہے۔ اس کے لئے اوّل تو جماعت کے ہر فرد کے دل میں یہ احساس پیدا ہونا چاہئے کہ میں نے ایک سے دو بننا ہے۔ دو سے چار بننا ہے۔ چار سے آٹھ بننا ہے، آٹھ سے سولہ بننا ہے، سولہ سے بتیس بننا ہے، بتیس سے چونسٹھ بننا ہے اور چونسٹھ سے ایک سو اٹھائیس بننا ہے۔ ہماری جماعت آخر لاکھوں کی جماعت ہے۔ اگر ہر دس سال کے اندر ایک ایک شخص کے ذریعہ دو چار احمدی بھی پیدا ہو جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگلے دس سال میں پندرہ بیس لاکھ ہو جائیں گے اور اس سے اگلے دس سال میں اسی لاکھ ہو جائیں گے اور اس سے اگلے دس سال میں ڈیڑھ کروڑ تک ان کی تعداد پہنچ جائے گی۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم

اُمید کر سکتے ہیں کہ یہ ڈیڑھ کروڑ دو ارب تک اسلام کا پیغام پہنچا سکتا ہے۔لیکن اگر یہ نہ ہو اور ہر شخص سمجھ لے کہ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے چندہ دے دیا ہے تو یورپ اور امریکہ کو اسلام کون سمجھائے گا؟ اور اگر سمجھانے والا کوئی نہیں ہوگا تو مانے گا کون .... یورپ کے لوگ اب اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں لیکن بڑی چیز جو ان کے رستہ میں حائل ہے وہ یہی ہے کہ یورپین لوگ ہر چیز کو سیاسی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے بڑے بڑے لوگ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام اگر ہم تک پہنچا ہے تو احمدیوں کے ذریعہ سے لیکن مسلمان جن کی اکثریت ہے وہ احمدیوں کے مخالف ہیں۔ ایسی صورت میں اقلیت کے ساتھ ملنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا ہاں اگر اکثریت کے ساتھ ملیں گے تو مفید کام کر سکیں گے اس قسم کے وساوس کا بھی تبھی ازالہ ہو سکتا ہے جب ہمارے مبلغ اُن تک پہنچیں اور اُن کے شبہات کو دور کریں یہ ظاہر ہے کہ ایک آدھ دفعہ ملنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے متواتر اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا اور کون ہو سکتا ہے مگر آپ نے بھی سالہا سال تبلیغ کی اور پھر آپ کے صحابہؓ نے تبلیغ کی۔ تب جا کر لاکھوں لوگ اسلام میں شامل ہوئے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جب انہوں نے اسلام کی اشاعت کی طرف سے توجہ ہٹالی تو وہی لاکھوں خراب ہو گئے۔ اسی طرح اگر ہمارے نمائندے اور ہمارے قائم مقام ان ممالک میں موجود ہوں اور پھر یہ کام صرف انہیں تک محدود نہ ہو بلکہ ان کی آئندہ نسل بھی اس کام میں مشغول رہے تو سینکڑوں سال تک دُنیا اسلام کے نور سے مستفیض ہوتی رہے گی۔ پس وقف کی تحریک اسلام کی اشاعت کے لئے ایک عظیم الشان تحریک ہے۔ اگر وقف کی تحریک مضبوط ہو جائے اور نسلاً بعد نسلٍ ہماری جماعت کے نوجوان خدمت دین کے لئے آگے بڑھتے رہیں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں سال تک تبلیغ اسلام کا سلسلہ قائم رہ سکتا ہے۔ اس غرض کے لئے میں نے متواتر جماعت پر وقف کی اہمیت کو ظاہر کیا مگر اب میرا ارادہ ہے کہ جماعت سے خاندانی طور پر وقفِ اولاد کا مطالبہ کروں یعنی ہر خاندان کے افراد اپنی طرف سے ایک ایک نوجوان کو خدمت کے لئے پیش کرتے ہوئے عہد کریں کہ ہم ہمیشہ اپنے خاندان میں سے کوئی نہ کوئی فرد دین کی خدمت کے لئے وقف

رکھیں گے اور اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ جب خاندانی وقف کی تحریک مضبوط ہو جائے تو پھر اس کو وسیع کر کے ہم وقف کرنے والوں کو تحریک کر سکیں گے کہ وہ اپنے اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں سے ایک ایک دو دو تین تین چار چار کو وقف کرنے کی کوشش کریں اس طرح یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ممتد ہوتا چلا جائے گا اور قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا اب فصل تیار ہے صرف اس کے کاٹنے والوں کی ضرورت ہے اور یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے کہ مغربی لوگوں میں اسلام کی طرف زبردست میلان پایا جاتا ہے میں تو بیمار تھا اور لمبی بات نہیں کر سکتا تھا مگر میں نے دیکھا ہے کہ جب بھی میں گفتگو کرتا یورپین لوگ فوراً ہتھیار ڈال دیتے تھے اور وہ سمجھ جاتے تھے کہ حقیقت کیا ہے .... بہرحال یہ تحریک ہے جو میں جماعت میں کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر ہم اسلام کی اشاعت میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ آخر اپنے دلوں میں سوچو اور غور کرو کہ اگر وقف کا سلسلہ جاری نہ رہے تو تمہارا یہ دعویٰ کہ اسلام دُنیا پر غالب آ جائے گا کس طرح سچا سمجھا جا سکتا ہے یہ تو ہوگا نہیں کہ ایک دن صبح اُٹھ کر تم تسبیح پر تین دفعہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہو گے اور امریکہ کے پریذیڈنٹ اور کونسل آف سٹیٹ کے سب ممبر مسلمان ہو جائیں گے اور وہ اعلان کر دیں گے کہ ہم عیسائیت کو ترک کرتے ہیں۔ اگر ہم نے واقعہ میں اسلام پھیلانا ہے تو بہرحال ہمیں جدوجہد کرنی پڑے گی۔............ تو حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے جب تک صحیح رنگ میں کوشش نہ ہو اس وقت تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا اگر ہم اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں تو ہم میں سے ہر احمدی کو یہ عہد کر لینا چاہئیے کہ میں اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار یا ساتھی کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گا پھر وہ آگے اپنے ساتھیوں کو اسلام کی خدمت کے لئے تیار کریں اور یہ سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری رہے۔ رفتہ رفتہ اتنے لوگ ہمارے پاس جمع ہو جائیں گے کہ ہم انہیں آسانی کے ساتھ مختلف ممالک میں پھیلا سکیں گے اور ان سے دین کی اشاعت کا کام لے سکیں گے۔ جب یہ لوگ اسلام کی اشاعت کے لئے ہر شخص تک پہنچیں گے تو چونکہ ان کے دل اسلام کی طرف پہلے ہی مائل ہیں اس لئے اسلام کی فتح کا دروازہ کھل جائے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا میں

عزت کے ساتھ قائم ہو جائے گا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ابھی یہ مقام دور نظر آتا ہے لیکن جب رَو پیدا ہوئی تو کامیابی اتنی سُرعت کے ساتھ ہوگی کہ ہمیں خود بھی اس پر حیرت ہوگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ لو تیرہ سال آپ مکہ میں رہے اور تبلیغ کرتے رہے مگر اس تبلیغ کے نتیجہ میں صرف اَسّی آدمی آپ پر ایمان لائے اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے تو تھوڑے عرصہ کے بعد ہی ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے جس طرح بند ٹوٹنے کے بعد سیلاب کا پانی رُک نہیں سکتا اسی طرح جب لوگوں میں ایک رَو چل جائے تو پھر گروہ در گروہ لوگ سچائی کو قبول کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی مخالفت ان کو پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔ آج ہمیں اسلام کی خدمت کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ مگر پھر وہ وقت آئے گا کہ وقف کرنے والے اتنی کثرت سے آئیں گے کہ سوال پیدا ہوگا کہ ان واقفین کو سنبھالے کون جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ مجھے یہ فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا مجھے یہ فکر ہے کہ روپیہ کو سنبھالنے والے کہاں سے آئیں گے اسی طرح مجھے بھی یہ فکر نہیں کہ اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے والے کہاں سے آئیں گے مجھے یہ فکر ہے کہ وقف کرنے والے اس کثرت سے آئیں گے کہ ان کو سنبھالے گا کون...... دل خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں جن دلوں کو وہ آپ صاف کر دے گا وہ دین کی خدمت کے لئے آگے آجائیں گے پھر ان کو دیکھ کر سینکڑوں لوگ پیدا ہو جائیں گے جو اپنے آپ کو وقف کرنے کے لئے پیش کر دیں گے اور ان سینکڑوں سے ہزاروں اور ہزاروں سے لاکھوں پیدا ہو جائیں گے۔ ہم بچے تھے تو ہم کتابوں میں ایک کہانی پڑھا کرتے تھے کہ جب بادل نظر آتا ہے تو قطرے آپس میں جھگڑتے ہیں ایک کہتا ہے کہ میں زمین پر گر کر کیوں جان دوں۔ دوسرا کہتا ہے میں کیوں جان دوں آخر ایک قطرہ بڑھتا ہے اور زمین پر گرتا ہے اس کے بعد دوسرا قطرہ گرتا ہے پھر تیسرا گرتا ہے پھر چوتھا گرتا ہے اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی ہے۔ یہی حال دین کی قربانی کا ہے پہلے قربانی کرنے والے جب قربانی کرتے ہیں تو اُن کو دیکھ کر دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ انہیں تو کچھ بھی نہیں ہوا ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ تباہ ہو جائیں گے مگر ان کی تو ہم سے

زیادہ عزت ہوئی اور ہم سے بھی زیادہ انہوں نے کامیابی حاصل کی آؤ ہم بھی انہی کے پیچھے چلیں۔ چنانچہ وہ بھی اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دیتے ہیں اور پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ زمانہ آجاتا ہے کہ انسان کہتا ہے کہ کس کو رکھوں اور کس کو رد کروں کس کو چنوں اور کس کو نہ چنوں؟ اس زمانے کے آنے سے پہلے پہلے جو لوگ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے پیش کریں گے وہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہوں گے اور اس کی برکتوں سے اتنا حصہ پائیں گے کہ بعد میں آنے والے ان برکات کا عشر عشیر بھی نہیں لے سکیں گے۔ کیونکہ اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ فضیلت انہی کو ملتی ہے جو نیکی اور قربانی کی راہوں میں سبقت اختیار کرتے ہیں۔''

واقفِ زندگی کے لئے بڑی عزتیں رکھی ہیں

حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ کے آخر میں فرمایا:۔

''خدا نے تمہارے لئے بڑی بڑی عزتیں رکھی ہیں۔تم خدا پر توکل کرو اور اس کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرو۔ وہ دینے پر آتا ہے تو وہ کچھ دے دیتا ہے کہ انسان اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے ہم نے ساری عمر میں دنیوی قابلیتوں کے بغیر وہ کچھ علم حاصل کیا ہے جو بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والوں کو بھی نہیں ملا۔ اسی طرح مالی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہماری ایسے ایسے راستوں سے مدد کی جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھے۔ پس خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے تم اس کی طرف قدم اٹھاؤ اگر تم اس پر توکل رکھتے ہوئے اس کی طرف اپنا قدم بڑھاؤ گے تو یقیناً تمہارا خدا تم کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ تمہارا ہاتھ پکڑے گا اور تم محسوس کرو گے کہ تمہارا خدا تمہارے سامنے کھڑا ہے میرے پاس اس سفر میں ایک نومسلم انگریز آیا اور اس نے کہا کہ میں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کروں مگر مجھے پتہ نہیں لگتا کہ میں اس کے قریب ہو گیا ہوں یا نہیں میں نے کہا کہ تمہاری اس خواہش کا انحصار تمہارے اس ایمان اور یقین پر ہے کہ خدا تعالیٰ کے قرب کا دروازہ تمہارے لئے بند نہیں بلکہ تم بھی اس کے انعامات کو اسی طرح حاصل کر سکتے ہو جس

طرح پہلے لوگوں نے حاصل کئے اگر تم سچے دل سے یہ یقین رکھو تو خدا تعالیٰ کے انعامات کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں اور ہر ترقی تمہارے لئے ممکن ہے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ تمہارے قریب نہ آئے وہ یقیناً تمہارے لئے اپنے قرب کے دروازے کھول دے گا اور تم محسوس کرو گے کہ وہ تمہارے قریب آ گیا ہے جیسے تمہارے کمرے میں اگر آگ جل رہی ہو تو یہ ہو نہیں سکتا کہ تم اس آگ کے وجود سے انکار کر سکو۔ کیونکہ اس کی گرمی تمہیں محسوس ہونے لگتی ہے اس طرح اگر تم یقین رکھو کہ تمہارے لئے لا متناہی ترقیات کے دروازے کھلے ہیں اور تمہارا خدا بخیل نہیں تو یقیناً اس کا قرب تمہیں محسوس ہی نہیں ہو گا بلکہ تم اپنی روحانی آنکھوں سے اس کو دیکھنا شروع کر دو گے۔،،

کم از کم پندرہ نسلوں کو وقف کرنا ہوگا

تحریک وقف زندگی کے سلسلہ میں حضور نے 14/اکتوبر 1955ء (14۔اخاء 1334) کو بھی ایک نہایت زوردار خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع ہوا:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے یا یوں کہو کہ جو کام خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہمارے سپرد کیا ہے وہ اتنا بڑا ہے کہ اس کا تصور کر کے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ دنیا میں اس وقت دو ارب غیر مسلم پائے جاتے ہیں اور ہمارے سپرد یہ کام ہے کہ ان دو ارب غیر مسلموں کو مسلمان بنا دیں۔ گذشتہ تیرہ سو سال میں صرف پچاس کروڑ مسلمان ہوئے ہیں گویا اس وقت چار غیر مسلم ایک مسلمان کے مقابل پر موجود ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جو کام تیرہ سو سال میں ہمارے آباواجداد نے کیا ہے اس سے چار گنا کام کی ہم سے اُمید کی گئی ہے لیکن اس کیلئے وقت کا لحاظ رکھنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ ورنہ غیر معین عرصہ میں تو بڑے بڑے کٹھن کام بھی ہو جاتے ہیں مثلاً دریاؤں کا پانی ہی جب ایک لمبے عرصہ تک پہاڑوں پر گرتا رہتا ہے تو اس کی وجہ سے بڑی بڑی غاریں بن جاتی ہیں اور جیالوجی والے کہتے ہیں کہ چونکہ دس دس بیس بیس لاکھ سال بلکہ کروڑوں سال سے یہ پانی گرتا رہا ہے اس لئے اب پہاڑوں میں بڑی بڑی غاریں بن گئی ہیں مگر انسانی زندگی اور انسانی سکیمیں اتنی

لمبی نہیں چلتیں۔ یا کم از کم تاریخ ہمیں کسی اتنی لمبی زندگی یا اتنے لمبے عرصہ تک چلنے والی سکیم کا پتہ نہیں دیتی۔............حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین سو سال میں احمدیت ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ اگر ایک نسل کے بیس سال بھی فرض کر لئے جائیں تو تم سمجھ سکتے ہو کہ تین 300 **سو سال میں پوری پندرہ نسلیں آ جاتی ہیں گویا اگر ہماری پندرہ نسلیں یکے بعد دیگرے اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کرتی چلی جائیں تب وہ کام پورا ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے۔** مگر کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ منشاء تھا کہ اور لوگوں کی نسلیں تو اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کریں اور میری اپنی نسل وقف نہ کرے۔ آخر جو شخص دوسروں سے کوئی مطالبہ کرتا ہے اس کی نسل سب سے پہلے اس مطالبہ کی مخاطب ہوتی ہے لیکن اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی نسل بدعہدی کرے گی تو یقیناً خدا تعالیٰ دوسرے لوگوں میں سے اسلام کے بہادر اور جاں نثار سپاہی کھڑے کر دے گا۔ چنانچہ دیکھ لو جب ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایسے مشرک پیدا ہوئے جنہوں نے کعبہ میں بھی سینکڑوں بت رکھ دیئے تو دوسری طرف عراق کے علاقہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ جیسے بزرگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین کی بڑی خدمت کی اسی طرح دوسرے ملک سے حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ آ گئے اور انہوں نے اسلام پھیلایا۔ پس جہاں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو توجہ دلاتا ہوں وہاں میں جماعت سے بھی کہتا ہوں کہ **تمہیں یکے بعد دیگرے کم از کم پندرہ نسلوں کو وقف کرنا ہو گا لیکن تم تو ابھی سے گھبرا گئے ہو اور ابھی سے تمہارا یہ حال ہے کہ جو شخص دین کی خدمت کے لئے آتا ہے اس کو یہ خیال آتا ہے کہ گذارہ کیسے ہو گا۔** سیدھی بات ہے کہ روپیہ ہو گا تو گذارہ ملے گا اور روپیہ اس وقت آئے گا جب نئے احمدی بنیں گے۔ تم پچاس لاکھ احمدی لے آؤ تو تمہارے گذارے خود بخود بڑھ جائیں گے۔

بہرحال دنیا اس وقت اسلام کی آواز سُننے کو منتظر ہے اور اس کے لئے ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو دین کی خدمت کے لئے آئیں اور اپنی زندگیاں اس کام کے لئے وقف کریں۔"

وقف خاندان کی تحریک

حضور نے خطبہ کے آخر پر خاندانی طور پر وقف کرنے کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

’’خاندانی طور پر اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کرو اور عہد کرو کہ تم اپنی اولاد در اولاد کو وقف کرتے چلے جاؤ گے۔ پہلے تم خود اپنے کسی بچے کو وقف کرو۔ پھر اپنے سب بچوں سے عہد لو کہ وہ اپنے بچوں میں سے کسی نہ کسی کو خدمت دین کے لئے وقف کریں گے۔ اور پھر ان سے یہ عہد بھی لو کہ وہ اپنے بچوں سے عہد لیں گے کہ وہ بھی اپنی آئندہ نسل سے یہی مطالبہ کریں گے۔ چونکہ اگلی نسل کا وقف تمہارے اختیار میں نہیں اس لئے صرف تحریک کرنا تمہارا کام ہوگا اگر وہ نہیں مانیں گے تو یہ ان کا قصور ہوگا۔ تم اپنے فرض سے سبکدوش سمجھے جاؤ گے اگر تم یہ کام کرو گے اور یہ روح جماعت میں نسلاً بعد نسلٍ پیدا ہوتی چلی جائے گی اور ہر فرد یہ کوشش کرے گا کہ اس کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد دین کے خاطر اپنی زندگی وقف کرے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں وقف زندگی دین کی خدمت کے لئے مہیا ہو جائیں گے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وصیت کی تحریک فرمائی ہے۔ تمہیں یہ بھی کوشش کرنی چاہئیے کہ تم میں سے ہر شخص وصیت کرے اور پھر اپنی اولاد کے متعلق بھی کوشش کرے کہ وہ بھی وصیت کرے اور وہ اپنی اگلی نسل کو وصیت کی تحریک کرے۔ یہ بھی دین کی خدمت کا ایک بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایسا کر لیں تو قیامت تک تبلیغ اور اشاعت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 122 تا 131)

پرانے خاندانوں کو وقف کی تحریک

حضور نے نہایت زوردار اور پرشوکت الفاظ میں وقف زندگی کی تحریک کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مجھ سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تین

سو سال تک تمہاری جماعت بڑی طاقتور اور مضبوط ہو جائے گی۔ تین سو سال کا عرصہ بڑا لمبا عرصہ ہے یوں تو مومن کو قیامت تک کے لئے عزم کرنا چاہیئے لیکن کم سے کم تین سو سال تک تو ہماری آئندہ نسلوں کو یہ عزم کرنا چاہیئے کہ یکے بعد دیگرے ہم سلسلہ کا بوجھ اٹھاتے چلے جائیں گے اور اسلام کی اشاعت میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔

اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ نئے خاندانوں میں سے تو لوگ وقف کی طرف آ رہے ہیں مگر پرانے خاندانوں میں سے کم آ رہے ہیں۔ پس سلسلہ کے لئے بھی دعا کرو اور ان لوگوں کے لئے بھی دعا کرو جن کو خدا تعالیٰ نے پہلے احمدیت کی خدمت کی توفیق دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے خاندانوں کو بھی اس کی توفیق دیتا رہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعد میں آنے والے مومن ہمیشہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بھی بخش اور ان کو بھی بخش جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں تو ان لوگوں کا بھی حق ہے کیونکہ ان کے ذریعہ سے ہی ایمان آپ تک پہنچا ہے اس طرح آپ لوگ کوشش کریں کہ خدا تعالیٰ آپ میں ایمان قائم رکھے اور ایسا ایمان قائم رکھے کہ وقف کے ذریعہ سے جماعت کی ترقی کے لئے آپ لوگ ہمیشہ کوشاں رہیں۔ بے شک خدمات کے کئی ذرائع ہیں۔ قومی طور پر تو یہی ذریعہ ہے کہ اپنے ایمانوں کو مضبوط رکھا جائے۔ جیسے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سارے لوگ وقف نہیں کر سکتے کچھ لوگ کر سکتے ہیں۔ سارے لوگوں کا وقف یہی ہے کہ تمام لوگ ایمان کو پختہ رکھیں اور اپنی قربانی کو بڑھاتے چلے جائیں۔ اگر سارے لوگ اپنے ایمانوں کو پختہ نہ رکھیں اور قربانی نہ بڑھاتے چلے جائیں تو وقف کرنے والے کھائیں گے کہاں سے اُن کے کھانے پینے کا تبھی سامان ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق دیتا چلا جائے اور اس کے چندے بڑھتے چلے جائیں آخر یہ سلسلہ بڑھے تو ہمیں دس پندرہ ہزار واقفین چاہئیں۔ ملک کا معیار زندگی اتنا بڑھتا چلا جاتا ہے کہ جو اچھی دینی یا دنیوی تعلیم والے ہوں گے ان کو اپنے ہمسائیوں کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کم سے کم چار پانچ سو روپیہ ماہوار کی ضرورت ہوگی اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ اگر دس ہزار واقفین ہوں تو چالیس پچاس لاکھ روپیہ کی ماہوار کی آمدن ہونی چاہئے۔ یعنی چھ کروڑ روپیہ سالانہ تب جا کے اتنے واقفین مل سکتے ہیں کہ ساری ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ اگر

آپ لوگ اپنی نسلوں میں یہ احساس پیدا کریں کہ تم میں سے جو وقف کرے دوسرے لوگ اس کی خدمت کیا کریں تو یہ کام بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے اس کے علاوہ اپنے چندے بڑھاؤ اپنے دوستوں کے بھی بڑھواؤ اور جو غیر احمدی دوست ہیں ان سے بھی چندے لو ان میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کے اندر دین کا درد ہے مجھے یاد ہے میر محمد اسحاق صاحب مرحوم جب بچے تھے حضرت خلیفہ اوّلؓ نے میر ناصر نواب صاحب مرحوم کو جو ہمارے نانا تھے فرمایا کہ اسحاق کو میرے پاس بھیجا کریں میں اس کو قرآن حدیث پڑھاؤں گا۔ وہ تھے تو اہل حدیث مگر طبیعت بڑی جوشیلی تھی کہنے لگے اسماعیل ڈاکٹری میں پڑھتا ہے۔ اسحٰق اگر آپ کے پاس قرآن حدیث پڑھے گا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ میرا ایک بیٹا میرے دوسرے بیٹے کے آگے ہاتھ پھیلائے گا کہ میرے لئے کچھ کھانے کا سامان کرو۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ فرمانے لگے کہ میر صاحب آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ **میرا ایک بیٹا دوسرے بیٹے کے آگے ہاتھ پھیلائے گا۔** آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ میرے اس بیٹے کے طفیل خدا دوسرے بیٹے کو رزق دے گا۔ تو اپنی اولاد کو آپ لوگ یہ احساس پیدا کرائیں کہ جو تم میں سے واقف زندگی ہو تمہارا فرض ہے کہ اپنی آمدنوں میں سے ایک معقول حصہ اس کی خدمت کے لئے دیا کرو تا کہ اس کی فکر معیشت دور ہو جائے۔ سو ایک طرف جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے لڑکے ہیں ان کو یہ تعلیم دیں اور جو دوسرے ہیں اُن کو دینی تعلیم دلائیں اور اصل چیز تو یہ ہے کہ قرآن شریف اور **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں پڑھ پڑھ کے آپ لوگ خود اپنی تعلیم اتنی مکمل کریں کہ اپنے گھروں میں ہی ہر شخص واقف ہو جائے۔** آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابہؓ تھے وہ کون سے شاہد پاس تھے؟ بس اک آگ ان کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ وہ آگ لگ جائے تو سب کام آپ ہی آپ ہو جاتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کو غور سے پڑھتے ہیں سلسلہ کا لٹریچر غور سے پڑھتے ہیں قرآن شریف و حدیث غور سے پڑھتے ہیں بغیر اس کے کہ اُن کو کوئی بڑا علم آتا ہو وہ دنیا کے بڑے سے بڑے عالم پر غالب آجاتے ہیں اور کوئی شخص ان کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا۔ مجھے یاد ہے لنڈن میں ہمارے مبلغ ہوتے تھے چودھری ظہور احمد باجوہ وہ آجکل ناظر رشد و اصلاح ہیں اُن کے ساتھ

بعض دفعہ لوگوں کی گفتگو ہوتی تھی بعض دفعہ انگریزوں کی اور بعض دفعہ جو بڑے بڑے ہوشیار اور جہاندیدہ پیغامی مبلغ وہاں ہیں ان کی جب وہ سوال و جواب آتا تو ہمیشہ اُن کا خط پڑھ کر میرا دل کانپتا تھا کہ یہ کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں مگر ہمیشہ ہی میں نے دیکھا کہ جب میں ان کا جواب پڑھتا تھا تو دل خوش ہو جاتا تھا وہ ایسا مکمل اور اعلیٰ جواب ہوتا تھا کہ میرا دل مانتا تھا کہ اس شخص کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی ہے۔،،

اس سلسلہ میں حضور نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت علی کرم اللہ وجھہ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:۔

’’حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں بھی ان کے ایک بیٹے سے بارہ امام بنے تھے اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی بارہ امام پیدا ہوئے۔ مگر کتنا افسوس ہے کہ بعض مخلص لوگ فوت ہوتے ہیں تو ان کے بیٹے ہی خراب ہو جاتے ہیں اور بعض کا پوتا خراب ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت علیؓ کے اندر کیسا ابراہیمی ایمان تھا اور ابراہیمؑ کے اندر کیسا ایمان تھا کہ بارہ نسلوں تک برابر اُن میں یہ ذمہ داری کا احساس چلتا چلا گیا کہ ہم نے دین کی خدمت کرنی ہے۔ اگر تمہارے بچے بھی یہ ارادہ کر لیں تو پھر کوئی فکر نہیں بڈھوں نے تو آخر مرنا ہے خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے زمانہ سے لیکر آج تک ہر ایک کے لئے موت مقرر کی ہوئی ہے مگر جب یہی بچے بڈھے بن جائیں گے تو پھر کوئی فکر نہیں ہوگی کہ دین کا کیا بنے گا۔ یہی نو دس سال کے بچے ایسے طاقت ور پہاڑ بنیں گے کہ اگر دنیا ان سے ٹکرائے گی تو دنیا کا سر پاش پاش ہو جائے گا مگر یہ اپنے مقام سے نہیں ہٹیں گے اور احمدیّت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا کے رہیں گے لیکن یہ سارے کام دعاؤں سے ہو سکتے ہیں ہمارے اختیار میں تو خود اپنا دل بھی نہیں ہوتا لیکن خدا کے اختیار میں ہمارا بھی دل ہے اور ہماری اولادوں کا بھی دل ہے اور اولادوں کی اولادوں کا بھی دل ہے ہمیں تو دس بارہ نسلیں کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کیوں کہ نظر تو یہ آتا ہے کہ بارہ تک پہنچنا بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔ اگر یہ دریا کی لہر ہمارے دہانے میں سے گزرے تو خبر نہیں بارہ نسلوں تک پہنچے گی بھی یا نہیں مگر خدا کی یہ طاقت ہے کہ وہ بارہ ہزار نسلوں تک پہنچا دے اس لئے آؤ ہم خدا سے دعا کریں کہ وہ اس جلسہ کو بابرکت کرے اور اللہ تعالیٰ ہماری اولادوں کو

ہزاروں پشتوں تک دین کا بوجھ اٹھانے کی توفیق دے اور ہمیشہ ان میں ایسے کامل انسان پیدا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلق رکھنے والے ہوں اور اس کے دین کی اشاعت کرنے والے ہوں تا کہ احمدیت اور اسلام کا پیغام دنیا میں پھیل جائے اور ہم خدا تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو جائیں اپنی طاقت سے نہیں، اپنی قوّت سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے کیونکہ یہ طاقت خدا میں ہے ہم میں نہیں۔'' (تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 166 تا 169)

قادیان کے لئے تحریک وقفِ زندگی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے 10 /مارچ 1956ء کو ''ضروری اعلان'' کے نام سے حسب ذیل فرمان جاری فرمایا۔ جو روزنامہ الفضل 10 /مارچ 1956ء کے صفحہ اول پر اشاعت پذیر ہوا:۔

''قادیان میں کارکنان کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہندوستان میں پیدا کیا۔ اس لئے یہ ہندوستانیوں کا حق ہے کہ وہ سلسلہ کے کاموں کے لئے قربانیاں کریں۔ اس لئے تمام جماعتوں کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ اول ڈاکٹر، دوم گرایجوایٹ، سوم میٹرک پاس اگر اپنی زندگیاں ساری عمر کے لئے نہیں تو دس دس سال کے لئے وقف کریں تا کہ ان کو قادیان میں رکھ کر دینی تعلیم دلائی جائے اور پھر سلسلہ کے کاموں پر لگایا جائے۔

خاکسار

مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

10-3-1956

(تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 412)

صدر انجمن احمدیہ کے لئے تحریک واقفین

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے 1955ء کے شروع میں تحریک فرمائی کہ مخلص احباب تحریک جدید کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ فرمایا:۔

''احباب کی اطلاع کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ اب تک صرف تحریک جدید کے

لئے واقفین لئے جاتے تھے۔ اب ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ صدر انجمن کے لئے بھی واقفینِ زندگی کی تحریک کی جائے۔ پس اس بارہ میں میں اعلان کرتا ہوں کہ مخلص احباب اپنے آپ کو سلسلہ کی خدمت کے لئے پیش کریں۔ عام راہنمائی کے لئے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل قسم کے احباب کارآمد ہوسکیں گے۔

اول:۔ ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی، ڈاکٹر۔

دوم:۔ بی۔اے، بی۔ٹی۔

سوم:۔ ایسے افراد جن کو انتظامی کاموں کا تجربہ ہو خواہ پنشنر ہوں۔ چہارم:۔ ایسے احباب جو تجارتی یا صنعتی دلچسپی رکھتے ہوں خواہ مڈل تک کی تعلیم ہو گذارہ کے متعلق ہر ایک واقف کو صدر انجمن احمدیہ اطلاع دے گی کہ کس اصل پر وہ گذارہ دے سکتی ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 278 تا 279)

وقف زندگی کے متعلق تجاویز اور حضرت مصلح موعودؓ کا اظہار رائے

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے سفر یورپ (1955ء) سے واپسی کے بعد اپنے متعدد خطبات میں تحریک وقف زندگی پر زور دیا اور 10رفروری 1956ء کو یہاں تک فرمایا کہ:۔

''اگر دنیاوی حکومتوں نے اپنی ضروریات کے وقت جبری بھرتی کا قانون جائز رکھا ہے تو ہم اپنے نوجوانوں کو وقف کیلئے کیوں مجبور نہیں کر سکتے۔''

(الفضل 26رفروری 1956ء)

اس خطبہ پر بعض احمدیوں کی طرف سے تجاویز موصول ہوئیں۔ حضور نے 9رمارچ 1956ء کے خطبہ جمعہ میں ان تجاویز کا ذکر کر کے ہدایت فرمائی کہ والدین خصوصاً عورتیں بچپن ہی سے اولاد کی صحیح تربیت کریں۔ جماعت میں واقفین کا اعزاز قائم کیا جائے اور واقفین انتظامی قابلیت پیدا کرنے کے علاوہ کوئی ایک فن بھی سیکھیں۔ (تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 408 تا 409)

واقفین زندگی کی تربیت میں حضرت مصلح موعودؓ کا کردار

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ جہاں واقفین زندگی پیدا کر رہے تھے وہاں ان کی آبیاری بھی فرمارہے تھے۔ گذشتہ اوراق میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ آپ نے بعض دفعہ واقفین کی خود کلاسز لیں اور درسًا اُنہیں سبق دیا۔ پھر آپ نے ان کی علمی سیری کے لئے ہر مضمون پر بیش بہا پُر معارف مضامین شائع کئے اور خطابات فرمائے۔ اس کے علاوہ بے شمار مواقع پر واقفین کو انفرادی بھی اور اجتماعی طور پر بھی قیمتی اور زریں ہدایات سے نوازتے رہتے تھے۔ نمونۃً آپ کے ایک خطاب کا کچھ حصّہ پیش خدمت ہے۔

مبلغین کو اہم ہدایات

قرآن کریم سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص جماعت کو دین کی خدمت کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (آل عمران) اور دوسری طرف فرماتا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ سارے مومنوں کا فرض ہے کہ دعوت الی الخیر کریں تو ایک خاص جماعت کا ہونا ضروری ہے اور یہ لازمی چیز ہے۔ کوئی فوج اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اس کا ایک حصّہ خاص کام کے لئے مخصوص نہ ہو اور تمام نیچر میں یہی بات نظر آتی ہے کہ ایک ذرّہ مرکزی ہوتا ہے۔ مذہبی تبلیغ کے لئے بھی ایسا مرکز ہونا چاہئیے جو اپنے اردگرد کو متأثر کر سکے اور دوسروں سے صحیح طور پر کام لے سکے۔ یہی غرض مبلغین کی ہے۔ لیکن عام طور پر خود مبلغین نے بھی ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ احمدیت کے سپاہی ہیں اور کام انہیں خود کرنا ہے۔ مگر جو یہ سمجھتا ہے وہ سلسلہ کے کام کو محدود کرتا ہے۔ ہم خدمتِ دین کے لئے کس قدر مبلغ رکھ سکتے ہیں۔ اس وقت ساٹھ ستّر کے قریب کام کر رہے ہیں جن کا جماعت پر بہت بڑا بوجھ ہے اور چندے کا بہت بڑا حصّہ اِن پر خرچ کرنا پڑتا ہے مگر وہ کام کیا کرتے ہیں۔ اگر کام کرنے والے صرف وہی ہوں تو سلسلہ کی ترقی بند ہو جائے۔ ان کے ذریعہ

سال میں صرف دو تین سو کے قریب لوگ بیعت کرتے ہیں اور باقی جن کی تعداد کا اندازہ دس بارہ ہزار کے قریب ہے جماعت کے لوگوں کے ذریعہ احمدیت میں داخل ہوتے ہیں۔ رہے مباحثات جو مبلغین کو کرنے پڑتے ہیں۔ یہ اسی وقت تک ہیں جب تک ہمارے ملک کے لوگوں کے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی۔ مباحثات پبلک کے اخلاق کی خرابی کی وجہ سے کرنے پڑتے ہیں...... ہمارا یہ مقصد نہیں کہ علماء مباحثات کے لئے پیدا کریں بلکہ علماء کی غرض یہ ہے کہ وہ آفیسرز کی طرح ہوں جو اپنے اردگرد فوج جمع کریں اور اس سے کام لیں۔ یا اس گڈریئے کی طرح جس کے ذمّہ ایک گلے کی حفاظت کرنا ہوتی ہے اور یہ کام دس بیس مبلغ بھی عمدگی سے کر سکتے ہیں جب تک ہمارے مبلغ یہ نہ سمجھیں اس وقت تک ہمارا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ مبلغ کے معنے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ غیروں کو مخاطب کرنے والا مگر صرف یہ معنی نہیں بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ غیروں کو مخاطب کرانے والا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون مبلغ ہوسکتا ہے؟ مگر آپؐ کس طرح تبلیغ کیا کرتے تھے؟ اس طرح کہ شاگردوں سے کراتے تھے۔ صحابہؓ میں آپؐ نے ایسی روح پھونک دی کہ انہیں اس وقت تک آرام نہ آتا تھا جب تک خدا تعالیٰ کی باتیں لوگوں میں نہ پھیلا لیں۔ پھر صحابہؓ نے دوسروں میں یہ رُوح پھونکی اور انہوں نے اوروں میں اور اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ حتّٰی کہ مسلمانوں نے اس بات کو بُھلا دیا۔ تب خدا تعالیٰ نے اُس رُوح کو دوبارہ پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا۔ اِس طرح اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تبلیغ کر رہے ہیں۔ پس علماء کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے لوگ پیدا کریں جو دوسروں کو تبلیغ کرنے کے قابل ہوں۔ وہ خدمت گذاری اور شفقت علی النّاس کا خود نمونہ ہوں اور دوسروں میں یہ بات پیدا کریں مگر عام طور پر مبلغ لیکچر دے دینا یا مباحثہ کر لینا اپنا کام سمجھتے ہیں اور خیال کر لیتے ہیں کہ اُن کا کام ختم ہوگیا۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہو رہا ہے کہ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ علماء بیکار رہتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تقریر کرنے یا مباحثہ کرنے کے بعد مبلغ کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کچھ آرام کرے۔ کیونکہ بولنے کا کام مسلسل بہت دیر تک نہیں کیا جاسکتا۔ بولنے میں زور لگتا ہے اور تقریر کے بعد انسان نڈھال ہوجاتا ہے۔ مبلغ سے توقع رکھنا کہ وہ ہر روز کئی کئی گھنٹے تقریر کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو چند ماہ

کے بعد اُسے سِل ہو جائے گی اور وہ مر جائے گا۔ پھر روزانہ کہاں اس قدر لوگ مل سکتے ہیں جو اپنا کام کاج چھوڑ کر تقریریں سُننے کے لئے جمع ہوں۔ پس یہ کام چونکہ ایسا نہیں جو مسلسل جاری رہ سکے اس لئے لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے کہ مبلغ فارغ رہتے ہیں حالانکہ ان حالات میں ان کا فارغ رہنا قدرتی امر ہے۔ دراصل انہوں نے اپنے فرض کو سمجھا نہیں۔ وہ کہہ دیتے ہیں کہ جب ہمارے پاس کوئی آیا ہی نہیں تو ہم سمجھائیں کسے؟ اس وجہ سے ہم فارغ رہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنا یہ فرض سمجھتے کہ ان کا کام صرف تقریر کرنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کے اخلاق کی تربیت کرنا ہے۔ انہیں تبلیغ کرنے کے قابل بنانا ہے اور پھر وہ اپنا تصنیف کا شغل ساتھ رکھیں جہاں جائیں لکھنے پڑھنے میں مصروف رہیں۔ کوئی ادبی مضمون لکھیں، کسی مسئلے کے متعلق تحقیقات کریں۔ ضروری حوالے نکالیں، تاریخی امور جمع کریں تو پھر ان کے متعلق یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ فارغ رہتے ہیں۔ یہ تاریخی مختلف کام ہیں جن کی طرف ہمارے مبلغین کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی مبلغ کہیں جاتا اور وہاں تصنیف کا شغل بھی جاری رکھتا تو لوگ یہ نہ کہتے وہ فارغ رہا بلکہ یہی کہتے کہ لکھنے میں مصروف رہا۔ مگر مبلغین کو اس طرف توجہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ تصنیف کا کام نہیں ہو رہا۔ ممکن ہے اس وقت بھی یہاں بعض مبلغ ہوں مگر دعوت چونکہ ان کی طرف سے ہے جو آئندہ مبلغ بننے والے ہیں اس لئے مَیں انہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ وہی طریق اختیار نہ کریں جو اُن سے پہلوں نے کیا اور جس کی وجہ سے نو حصّے کام ضائع ہوا اور صرف ایک حصّہ ہو رہا ہے۔ اس طرح جماعت کی ترقی نہیں ہو سکتی کیونکہ جو مبلغ اپنے اوقات کی حفاظت نہیں کرتے اور انہیں صحیح طور پر صَرف نہیں کرتے وہ جماعت کے لئے ترقی کا موجب نہیں بن سکتے۔ جو لوگ آئندہ مبلغ بننے والے ہیں وہ اپنے اوقات کی پوری طرح حفاظت کرنے کا تہیہ کریں۔ اُن کا کام صرف اپنے منہ سے تبلیغ کرنا نہیں بلکہ دوسروں کو دینی مسائل سے آگاہ کرنا، اُن کے اخلاق کی تربیت کرنا، اُن کو دین کی تعلیم دینا، ان کے سامنے نمونہ بن کر قربانی اور ایثار سکھانا اور انہیں تبلیغ کے لئے تیار کرنا ہے گویا ہمارا ہر ایک مبلغ جہاں جائے وہاں دینی اخلاقی تعلیم کا کالج کُھل جائے۔ کچھ دیر تقریر کرنے اور لیکچر دینے کے بعد اور کام کئے جا سکتے ہیں۔ مگر متواتر بولا نہیں جا سکتا کیونکہ گلے سے زیادہ کام نہیں لیا جا سکتا۔ مگر باقی قویٰ سے کام لے سکتے ہیں۔ میں تقریر کرنے کے بعد

لکھنے پڑھنے کا کام سارا دن جاری رکھتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔ پس میں مبلغین کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے اپنا کام اب جو سمجھا ہوا ہے وہ اُن کا کام نہیں۔ یہ بہت چھوٹا اور محدود کام ہے۔ افسر کا کام یہ نہیں ہوتا کہ سپاہی کی جگہ بندوق یا تلوار لے کر خود لڑے۔ بلکہ اُس کا کام یہ ہوتا ہے کہ سپاہیوں کو لڑائے۔ اسی طرح مبلغ کا کام یہ ہے کہ جماعت کو تبلیغ کا کام کرنے کے لئے تیار کرے اور اُن سے تبلیغ کا کام کرائے۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کی تربیت کی طرف مبلغین کو توجہ کرنی چاہئے۔ جماعت کے بیکاروں کے متعلق تجاویز سوچنی چاہئیں۔ بیاہ شادیوں کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے جدّوجہد کرنی چاہیئے۔ غرض جس طرح باپ کو اپنی اولاد کے متعلق ہر بات کا خیال ہوتا ہے اسی طرح مبلغین کو جماعت سے متعلق ہر بات کا خیال ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ جماعت کے لئے باپ یا بڑے بھائی کا درجہ رکھتے ہیں۔''

(الفضل مورخہ 21 رنومبر 1935ء)

واقفین کے لئے پُر درد دعائیں

جہاں آپ ان کی ظاہری طور پر تربیت کے تمام ذرائع استعمال فرما رہے تھے وہاں خود بھی ان کے لئے بے شمار دعائیں کرتے اور جماعت کو بھی دعاؤں کی تلقین فرماتے تھے اور بعض مشکل اور نازک حالات میں تو ان کے نام لے لے کر دعاؤں کی تحریک فرماتے مثلاً جنگ کے ایام میں حضور اپنے اُن خدّام کے لئے جو اکنافِ عالم میں مصروفِ تبلیغ تھے اور مصائب و آلام میں گھر گئے تھے بہت مشوّش تھے اور اُن کی خیریت وسلامتی اور اُن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے خود بھی دُعائیں کرتے اور سالانہ جلسہ کے موقعہ پر احبابِ جماعت کو بھی ارشاد فرماتے کہ وہ اپنی دعاؤں میں اُن مجاہدین کو خاص طور پر یاد رکھیں۔ رمضان کے مبارک ایّام جو دعاؤں کی قبولیت کے لئے خصوصیت رکھتے ہیں حضور نے 15 رستمبر 1942ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں مبلغین کے لئے خصوصی دعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

''آج کل سینکڑوں نہیں ہزاروں احمدی لڑائی میں گئے ہوئے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں بڑی تعداد میں احمدی رہتے ہوں اور وہاں سے کوئی احمدی لڑائی میں نہ گیا ہو۔ پھر بہت سے احمدی ہیں جو لڑائی کی وجہ سے آج کل قید ہیں۔ اسی طرح ہمارے کئی مبلغ قید ہیں یا قید نما حالت

میں ہیں۔ اُن میں سے دس بارہ تو مشرقی ایشیا میں ہی ہیں۔ مثلاً مولوی رحمت علی صاحب، مولوی شاہ محمد صاحب، ملک عزیز احمد صاحب، مولوی محمد صادق صاحب، مولوی غلام حسین صاحب، اِن کے علاوہ کچھ لوکل مبلغ ہیں جو پانچ سات ہیں جن میں سے بعض کو یہاں سے مقرر کیا گیا تھا اور بعض کو وہاں کی جماعتوں نے اپنا مبلغ بنالیا تھا۔ ان تمام مبلغین کے متعلق نہ ہمیں کوئی خبر ہے نہ اطلاع، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سب کو اپنی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کیونکہ وہ ہماری طرف سے ان ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض باتوں کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور تبلیغ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ یعنی اگر قوم میں سے کوئی شخص بھی تبلیغ نہ کرے تو ساری قوم گنہگار اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مَورَدْ ہوگی۔ لیکن اگر کچھ لوگ تبلیغ کے لئے کھڑے ہو جائیں تو باقی قوم گنہگار نہیں ہوگی۔ پس اگر یہ لوگ تبلیغ کے لئے غیر ممالک میں نہ جاتے تو احمدیہ جماعت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں گناہگار ٹھہرتی ہے اور وہ اس عذاب کی مَوْرَدْ بن جاتی کیونکہ وہ کہتا کہ اس قوم نے تبلیغ کو بالکل ترک کر دیا ہے جیسے مسلمانوں کی حالت ہے کہ جب انہوں نے فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیا اور اُن میں ایسے لوگ نہ رہے جو اپنے وطنوں کو چھوڑ کر اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر اور اپنے آرام وآسائش کے سامانوں کو چھوڑ کر غیر ممالک میں جائیں اور لوگوں کو داخلِ اسلام کریں تو وہ موردِ عذاب بن گئے۔ پس جن لوگوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو اپنی خاص رحمتوں کا مورد بنایا ہوا ہے، یقیناً اُن کا حق ہے کہ ہم انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اُن کے لئے دعا کرنا اپنی ذاتی دعاؤں پر مقدم سمجھیں اور متواتر الحاح اور عاجزی سے اُن کی صحت اور سلامتی کے لئے دعائیں کریں۔ اسی طرح اور بہت سے مبلغ ہیں جن کی قربانیوں کا صحیح اندازہ ہماری جماعت کے دوست نہیں لگا سکتے۔ بالخصوص دو مبلغ تو ایسے ہیں جو شادی کے بہت تھوڑا عرصہ بعد ہی تبلیغ کے لئے چلے گئے اور اب تک باہر ہیں۔ اُن میں سے ایک دوست تو نو سال سے تبلیغ کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ حکیم فضل الرحمن اُن کا نام ہے۔ انہوں نے شادی کی اور شادی کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی انہیں تبلیغ کے لئے بھجوا دیا گیا۔ وہ ایک نوجوان اور چھوٹی عمر کی بیوی چھوڑ کر گئے تھے مگر اب وہ آئیں گے تو انہیں ادھیڑ عمر کی بیوی ملے گی۔ یہ قربانی کوئی معمولی قربانی نہیں میرے نزدیک تو کوئی نہایت ہی بے شرم اور بے حیاء ہی

ہوسکتا ہے جو اس قسم کی قربانیوں کی قیمت کو نہ سمجھے اور انہیں نظر انداز کر دے۔ اسی طرح مولوی جلال الدین صاحب شمسؔ ہیں انہوں نے بڑی عمر میں شادی کی اور دو تین سال بعد ہی انہیں تبلیغ کے لئے بھیج دیا گیا۔ ان کے ایک بچے نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا اور باپ نہیں جانتا کہ میرا بچہ کیسا ہے سوائے اس کے کہ تصویروں سے انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا ہو۔ وہ بھی کئی سال سے باہر ہیں اور اب تو لڑائی کی وجہ سے اُن کا آنا اور مشکل ہے۔ قائم مقام ہم بھیج نہیں سکتے اور خود وہ آ نہیں سکتے کیونکہ راستے مخدوش ہیں۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کب واپس آئیں گے۔ لڑائی ختم ہو اور حالات اعتدال پر آئیں تو اُس کے بعد اُن کا آنا ممکن ہے اور نہ معلوم اس میں ابھی اور کتنے سال لگ جائیں۔ ان لوگوں کی ان قربانیوں کا کم سے کم بدلہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد دعائیں کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے اور اُن کے اعزّہ اور اقرباء پر بھی رحم فرمائے۔ مَیں تو سمجھتا ہوں جو احمدی ان مبلغین کو اپنی دعاؤں میں یاد نہیں رکھتا اس کے ایمان میں ضرور کوئی نقص ہے اور مجھے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ایمان میں خلل واقع ہو چکا ہے اسی طرح اور بھی کئی مبلغ ہیں جن کی قربانی گو اس حد تک نہیں مگر پھر بھی وہ سالہا سال سے اپنے اعزّہ اور رشتہ داروں سے دور ہیں اور قسم قسم کی تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ ان مبلغین میں سے مغربی افریقہ کے دو مبلغ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مولوی نذیر احمد صاحب (ابن بابو فقیر علی صاحب) اور دوسرے مولوی محمد صدیق صاحب۔ یہ لوگ ایسے علاقوں میں ہیں جہاں سواریاں مشکل سے ملتی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی آسانی سے میسّر نہیں آتیں رستہ میں کبھی ستّو پھانک کر گذارہ کر لیتے ہیں اور کبھی کوئی پھل کھا لیتے ہیں۔ پھر انہیں سینکڑوں میل کے دَورے کرنے پڑتے ہیں اور ان دَوروں کا اکثر حصّہ وہ پیدل طے کرتے ہیں۔ یہ قربانیاں ہیں جو سالہا سال سے یہ لوگ کر رہے ہیں۔ چیف اور رؤساء اُن کا مقابلہ کرتے ہیں بعض دفعہ (گو ہمیشہ نہیں) گورنمنٹ بھی اُن کے راستہ میں روڑے اٹکاتی ہے۔ عام پبلک اور مولوی بھی مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان تمام روکوں کے باوجود مختلف علاقوں میں جماعتیں قائم کرتے اور خانہ بدوشوں کی طرح دین کی اشاعت کے لئے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ایسے نہیں کہ جماعت ان کی قربانیوں کے واقعات کو تسلیم کرنے سے انکار کر سکے۔ مَیں قربانیوں کے

واقعات کو تسلیم کرنے کی بجائے ان کے احسانات کو تسلیم کرنے کے الفاظ استعمال کرنے لگا تھا مگر پھر مَیں نے لفظ احسان اپنی زبان سے نہیں نکالا کیونکہ دین کے لئے قربانی کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔اسی لئے مَیں نے کہا ہے کہ جماعت ان لوگوں کی قربانیوں کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرسکتی لیکن بہرحال اس میں کیا شبہ ہے کہ جو کام یہ لوگ کررہے ہیں وہ ساری جماعت کا ہے اور اس لحاظ سے جماعت کے ہر فرد کو اپنی دعاؤں میں اِن مبلغین کو یاد رکھنا چاہیئے۔

اسی طرح اور مبلغ دوسرے مختلف ممالک میں اخلاص اور قربانی سے کام کررہے ہیں۔ صوفی مطیع الرحمن صاحب امریکہ میں کام کررہے ہیں اور بعض مشکلات میں ہیں۔مولوی مبارک احمد صاحب مشرقی افریقہ میں کام کررہے ہیں،مولوی رمضان علی صاحب ساؤتھ امریکہ میں کام کررہے ہیں، چوہدری محمد شریف صاحب فلسطین اور مصر میں کام کررہے ہیں، حکیم فضل الرحمن صاحب کا ذکر مَیں پہلے کرچکا ہوں ان کے علاوہ مولوی نذیر احمد صاحب مبشر سیالکوٹی آج کل گولڈکوسٹ میں کام کررہے ہیں۔ یہاں گو جماعتیں پہلے سے قائم ہیں مگر وہ اکیلے کئی ہزار کی جماعت کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ پھر اُن کی قربانی اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتی ہے کہ وہ آنریری طور پر کام کررہے ہیں۔جماعت اُن کی کوئی مدد نہیں کرتی وہ بھی سات آٹھ سال سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے جدا ہیں بلکہ تبلیغ پر جانے کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کا رخصتانہ بھی نہیں کرا سکے۔''

خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور رحم سے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور احباب کی متضرعانہ دعاؤں کو سُنا اور مجاہدین کی اعجازی رنگ میں حفاظت فرمائی مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن کی رہائش گاہ کے دائیں اور بائیں جرمن جہازوں نے بمباری کی مگر آپ محفوظ رہے۔اسی طرح چوہدری محمد شریف صاحب مجاہد اٹلی بھی، ملک عزیز احمد خاں صاحب،مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری اور سیّد شاہ محمد صاحب کو جاوی علماء کی مخبری پر جاپانی حکام نے جیل میں ڈال دیا اور مولوی محمد صادق صاحب سماٹری کو جاپانی حکومت نے پھانسی دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔مگر قبل اس کے کہ اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا جاتا خدائے ذوالجلال نے اس ظالم حکومت کا تختہ ہی الٹ دیا۔(تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ نمبر 341 تا 344)

واقفین کو دعائیں اور ذکر الٰہی کے لئے اہم تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جہاں جماعت کے دوستوں کو بیرونی مبلغین کے لئے دعا کی تحریک فرماتے وہاں خود مبلغوں کو بھی ارشاد فرماتے کہ وہ ہمیشہ دعاؤں اور ذکر الٰہی میں مصروف رہیں تا اُن کی تبلیغ میں جذب و اثر پیدا ہو مثلاً ایک موقعہ پر آپ فرماتے ہیں:

''حقیقت یہی ہے کہ اسی قوم کے دن زندہ ہوتے ہیں جن کی راتیں زندہ ہوتی ہیں جو لوگ ذکر الٰہی کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے اُن کا مذہب کے ساتھ وابستگی کا دعویٰ محض ایک رسمی چیز ہے۔ کئی نوجوان ایسے ہوتے ہیں جو تبلیغ بڑے جوش سے کرتے ہیں چندوں میں بھی شوق سے حصّہ لیتے ہیں مگر ذکر الٰہی کے لئے مساجد میں بیٹھنا اور اخلاق کی درستی کے لئے خاموش بیٹھنا اُن پر گراں ہوتا ہے اور جو وقت اس طرح گذرے اُسے وہ سمجھتے ہیں کہ ضائع گیا، اُسے تبلیغ پر صرف کرنا چاہئے تھا۔ ایسے لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ تلوار اور سامانِ جنگ کے بغیر لڑائی نہیں جیتی جاسکتی جس طرح لڑائی کے لئے اسلحہ اور سامان جنگ کی ضرورت ہے اسی طرح تبلیغ بھی بغیر سامانوں کے نہیں ہوسکتی۔ تبلیغ کے میدانِ جنگ کے لئے ذکر الٰہی آرسنل اور فیکٹری ہے اور جو مبلغ ذکر الٰہی نہیں کرتا وہ گویا ایک ایسا سپاہی ہے جس کے پاس تلوار نیزہ یا کوئی اور اسلحہ نہیں۔ ایسا مبلغ جس چیز کو تلوار یا اپنا ہتھیار سمجھتا ہے وہ کِرم خوردہ لکڑی کی کوئی چیز ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ وہی دلیل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے اور دل پر اثر کرتی تھی لیکن وہی دلیل دوسرا پیش کرتا ہے لیکن سننے والا ہنس کر گذر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا بیہودہ باتیں کر رہا ہے۔ یہ فرق کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُس شخص کے پاس جو ہتھیار ہے وہ لکڑی کا کِرم خوردہ ہتھیار ہے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوہے کی ایسی تیز تلوار تھی جو ذکر الٰہی کے کارخانے سے تازہ ہی بن کر نکلی تھی۔ کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتوں میں جو اثر تھا وہ دوسروں کی باتوں میں نہیں۔ ہمارے مبلغوں کی تقریروں میں وہ اثر نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جس مبلغ کی تقریر کو ذکر الٰہی نے تلوار نہیں بنایا ہوتا۔ اُس کے ہاتھ میں لکڑی کا کرم خوردہ ہتھیار ہے جسے گُھن لگا ہوا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

ہاتھ میں جو تلوار تھی وہ ذکرِ الٰہی کے کارخانے سے نئی نئی بن کر آئی تھی جسے نہ کوئی زنگ لگا تھا نہ چربی وغیرہ کوئی چیز لگی تھی۔ مبلغ جو تلوار استعمال کرتا ہے وہ کسی پرانی فیکٹری میں بنی ہوئی ہوتی ہے۔ جسے دندانے اور نشان وغیرہ پڑ چکے ہیں اور جو پہلے استعمال ہو چکنے کی وجہ سے خراب ہو چکی ہے اور پُرانی ہونے کی وجہ سے اس کے ہینڈل کو کیڑا لگا ہوا ہے۔ یہ اسے مارتا ہے تو بجائے دوسرے کو نقصان پہنچانے کے خود ہی ٹوٹ کر گر جاتی ہے۔ دوسرے پر اثر تبلیغ اور دلیل سے ہی نہیں پڑتا بلکہ اس کے پیچھے جو جذبہ ہوتا ہے اس کا اثر ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہتے تھے اس محلہ میں ایک بہت فسادی اور شریر آدمی تھا جو ہر وقت عیّاشی میں مصروف رہتا اور دین سے ہمیشہ مذاق کرتا تھا وہ اسے بہت سمجھاتے تھے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں حج کے لئے گیا تو اسے دیکھا کہ نہایت عجز و انکسار کی حالت میں طواف کر رہا ہے جب فارغ ہوئے تو اس بزرگ نے اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم حج کے لئے آ گئے؟ تم تو دین سے مذاق کیا کرتے تھے اور کسی نصیحت کا تم پر اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ اس نے کہا میری ہدایت کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مَیں بازار میں جا رہا تھا عیّاشی کے خیالات میں محو تھا اور عیش وطرب کے مرکز کی طرف ہی جا رہا تھا کہ ایک مکان میں کوئی شخص قرآن شریف بلند آواز سے پڑھ رہا تھا کہ آیت اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میرے کان میں پڑی۔ یعنی کیا مومنوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ جب اُن کے دل خدا تعالیٰ کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں اور وہ ذکرِ الٰہی شروع کر دیں۔ اس آواز میں ایسا سوز وگداز اور ایسی محبت تھی کہ مجھے یوں معلوم ہوا کہ وہ دنیا میں سے کسی انسان کی آواز نہ تھی۔ اُس آواز کو سُنتے ہی مَیں گویا اُڑ کر کہاں سے کہاں پہنچ گیا اسی وقت گھر آیا اور عیش وطرب کے سب سامان توڑ ڈالے اور حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ قرآن کی وہی آیت ہے جو کئی لوگ پڑھتے اور سُنتے ہیں مگر اُن پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا لیکن یہی آیت جب ایک ایسے دل سے نکلی جو ذکرِ الٰہی سے سرسبز اور شاداب تھا تو سننے والے پر ایسا اثر کیا کہ اُس کی زندگی میں گویا ایک انقلاب پیدا کر دیا۔"

"اسی طرح ایک اَور بزرگ کا واقعہ ہے کہ کسی شہر میں بادشاہ کا کوئی درباری رہتا تھا جس

کے ہاں شب وروز گانا بجانا ہوتا اور محلہ والے سخت تنگ آ چکے تھے۔ محلہ کے لوگ اس بزرگ کے پاس گئے اور کہا کہ اس طرح رات بھر شور وشر کی وجہ سے عبادت میں خلل پڑتا ہے اگر عبادت کرنا چاہیں تو شور کی وجہ سے نہیں کر سکتے اور اگر سونا چاہیں کہ تہجد کے وقت اُٹھیں گے تو شور کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔ اِن حالات میں ہم لوگ کیا کریں؟ کئی لوگ اس درباری کو سمجھاتے رہے وہ بزرگ بھی پیغام بھیجتے رہے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور نہ ہوا۔ آخر جب لوگوں نے اس درباری سے کہا کہ اب سختی سے تمہارا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اُس نے جواب دیا کہ تم میرا کیا مقابلہ کر سکتے ہو؟ تم جانتے نہیں کہ مَیں بادشاہ کا درباری ہوں مَیں بادشاہ سے کہہ کر کل یہاں پولیس مقرر کرادوں گا۔ پھر تم کو اچھی طرح پتہ لگ جائے گا۔ اُس بزرگ نے کہا کہ تم پولیس مقرر کرالو گے تو ہم بھی مقابلہ کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ بڑے آئے مقابلہ کرنے والے تمہارے پاس کیا رکھا ہے؟ جس سے بادشاہ کی فوجوں کا مقابلہ کرو گے؟ اُس بزرگ نے کہا کہ ہم توراتوں کے تیروں سے مقابلہ کریں گے اس بزرگ کو دعاؤں کی طاقت اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا جو یقین تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ اُن کے مونہہ سے یہ بات نکلنے کے ساتھ ہی اس درباری کی چیخیں نکل گئیں۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ سارنگیاں وغیرہ توڑ دی جائیں اور اس بزرگ سے کہا کہ راتوں کے تیروں کا مقابلہ ہم واقعی نہیں کر سکتے۔ تو ذکر الٰہی کی طاقت سے بات میں بہت زیادہ اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ دیکھو قرآن کریم وہی تھا مگر مسلمان اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے اس لئے کہ اُن کے دلوں میں حقیقی ایمان نہ تھا مگر وہی قرآن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ میں آ کر کس طرح اسلام کے دشمنوں کو تہس نہس کر رہا ہے۔ اور چاروں طرف مُردے ہی مُردے نظر آتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ذکر الٰہی کی طاقت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وفاتِ مسیح کے جو دلائل پیش فرمائے ہیں اُن میں بیس تیس بلکہ اَور سو کا اضافہ بھی بے شک کر لو لیکن اگر ذکر الٰہی نہیں تو ان تمام دلائل اور انہیں بیان کرنے والے مبلغوں کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ اثر زبان نہیں دل کا جذبہ کرتا ہے۔ خالی زبانی باتوں سے کچھ نہیں بنتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے اور وہ معقول بات کو ہی قبول کرتا ہے لیکن صرف بات کا معقول ہونا ہی اثر نہیں کر سکتا جب تک کہ اُس کے ساتھ

محبت اور سنجیدگی نہ ہو۔ بات معقول بھی ہو اور پھر اس کے ساتھ محبت اور سنجیدگی بھی ہو تب اثر ہوتا ہے۔ اخلاص اور محبت کے بغیر کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلدِّیْنُ النُّصْحُ یعنی دین اور اخلاص ایک چیز ہے۔ جب تک اخلاص نہیں دین بھی نہیں اور جب اخلاص مٹے گا دین بھی مٹ جائے گا۔'' (الفضل 6/اکتوبر 1942ء)

خلافت ثانیہ میں وقف زندگی کے عظیم الشان نتائج

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ نے جو جو آپ کی صفات بیان فرمائی تھیں وہ آپ کے وجود میں سورج بن کر چمکیں مثلاً وہ جلد جلد بڑھے گا، قومیں اُس سے برکت پائیں گی، وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ یہ پیشگوئیاں کس شان سے پوری ہوئیں حضرت مصلح موعودؓ کے روح پرور الفاظ میں پیش ہیں:

''خدا تعالیٰ نے ایسے غیب سے سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ ہماری جماعت آپ ہی آپ مختلف ممالک میں پھیلتی جا رہی ہے اور وہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے جو حضرت اقدس نے فرمائی تھی کہ میرے ذریعہ اسلام اور احمدیت کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا۔ آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ یہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے کے متعلق فرمائی تھی کس شان کے ساتھ پوری ہوئی .... اس سال (1944ء) کے شروع میں 5 اور 6 جنوری کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام کے ذریعہ بتا دیا کہ میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کا حضرت اقدس کی پیشگوئی میں ذکر کیا گیا تھا اور میرے ہی ذریعے سے دور دراز ملکوں میں خدائے واحد کی آواز پہنچے گی۔ میرے ذریعے ہی شرک کو مٹا دیا جائے گا............ خصوصاً مغربی ممالک جہاں توحید کا نام مٹ چکا ہے وہاں میرے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ توحید کو بلند کرے گا اور شرک اور کفر کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا جائے گا تب جبکہ خدا نے مجھے یہ خبر دی میں نے اس کا دنیا میں اعلان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آج میں اس جلسہ میں اسی واحد و قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتا کہ خدا نے اسی شہر لاہور میں 13 ٹمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے

مکان میں یہ خبر دی کہ میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں اور میں ہی ہوں جس کے ذریعے اسلام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اور توحید دنیا میں قائم ہوگی۔............ اس پیشگوئی کی صداقت پر وہ لاکھوں لوگ گواہ ہیں جو میرے ذریعہ اسلام پر قائم ہوئے، جو میرے ذریعے توحید پر قائم ہوئے، جو میرے ذریعے خدا اور اس کے رسولؐ کے والا وشیدا بنے، عیسائی اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، آریہ اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، مسلمان اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی.................. خدائے علیم وخبیر نے حضرت اقدس کو خبر دی تھی کہ تیرا ایک بیٹا ہوگا اور وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔

انگلستان اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
سپین اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
اٹلی اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
برلن اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
ہنگری اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
البانیہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
یوگوسلاویہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
پولینڈ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
سیرالیون اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
گولڈ کوسٹ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
نائیجیریا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
مصر اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
کینیا کالونی اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
یوگنڈا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،
زنجبار اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی،

ٹانگا نیکا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
سیلون اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
ماریشس اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
فلسطین اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
شام اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
روس اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
چین اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
جاپان اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
سماٹرا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
جاوا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
ملایا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
بورنیو اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
ایران اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
کابل اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،
ہندوستان اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی،

دنیا میں کونسا ایسا انسان ہے جس میں یہ طاقت ہو کہ وہ دلوں کو فتح کر سکے، دنیا میں کون سا ایسا انسان ہے جو لوگوں کو اس عظیم الشان قربانی پر آمادہ کر سکے، یہ خدا تعالیٰ کا ہی ہاتھ تھا جس نے دنیا میں اس قدر تغیرات پیدا کئے، یہ خدا تعالیٰ کا ہی ہاتھ تھا جس نے لوگوں کے دلوں کو کھینچا اور انہیں اسلام کے لئے اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کرنے کے لئے آمادہ کیا''

(الفضل 18 فروری 1958ء)

اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ 28/ دسمبر 1953ء کو اپنے عظیم الشان خطاب سیر روحانی کے آخر پر

مسلمانوں کی ابتر حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے جماعت کو وقف کی اور تبلیغ اسلام کی تحریک میں جوش وخروش سے حصہ لینے کی تاکید کرتے ہوئے نہایت پر شوکت الفاظ میں فرمایا:

''افسوس! کہ اس نوبت خانہ کو مسلمانوں نے خاموش کر دیا۔ یہ نوبت خانہ حکومت کی آواز کی جگہ چند مرثیہ خوانوں کی آواز بن کر رہ گیا اور اس نوبت کے بجنے پر جو سپاہی جمع ہوا کرتے تھے وہ کروڑوں سے دسیوں پر آ گئے اور ان میں سے بھی ننانوے فیصدی صرف رسمًا اُٹھک بیٹھک کر کے چلے جاتے ہیں۔ تب اس نوبت خانہ کی آواز کا رُعب جاتا رہا۔ اسلام کا سایہ کھچنے لگ گیا۔ خدا کی حکومت پھر آسمان پر چلی گئی اور دُنیا پھر شیطان کے قبضہ میں آ گئی۔

''اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے اور تم کو، ہاں تم کو، ہاں تم کو، خدا تعالیٰ نے پھر اِس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!!! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دُنیا کے کان پَھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اِس قَرنا میں بھر دو۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اِس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اُٹھیں تا کہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آ جائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اِس زمین پر قائم ہو جائے۔ اِسی غرض کے لئے میں نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اِسی غرض کے لئے میں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمد رسول اللہؐ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے تم نے مسیح سے چھین کر پھر وہ تخت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِؐ کو دینا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِؐ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دُنیا میں قائم ہونی ہے۔ پس میری سنو! اور میری بات کے پیچھے چلو کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے۔ میری آواز نہیں مَیں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔ تم میری مانو! خدا تمہارے ساتھ ہو! خدا تمہارے ساتھ ہو! خدا تمہارے ساتھ ہو!! خدا تمہارے ساتھ ہو اور تم دُنیا میں بھی عزت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 285 تا 287)

فارم معاہدہ واقف زندگی

خلفاء کے ارشادات کی روشنی میں وقف زندگی کرنے والے احباب کیلئے درج ذیل فارم تیار کیا گیا ہے جو ہر واقف زندگی پر کرتا ہے۔

مَیں اپنی ساری زندگی برضاء ورغبت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بغیر کسی قسم کی شرط کے وقف کرتا ہوں اور دفتر تحریک جدید سے مندرجہ ذیل عہد کرتا ہوں:

1۔ میں ہر قسم کی خدمت کو جو میرے لئے تجویز کی جائیگی بغیر کسی معاوضہ کے اُن ہدایات کے مطابق بجالاؤں گا جو میرے لئے تجویز ہوں گی۔

2۔ مَیں کسی وقت بھی نظام سلسلہ کے خلاف عملاً یا قولاً کوئی حرکت نہیں کروں گا بلکہ ہمیشہ جملہ ہدایات مرکزیہ کی پابندی کروں گا۔ اسی طرح نظام وقف تحریک جدید کا بھی پورا احترام کروں گا اور لفظاً اور معناً اُس کی اتباع کروں گا۔

3۔ اگر میرے لئے یا میرے اہل وعیال کے گذارہ کے لئے کوئی رقم دفتر تحریک جدید کی طرف سے منظور کی جائیگی تو اُسے بطور اپنے حق کے شمار نہیں کروں گا بلکہ اُسے انعام سمجھتے ہوئے قبول کروں گا۔

4۔ جو صورت میری تعلیم و تربیت کے لئے تجویز کی جائے گی اُس کی پورے طور پر پابندی کروں گا۔

5۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام سے بھی جو میرے لئے تجویز کیا جائے گا روگردانی نہیں کروں گا۔ بلکہ نہایت خندہ پیشانی اور پوری کوشش سے سرانجام دوں گا۔

6۔ اگر میرے لئے کسی وقت کوئی سزا تجویز کی جائے گی تو بلا چون و چرا اور بلا عذر اُسے برداشت کروں گا۔

7۔ دفتر تحریک جدید کی طرف سے خواہ اندرون ہند یا بیرون ہند جہاں بھی مقرر کیا جائے گا وہاں بخوشی دفتر کی ہدایات کے مطابق کام کروں گا۔

8۔ اگر کسی وقت مجھے کسی وجہ سے وقف سے علیحدہ کیا جائے گا تو اُس میں مجھے کوئی اعتراض نہیں

ہوگا۔لیکن مجھے یہ اختیار نہ ہوگا کہ کسی وقت بھی اپنی مرضی سے اپنے آپ کو اُن فرائض سے علیحدہ کرسکوں جو میرے سپرد کئے گئے ہوں گے۔

9۔ میں ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں۔خواہ وہ مالی ہو یا جانی ہو،عزت کی ہو یا جذبات کی ہو۔

10۔جس شخص کے ماتحت اُسے کام کرنے کے لئے کہا جائے گا اُس کی کامل تابعداری کروں گا۔

اس فارم کے ساتھ درج ذیل کوائف بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔

1۔نام والداور پتہ۔ 2۔عمر۔

3۔دنیوی تعلیم۔ 4۔دینی تعلیم۔

5 ۔تاریخ بیعت۔ 6۔کیا شادی ہوچکی ہے؟

7۔اگرشادی ہوچکی ہےتو کتنے بچے ہیں اوراُن کی عمریں کیا ہیں؟

8......عرصہ دس پندرہ سال سے رہائش کس جگہ ہے؟

9۔جدی وطن کس جگہ ہے؟

10۔آپ کی قوم کیا ہے؟

11۔اگرزمیندارہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تو اپنی ملکیتی زرعی زمین کس قدر ہے؟

12۔فی الحال آپ کے اخراجات کا کفیل کون ہے؟

13۔اگرملازم ہیں تو ماہوار آمد کس قدر ہے؟

14۔دفتری ملازمت کی صورت میں کس قسم کے دفتری کام کا تجربہ ہے؟

15۔کس کس صنعت سے خاص دلچسپی ہےاوراس کا تجربہ کس حد تک ہے؟

16۔کیا کبھی لیکچر دینے کا موقعہ ملا ہے؟

17۔اگر لیکچر دینے کا موقعہ نہیں ملا تو کیا اپنے مافی الضمیر کوسہولت کے ساتھ ادا کرنے کی اہلیت اپنے اندر پاتے ہیں؟

18۔ذاتی رجحان طبیعت کس کس قسم کے کاموں کی طرف ہے؟

19۔کیا آپ مجلس خدام الاحمدیہ اورانصاراللہ میں سے کسی مجلس کے ممبر ہیں؟

20۔کیا اس مجلس میں کوئی عہدہ بھی آپ کے سپرد ہے؟

21۔کس جماعت سے انتظامی تعلق رکھتے ہیں؟

22۔امیر جماعت یا پریذیڈنٹ کا پتہ کیا ہے؟

23۔کیا فارم معاہدہ کی شرائط کو اچھی طرح سے سوچ کر اُسے پُر کیا ہے؟

(مطالباتِ تحریک جدید صفحہ 70 تا72)

اہل ربوہ اور وقفِ زندگی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ربوہ میں رہائش اختیار کرنے کے بعد مؤرخہ 30ستمبر 1949ء کو ولولہ انگیز اور روح پرور خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے اہل ربوہ کو ہمیشہ خدمت دین کے لئے تیار رہنے کی تلقین فرمائی اور بتایا کہ اس پاک بستی میں صرف انہی مخلصین کو رہنا چاہئے جو عملاً واقف زندگی ہوں اور ہمیشہ خدا پر توکل کرنے والے ہوں۔فرمایا:

’’اب یہاں ہماری عمارتیں بننی شروع ہوگئی ہیں،لوگ رہنے لگ گئے ہیں دکانیں کُھل گئی ہیں، کچھ کارخانوں کی صورت بھی پیدا ہورہی ہے کیونکہ چکّیاں وغیرہ لگ رہی ہیں۔مزدور بھی آ گئے ہیں، پیشہ ور بھی آ گئے ہیں،اور دفتر بھی آ گئے ہیں مگر یہ سب عارضی انتظام ہے مستقل انتظام کے لئے یہ شرط ہوگی کہ صرف ایسے ہی لوگوں کو ربوہ میں رہنے کی اجازت دی جائے گی جو اپنی زندگی عملی طور پر دین کی خدمت کے لئے وقف کرنے والے ہوں۔میرا یہ مطلب نہیں کہ یہاں رہنے والا کوئی شخص دکان نہیں کرسکتا یا کوئی اَور پیشہ نہیں کرسکتا۔وہ ایسا کرسکتا ہے مگر عملاً اُسے دین کی خدمت کے لئے وقف رہنا پڑے گا جب بھی سلسلہ کو ضرورت ہوگی وہ بلا چون و چرا اپنا کام بند کرکے سلسلہ کی خدمت کرنے کا پابند ہوگا مثلاً اگر تبلیغ کے لئے وفد جارہے ہوں یا علاقہ میں کسی اَور کام کے لئے اُس کی خدمات کی ضرورت ہو تو اُس کا فرض ہوگا کہ وہ فوراً اپنا کام بند کرکے باہر چلا جائے۔انہی شرائط پر لوگوں کو زمین دی جائے گی اور جو لوگ اس کے پابند نہیں ہوں گے اُنہیں یہاں زمین نہیں دی جائے گی۔‘‘

تمام اہل ربوہ خدمت دین کے لئے وقف ہوں

''ہم چاہتے ہیں کہ یہ جگہ ایک مثالی جگہ ہو جس طرح ظاہر میں ہم اسے دین کا مرکز بنا رہے ہیں اس طرح حقیقی طور پر یہاں کے رہنے والے سب کے سب افراد دین کی خدمت کے لئے وقف ہوں وہ بقدرِ ضرورت دنیا کا کام بھی کرتے ہوں لیکن ان کا اصل مقصد دین کی خدمت اور اس کی اشاعت ہو۔''

صحابہؓ کی مثال

''یوں تو صحابہؓ بھی دنیا کے کام کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں کوئی ایک سپاہی بھی ایسا نہیں تھا جو تنخواہ دار ہو، کوئی دکاندار تھا، کوئی زمیندار تھا، کوئی مزدور تھا، کوئی لوہار تھا، کوئی ترکھان تھا، غرض سارے کے سارے پیشہ ور تھے جس طرح آپ لوگوں کی دکانیں ہیں اسی طرح اُن کی بھی دکانیں تھیں جس طرح آپ لوگوں کی زمینداریاں اسی طرح اُن لوگوں کی بھی زمینداریاں تھیں۔ اگر آپ لوگ مختلف پیشوں سے کام لیتے ہیں، مزدوری کرتے ہیں یا بڑھئی اور لوہار کا کام کرتے ہیں تو وہ بھی سب کام کرتے تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ کے لئے نکلتے تو وہ سب کے سب آپ کے ساتھ چل پڑتے تھے۔ اُس زمانہ میں جنگ تھی اِس زمانہ میں تبلیغ کا کام ہمارے سپرد ہے۔ آپ صحابہؓ سے فرماتے چلو تو وہ سب چل پڑتے تھے۔ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہماری دکانیں بند ہو جائیں گی۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اُن کے بیوی بچے نہیں تھے۔ آج کل لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر ہم دین کی خدمت کے لئے جائیں تو ہمارے بیوی بچوں کو کون کھلائے گا؟ سوال یہ ہے کہ آیا صحابہؓ کے بیوی بچے تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو جنگ پر جانے کے بعد انہیں کون کھلاتا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی ترقی قربانی سے وابستہ ہے۔ روپیہ ایک عارضی چیز ہے جیسے تحریکِ جدید کے ابتداء میں ہی مَیں نے کہہ دیا تھا کہ روپیہ ایک ضمنی چیز ہوگی۔ تحریکِ جدید کی اصل بنیاد وقفِ زندگی پر ہوگی...... یہ جگہ خدا تعالیٰ کے ذکر کے بلند کرنے کے لئے مخصوص ہونی چاہئے۔ یہ جگہ خدا تعالیٰ کے نام کے پھیلانے کے لئے مخصوص ہونی چاہئے یہ جگہ خدا تعالیٰ کے

دین کی تعلیم اور اس کا مرکز بننے کے لئے مخصوص ہونی چاہئے۔ہم میں سے ہر شخص کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنی اولاد اور اپنے اعزّہ اور اقارب کو اس رستہ پر چلانے کی کوشش کرے کہ صرف ہم ہی نہیں بلکہ ہماری آئندہ نسلیں بھی اس مقام کو دین کا مرکز بنائے رکھیں اور ہمیشہ دین کی خدمت اور اس کے کلمہ کے اعلاء کے لئے وہ اپنی زندگیاں وقف کرتے چلے جائیں۔''

خدمت دین نہ کرنے والوں کو تنبیہ

''لیکن اگر ہماری کسی غلطی اور گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یہ مقام ہمیں نصیب نہ کرے اور ہماری ساری اولادیں یا ہماری اولادوں کا کچھ حصّہ دین کی خدمت کرنے کے لئے تیار نہ ہو، اللہ تعالیٰ پر توکل اس کے اندر نہ پایا جاتا ہو، خدا تعالیٰ کی طرف انابت کا مادہ اس کے اندر موجود نہ ہو، تو پھر ہمیں اپنے آپ کو اس امر کے لئے تیار رکھنا چاہئے کہ جس طرح ایک مردہ جسم کو کاٹ کر الگ پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح ہم اس کو بھی کاٹ کر الگ کر دیں اور اس جگہ کو دین کی خدمت کرنے والوں کے لئے ان سے خالی کروالیں۔''

(خطبہ جمعہ 30رستمبر 1949ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 14 صفحہ نمبر 31)

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی آخری بابرکت تحریک وقف جدید

حضرت مصلح موعودؓ کی دلی تمنا تھی کہ جلد از جلد اسلام ساری دنیا میں پھیل جائے اور تمام افراد خدمت دین کے لئے عملاً وقف ہوں تا خدا کے مقربین میں شمار ہوں۔اس مقصد کے لئے حضور نے بار بار وقف کی مختلف تحاریک فرمائیں۔تحریک جدید کے تحت واقفین زندگی کو عموماً بیرونی ممالک میں اشاعت اسلام کے لئے بھیجا جاتا ہے۔اندرون ملک تبلیغ وتربیت کے وسیع کام کو دیکھتے ہوئے حضور انورؓ نے وقف جدید کی تحریک فرمائی۔اس لحاظ سے مورخہ 9رجولائی 1957ء کا دن سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا کیونکہ اس روز سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے ولولہ انگیز خطبہ عیدالاضحیہ میں ''وقف جدید'' کی مبارک سکیم پیش کی۔حضور کے اس تاریخی خطبہ کے چند اقتباس درج ذیل ہیں:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اصل قربانی وقف کی تھی

حضرت اسماعیلؑ کی قربانی یہ نہیں تھی جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہیں ذبح کرنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے زمین پر لٹا دیا تھا۔لیکن بعد میں خدا تعالیٰ سے الہام پا کر آپ نے ذبح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور الٰہی اشارہ کی بناء پر ان کی جگہ ایک بکرا ذبح کر دیا۔ مَیں بار ہا بتا چکا ہوں کہ در حقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وادیٔ مکّہ میں چھوڑ آنے کے متعلق یہ رؤیا دکھائی گئی تھی۔ کیونکہ ایک بے آب و گیاہ وادی میں بیٹھ جانا بھی بہت بڑی قربانی ہے۔ جیسے شروع شروع میں ربوہ میں چند آدمی خیمے لگا کر بیٹھ گئے تھے تا کہ اسے آباد کیا جائے۔ وہ آدمی در حقیقت اس وقت اسمٰعیلی سنّت کو پورا کر رہے تھے وہ صرف اس لئے یہاں بیٹھ گئے تھے کہ آئندہ یہاں ربوہ آباد کیا جائے۔ اگر وہ قربانی نہ کرتے اور ربوہ میں آ کر خیمے لگا کر نہ بیٹھ جاتے تو نہ شہر بنتا نہ سڑکیں بنتیں نہ بازار بنتے۔ نہ مکانات بنتے اور یہ جگہ پہلے کی طرح چٹیل میدان ہی رہتی...........

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رؤیا کا یہ مطلب تھا کہ آپ اپنی مرضی سے اور یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ وادیٔ مکّہ ایک بے آب و گیاہ جنگل ہے۔ اور وہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا اپنی بیوی اور بچے کو وہاں چھوڑ آئیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو آپ نے اپنی نیکی اور تقویٰ کے ساتھ اپنے گرد لوگوں کا ایک گروہ جمع کر لیا اور انہیں نماز اور زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کی تحریک کر کے اور اسی طرح عمرہ اور حج کے طریق کو جاری کر کے آپ نے مکّہ کو آباد کرنا شروع کیا۔ چنانچہ ان کی قربانیوں کے نتیجے میں صدیوں سے مکّہ آباد چلا آتا ہے۔ قریباً تین ہزار سال سے برابر خانہ کعبہ آباد ہے اور اس کا طواف اور حج کیا جاتا ہے۔

پس عید الاضحیہ کی قربانی بے شک اس قربانی کی یاد دلاتی ہے۔ مگر اس قربانی کی یاد نہیں دلاتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظاہری شکل میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری پھیر دی۔

عید قربان کا پیغام

در حقیقت قربانیوں کی عید ہمیں اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی خاطر اور اس کے بعد

دین کے لئے جنگلوں میں جائیں اور وہاں جا کر خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کریں اور لوگوں سے اس کے رسول کا کلمہ پڑھوائیں جیسا کہ ہمارے صوفیاء کرام کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہماری قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے مشابہ ہوگی۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ قربانی بالکل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح ہو جائے گی کیونکہ دلوں کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دل کی حالت اَور تھی اور ہمارے زمانہ کے لوگوں کے دلوں کی حالت اور ہے مگر بہرحال وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے مشابہ ضرور ہو جائے گی۔ پس تم اپنے آپ کو اس قربانی کے لئے پیش کرو۔

افریقہ کے مبلغین کی قربانیوں کا تذکرہ

میرے نزدیک اس زمانہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے مشابہ قربانی وہ مبلغ کر رہے ہیں۔ جو مشرقی اور مغربی افریقہ میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ وہ غیر آباد ملک ہیں جن میں کوئی شخص خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا نام نہیں جانتا تھا لیکن ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر انہیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا نام بتایا۔ مَیں پہلے بھی ایک خطبہ میں بتا چکا ہوں کہ مغربی افریقہ کے ایک ملک میں عیسائیوں نے اپنے پریس میں احمدی اخبار کا چھاپنا بند کر دیا تو ہمارے مبلغ انچارج جماعت کا علیحدہ پریس لگانے کے سلسلہ میں چندہ اکٹھا کرنے کے لئے ایک جگہ گئے وہاں انہیں ایک ایسا آدمی ملا جسے انہوں نے بڑی تبلیغ کی تھی۔ مگر اس نے احمدیت قبول نہیں کی تھی۔ بعد اس کے پاس ایک مقامی مبلغ پہنچا۔ تو اس نے کہا کہ تمہارے بڑے پاکستانی مبلغ نے مجھے تبلیغ کی ہے لیکن اگر یہ دریا (وہ اس وقت ایک دریا کے کنارے جا رہے تھے) اپنا رُخ پھیر کر الٹی طرف چل پڑے تو یہ بات ممکن ہے لیکن میرا احمدیت کو قبول کرنا ناممکن ہے۔ لیکن کچھ دن اس مبلغ کی صحبت میں رہنے کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ احمدی ہو گیا۔ ہمارے مبلغ انچارج کہتے ہیں کہ جب میں وہاں چندہ لینے گیا تو اتفاقاً وہ شخص اس شہر میں آیا ہوا تھا وہ مجھے ملا اور کہنے لگا آپ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں؟ مَیں نے اسے اپنی آمد کا مقصد بتایا اور کہا کہ عیسائیوں نے اپنے پریس میں ہمارا اخبار شائع کرنے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر تمہارے خدا میں کوئی طاقت ہے تو اسے چاہئے کہ وہ کوئی معجزہ دکھائے اور تمہارا اپنا پریس جاری کر دے۔ پس میں اپنا علیحدہ پریس لگانے کے لئے چندہ اکٹھا کرنے آیا ہوں۔ اس پر وہ احمدی دوست کہنے لگا مولوی صاحب! یہ تو بڑی بے غیرتی

ہے کہ اب ہمارا اخبار ان کے پریس میں چھپے۔آپ یہاں کچھ دیر انتظار کریں مَیں ابھی آتا ہوں۔اس کا گاؤں قریب ہی تھا وہ وہاں گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر اس نے پانچ سو پونڈ کی رقم مولوی صاحب کے ہاتھ میں دے دی اور کہا کہ پریس کے سلسلہ میں یہ میرا چندہ ہے۔اس کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اس مد میں 2500 پونڈ کے قریب چندہ جمع ہو چکا ہے اور اب سُنا ہے کہ پریس لگ رہا ہے یا کم از کم وہ انگلستان سے چل چکا ہے۔غرض ہمارے یہ مبلغ ایسے ممالک میں کام کر رہے ہیں جہاں جنگل ہی جنگل ہیں۔شروع شروع میں جب ہمارے مبلغ وہاں گئے تو بعض دفعہ انہیں وہاں درختوں کی جڑیں کھانی پڑتی تھیں اور وہ نہایت تنگی سے گذارہ کرتے تھے۔جس کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہو جاتی تھی.................. ان ممالک کو سفید آدمیوں کی قبر کہا جاتا ہے۔کیونکہ وہاں کھانے پینے کی چیزیں نہیں ملتیں۔جب سفید آدمی وہاں جاتے ہیں تو وہ مناسب خوراک نہ ملنے کی وجہ سے مرجاتے ہیں اور پیچش وغیرہ بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔غرض اس زمانہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے زیادہ سے زیادہ مشابہت ہمارے مبلغوں کو حاصل ہے۔جو اس وقت مشرقی اور مغربی افریقہ میں کام کر رہے ہیں۔کیونکہ وہ ملک اس وقت بھی جنگل ہیں اور دنیا میں کوئی اور ملک جنگل نہیں۔امریکہ بھی آباد ہے یورپ بھی آباد ہے اور مڈل ایسٹ بھی اب آباد ہو چکا ہے لیکن افریقہ کے اکثر علاقے اب بھی غیر آباد ہیں۔ان میں تبلیغ کرنے والوں کو بڑے بڑے لمبے سفر کرنے پڑتے ہیں اور بڑی جانکاہی کے بعد لوگوں تک اسلام پہنچانا پڑتا ہے۔خدا تعالیٰ نے یہ ملک ہمارے لئے رکھے تھے تاکہ ہمارے نوجوان ان میں کام کرکے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے مشابہت حاصل کریں۔پس خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے نوجوان افریقہ کے جنگلات میں بھی کام کر رہے ہیں۔

اس ملک کے لئے سکیم

مگر میرا یہ خیال ہے کہ اس ملک میں بھی اس طریق کو جاری کیا جا سکتا ہے چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اگر کچھ نوجوان ایسے ہوں جن کے دلوں میں یہ خواہش پائی جاتی ہو۔کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتی اور حضرت شہاب الدین صاحب سہروردیؒ کے نقشِ قدم پر چلیں تو جس طرح جماعت کے نوجوان اپنی زندگیاں تحریک جدید کے ماتحت وقف کرتے ہیں۔وہ اپنی زندگیاں براہِ راست میرے

سامنے وقف کریں۔تاکہ مَیں ان سے ایسے طریق پر کام لوں کہ وہ مسلمانوں کو تعلیم دینے کا کام کر سکیں۔ وہ مجھ سے ہدایتیں لیتے جائیں اور اس ملک میں کام کرتے جائیں۔ ہمارا ملک آبادی کے لحاظ سے ویران نہیں۔لیکن رُوحانیت کے لحاظ سے بہت ویران ہو چکا ہے۔اورآج بھی اس میں چشتیوں کی ضرورت ہے سہروردیوں کی ضرورت ہے نقشبندیوں کی ضرورت ہے اگر یہ لوگ آگے نہ آئے اور حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت شہاب الدین صاحب سہروردیؒ اور حضرت فرید الدین شکر گنج جیسے لوگ پیدا نہ ہوئے تو یہ ملک رُوحانیت کے لحاظ سے اور بھی ویران ہو جائے گا۔ بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ ویران ہو جائے گا جتنا مکّہ مکرمہ کسی زمانہ میں آبادی کے لحاظ سے ویران تھا۔

جماعت کے نوجوان ہمت کریں

’’پس میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے نوجوان ہمت کریں اور اپنی زندگیاں اس مقصد کے لئے وقف کریں۔اس طرح آہستہ آہستہ دُنیا میں نئی آبادیاں قائم کریں اور طریق آبادی کا یہ ہوگا کہ وہ حقیقی طور پر نہیں ہاں معنوی طور پر ربوہ اور قادیان کی محبت اپنے دل سے نکال دیں اور باہر جا کر نئے ربوے اور نئے قادیان بسائیں۔ابھی اس ملک کے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں میلوں میل تک کوئی بڑا قصبہ نہیں وہ جا کر کسی ایسی جگہ بیٹھ جائیں اور حسبِ ہدایت وہاں تبلیغ بھی کریں اور لوگوں کو تعلیم بھی دیں۔لوگوں کو قرآن کریم اور حدیث پڑھائیں اور اپنے شاگرد تیار کریں جو آگے اور جگہوں پر پھیل جائیں۔اس طرح سارے ملک میں وہ زمانہ دوبارہ آجائے گا جو پُرانے صوفیاء کے زمانہ میں تھا۔

سو آج بھی زمانہ ہے کہ ہمارے وہ نوجوان جن میں اس قربانی کا مادہ ہو کہ وہ اپنے گھر بار سے علیحدہ رہ سکیں۔بے وطنی میں ایک نیا وطن بنائیں اور پھر آہستہ آہستہ وقف کریں۔میرے نزدیک یہ کام بالکل ناممکن نہیں بلکہ ایک سکیم میرے ذہن میں آرہی ہے۔اگر ایسے نوجوان تیار ہوں جو اپنی زندگیاں تحریک جدید کو نہیں بلکہ میرے سامنے وقف کریں اور میری ہدایت کے ماتحت کام کریں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ خدمتِ اسلام کا ایک بہت بڑا موقعہ اس زمانہ میں ہے۔جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے زمانہ میں تھا۔یا جیسا کہ حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ اور دوسرے صوفیاء یا اولیاء کے زمانہ میں تھا۔‘‘

(الفضل یکم راگست 1957ء)

وقفِ جدید کا مقصد

حضورؓ فرماتے ہیں:

’’میری اس وقف سے غرض یہ ہے کہ پشاور سے لے کر کراچی تک ہمارے معلمین کا جال پھیلا دیا جائے اور تمام جگہوں پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر یعنی دس دس پندرہ پندرہ میل پر ہمارا معلم ہو۔۔۔۔۔۔۔۔پس میں جماعت کے دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ جتنی قربانی کر سکیں اس سلسلہ میں کریں اور اپنے نام اس سکیم کے لئے پیش کریں۔ اگر ہمیں ہزاروں معلم مل جائیں تو پشاور سے کراچی تک کے علاقہ کو ہم دینی تعلیم کے لحاظ سے سنبھال سکتے ہیں اور ہر سال دس دس بیس بیس ہزار اشخاص کی تعلیم و تربیت ہم کر سکیں گے۔ بہر حال دوست اس سکیم کو نوٹ کر لیں اس کے لئے اپنے نام پیش کریں اور اس سلسلہ میں اگر کوئی مفید بات اُن کے ذہن میں آئے تو اس سے بھی اطلاع دیں۔‘‘ (الفضل 16 ر فروری 1958ء)

ایک اور خط میں حضرت فضل عمر نوّر اللہ مرقدہٗ نے فرمایا:

’’پس میں جماعت کے دوستوں کو ایک بار پھر اس وقف کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس قسم کے وقف جاری کرنے پڑیں گے، اور چاروں طرف رشد و اصلاح کا جال پھیلانا پڑے گا یہاں تک کہ پنجاب کا کوئی گوشہ کوئی مقام ایسا نہ رہے جہاں رُشد و اصلاح کی کوئی شاخ نہ ہو۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک مربی ضلع میں مقرر ہو گیا اور پھر وہ دورہ کرتا ہوا ایک جگہ گھنٹہ گھنٹہ دو گھنٹہ ٹھہرتا ہوا سارے ضلع میں پھر گیا۔ اب زمانہ آ گیا ہے کہ ہمارے مربی کو ہر گھر اور ہر جھونپڑے تک پہنچنا پڑے گا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب میری اس نئی سکیم پر عمل کیا جائے اور تمام پنجاب میں بلکہ کراچی سے لے کر پشاور تک ہر جگہ ایسے آدمی مقرر کر دیئے جائیں جو اس علاقہ کے لوگوں کے اندر رہیں اور ایسے مفید کام کریں کہ لوگ ان سے متاثر ہوں۔ انہیں پڑھائیں بھی اور رشد و اصلاح کا کام بھی کریں اور یہ جال اتنا وسیع طور پر پھیلایا جائے کہ کوئی مچھلی باہر نہ رہے اور اس کے ذریعہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ کے لوگوں تک ہماری آواز پہنچ جائے، بلکہ ہر گاؤں کے ہر گھر تک ہماری پہنچ ہو جائے۔‘‘

(الفضل 11 ر جنوری 1958ء)

''گو یہ سکیم بہت وسیع ہے مگر میں نے خرچ کو مدّنظر رکھتے ہوئے شروع میں صرف دس واقفین لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ممکن ہے بعض واقفین افریقہ سے لئے جائیں۔ مگر بہرحال ابتداء دس واقفین سے کی جائے گی اور پھر بڑھاتے بڑھاتے ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔''(الفضل 16رفروری 1958ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ وقف جدید کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ تحریک بنیادی طور پر دو اغراض سے جاری کی گئی۔ پہلی غرض تو یہ تھی کہ پاکستان کے دیہاتی علاقوں میں چونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ ہر جگہ ایک مربی کو تعینات کیا جائے۔ اس لئے خصوصاً نئی نسل میں تربیت کی کمزوری کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے نہ صرف نئی نسلوں میں بلکہ تقسیم ہند کے بعد نوجوان بھی کئی قسم کی معاشرتی خرابیوں کا شکار ہوئے اور بنیادی طور پر دین کے مبادیات سے بھی بعض صورتوں میں وہ غافل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت فضل عمرؓ نے بشدّت یہ محسوس کیا کہ جب تک کوئی ایسی تحریک نہ جاری کی جائے جس کا تعلق خالصۃً دیہاتی تربیت سے ہو اس وقت تک دیہاتی علاقوں میں احمدیت کے مستقبل کے متعلق ہم بے فکر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ حضور نے جب اس تحریک کا آغاز فرمایا تو اولین ممبران وقف جدید میں خاکسار کو بھی مقرر فرمایا اور ابتدائی نصیحتیں جو مجھے کیں ان میں ایک تو دیہاتی تربیت کی طرف توجہ دینے کے متعلق ہدایت تھی۔ اور دوسرے ہندوؤں میں دعوت الی اللہ کی خاص طور پر تاکید کی گئی تھی۔''

(الفضل۔ خطبہ جمعہ 27دسمبر 1985ء)

نوٹ: اس مبارک تحریک کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) کو اس تحریک کا پہلا ممبر مقرر فرمایا اور بعد میں ناظم وقف جدید بھی مقرر فرمایا۔

تحریک وقف جدید کی اہمیت

بانیٔ وقف جدید حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ اس بابرکت تحریک کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے اور ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ میرے دل میں چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ تحریک ڈالی ہے اس لئے خواہ مجھے اپنے مکان بیچنے پڑیں، کپڑے بیچنے پڑے، میں اس فرض کو تب بھی پورا کروں گا۔ اگر جماعت کا ایک فرد بھی میرا ساتھ نہ دے تو خدا تعالیٰ ان لوگوں کو الگ کر دے گا جو میرا ساتھ نہیں دے رہے اور میری مدد کے لئے فرشتے آسمان سے اتارے گا۔ پس میں اتمام حجت کے لئے ایک بار پھر اعلان کرتا ہوں تا کہ مالی امداد کی طرف بھی لوگوں کو توجہ ہو اور وقف کی طرف بھی لوگوں کو توجہ ہو۔'' (5/جنوری 1957ء)

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:

''پس میں احباب جماعت کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ اس تحریک کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کی طرف پوری توجہ دیں اور اس کو کامیاب بنانے میں پورا زور لگائیں اور کوشش کریں کہ کوئی فرد جماعت ایسا نہ رہے جو صاحبِ استطاعت ہوتے ہوئے اس چندے میں حصّہ نہ لے۔'' (الفضل 5/جنوری 1962ء)

جماعت کا اخلاص

حضور انور کی اس مبارک تحریک کے نتیجہ میں خدمت دین کا شوق اور جذبہ رکھنے والے کئی نوجوانوں نے زندگیاں وقف کرتے ہوئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ چنانچہ حضور انور نے ابتداء میں صرف دس معلمین کے ذریعہ تعلیم وتربیت کا کام شروع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ جس کی تعمیل میں معلمین کے لئے ایک تربیتی کلاس کا انعقاد کیا گیا اور بہت جلد ان درویشوں کا ایک گروہ عملی جدوجہد کے واسطے تیار ہو گیا اور یکم/فروری 1958ء کو دعاؤں کے ساتھ معلمین کا پہلا قافلہ سُوئے منزل روانہ ہوا اور آج تک خدا کے فضل سے سینکڑوں کی تعداد میں معلمین پاکستان کے طول وعرض میں تعلیم وتربیت اور تبلیغ کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

دس ہزار واقفین کی ضرورت

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ نے 1959ء میں دس ہزار تک واقفین بڑھانے کا ارشاد فرمایا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

''اب میں تحریک جدید اور وقف جدید کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔تحریک جدید کو قائم ہوئے 45 سال ہو چکے ہیں۔لیکن وقف جدید کو قائم ہوئے ابھی ایک سال ہوا ہے۔وقف جدید میں شامل ہونے والوں کی درخواستیں برابر چلی آ رہی ہیں۔مگر ابھی یہ تعداد بہت کم ہے۔وقف جدید میں شامل ہونے والے لوگ کم از کم ایک ہزار ہونے چاہئیں۔اگر دس ہزار ہوں تو اور بھی بہت اچھا ہے۔اگر ہماری جماعت کے زمیندار اپنی ماہوار آمدنیں بڑھائیں تو وقف جدید کے چندے بھی بڑھ جائیں گے اور مزید آدمی رکھ سکیں گے۔''(الفضل 3/اپریل 1959ء)

وقف جدید کے لئے کس قسم کے معلمین کی ضرورت ہے

مذکورہ بالا کوائف کے علاوہ ایک معلم میں جن خصوصیات کا موجود ہونا ضروری ہے ان کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

''پس ایک تو آج میں وقف جدید کے سالِ نو کا اعلان کرتا ہوں اور دوسرے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس اعلان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بس میں نے آواز اُٹھائی اور وہ آواز اخبار میں چھپ گئی۔لوگ خاموش ہو گئے اور سو گئے بلکہ سالِ نو کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ نیا سال آ رہا ہے، مختلف زاویوں سے اور پہلوؤں سے نئی ذمہ داریوں اور نئی قربانیوں کو ہم اپنی آنکھوں کے سامنے لاسکیں۔ان میں سے ایک ذمہ داری وقف جدید کی ہے، اس ذمہ داری کو اپنے سامنے رکھیں۔ جتنے روپے کی ہمیں ضرورت ہے وہ مہیا کریں اور بطور معلمین جتنے آدمیوں کی ہمیں ضرورت ہے ہمیں دیں، اور مخلص واقف دیں خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے والے، اور اس کی خاطر تکالیف برداشت کرنے والے اس کے عشق میں سرشار ہو کر اس کے نام کو بلند کرنے والے مسیح موعود علیہ السلام پر حقیقی ایمان لانے کے بعد اور آپ کے مقام کو پوری طرح سمجھنے کے بعد جو ایک احمدی کے دِل میں ایک تڑپ پیدا ہونی چاہئے، کہ تمام احمدی اس روحانی مقام تک پہنچیں جس مقام تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام لے جانا چاہتے تھے۔اس تڑپ والے واقفین ہمیں وقف جدید میں چاہئیں۔''

(الفضل 4/اپریل 1967ء)

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

''مال کے علاوہ ایک بڑی ضرورت معلمین کی ہے۔ ایسے معلم جو واقعہ میں اپنی زندگی خدا کی راہ میں وقف کرنا چاہیں ایسے معلم نہیں جو یہ سمجھیں کہ دنیا میں کسی ایسی جگہ ان کا ٹھکانہ نہیں چلو وقف جدید میں جا کر معلم بن جائیں۔ سمجھ دار دُعا کرنے والے خدا اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تفسیر القرآن بیان کی ہے۔ اس سے دلی لگاؤ رکھنے والے اسے پڑھنے والے اسے یاد رکھنے والے اور خدمت کا بے انتہا جذبہ رکھنے والے جس کے دل میں خدمت خلق کا جذبہ نہیں ہو معلم نہیں بن سکتا کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ دنیوی لحاظ سے یا دینی لحاظ سے ہم اپنے بھائی کو جو کچھ بھی دیتے ہیں وہ خدمت کے جذبہ کے نتیجہ میں دیتے ہیں۔ اس کے بغیر ہم دے ہی نہیں سکتے۔'' (دسمبر 1967ء)

وقف جدید رحمت کا دروازہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے وقف جدید کے متعلق فرمایا:

''خدا تعالیٰ کی رحمت کے بہت سے دروازوں میں سے ایک رحمت کا دروازہ جو ہم پر کھولا گیا ہے وہ وقف جدید کا دروازہ ہے۔ اس نظام کے ذریعہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے نیکیاں کرنے اور رحمتیں کمانے کا سامان پیدا کر دیا ہے۔''

(الفضل 4 رجنوری 1967ء)

وقف جدید کے شاندار نتائج

ابتداء میں حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ نے وقف کرنے والوں کے لئے زیادہ تعلیم کی شرط نہ لگائی بلکہ پرائمری پاس تک واقفین کو بھی منظور فرمایا جنہیں مرکز میں رکھ کر تعلیمی و تربیتی لحاظ سے ٹریننگ دی جاتی تھی۔ اللہ کے فضل سے دُنیوی لحاظ سے معمولی تعلیم رکھنے والے ان واقفین نے میدانِ عمل میں قابلِ رشک خدمات سرانجام دیں۔ مگر اب تعلیم کا معیار کم از کم میٹرک کر دیا گیا ہے۔

مدرسۃ الظفر

معلمین وقف جدید کی تعلیم وتربیت کے لئے قائم کردہ کلاس آہستہ آہستہ خدا کے فضل سے اب تک پورے ادارے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ جو اپنے کورس یا تدریس اور دیگر قواعد وضوابط کے اعتبار سے ایک چھوٹا جامعہ کہلانے کا حقدار بن چکا ہے۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس ادارے کو ''مدرسۃ الظفر'' کا نام عطا فرمایا ہے اللہ اسے فتح ونصرت وظفر کا موجب بنائے۔ (آمین)

پس اللہ تعالیٰ کے فضل سے جس طرح تحریک جدید نے بیرون ممالک میں شاندار نتائج پیدا کئے اسی طرح پاکستان کے طول وعرض میں وقف جدید کے ذریعہ سینکڑوں معلمین تعلیم وتربیت اور دعوت الی اللہ کا کام سرانجام دے چکے ہیں اور دے رہے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں جماعتوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کے سلسلہ میں معلمین سے استفادہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں احمدی بچے اور بچیاں تعلیم القرآن اور دیگر بنیادی دینی معلومات کے زیور سے مرصّع ہوکر پروان چڑھ چکے ہیں۔ معلمین وقف جدید نے خاص طور پر تھرپارکر اور نگرپارکر جیسے دور دراز اور انتہائی پسماندہ علاقہ میں سسکتی ہوئی انسانیت کی قابل قدر خدمات بجالانے کی سعادت حاصل کی ہے۔ فالحمدللہ علی ذٰلک۔ نیز وہاں مِٹھی میں وقف جدید کے تحت ہی ایک ہسپتال بھی کام کر رہا ہے۔

وقف جدید کا ساری دنیا میں پھیلنا

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے 20/نومبر 1962ء کو فرمایا تھا کہ

''وقف جدید کو مضبوط کرو، ہمت کرو، خدا برکت دے گا، دین حق کو دنیا کے کناروں تک پھیلا دو۔''

اگرچہ اس وقت وقف جدید کا دائرہ صرف پاکستان کی دیہاتی جماعتوں تک محدود تھا مگر حضرت مصلح موعودؓ کا یہ اشارہ کہ اس کے ذریعہ دین حق دنیا کے کناروں تک پھیلے گا اس وقت پورا ہوا جب آپ ہی کے فرزند سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ جو اس تحریک کے پہلے ممبر تھے نے اپنی ولولہ انگیز خلافت کے دور میں 27/دسمبر 1985ء کو وقف جدید کا دائرہ ساری دنیا تک پھیلا دیا اور اب وقف جدید کی تحریک ایک عالمگیر تحریک کا روپ دھار چکی ہے۔ اور ہر روز وسعت پذیر ہے۔

باب ششم

خلافتِ ثالثہ اور وقفِ زندگی

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان آسمانی وجودوں میں سے تھے جو نشان کے طور پر دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ کی ساری زندگی توحید باری تعالیٰ کے قیام، حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت کو دنیا میں قائم کرنے اور قرآن کریم کی حسین تعلیم کو پھیلانے اور بنی نوع انسان کی خیر خواہی اور بھلائی میں وقف تھی۔ جماعت کو آپ نے خدمت میں عظمت کی راہ پر چلانے کے لئے یہ عظیم الشان ماٹو (MOTTO) دیا:

LOVE FOR ALL HATRED FOR NONE یعنی ''محبت سب سے نفرت کسی سے نہیں'' انسانیت اس دریا دل اور فیاض خلیفہ کی عظمت کے گیت ہمیشہ گاتی رہے گی جس نے 1974ء میں پاکستان بھر میں احمدیوں کے خلاف یک طرفہ بہیمانہ خونی فسادات کے باوجود دشمنوں سے بھی محبت اور عفو کا درس دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت آپ کے بچپن ہی سے آپ کے دل میں دیکھی اور خدمت کا بیج بو دیا تھا جس کا کسی قدر اندازہ قارئین کو آپ کے بیان فرمودہ درج ذیل بیان سے بخوبی ہوسکتا ہے:

بچپن کا واقعہ

آپ فرماتے ہیں:۔

''ہمارے چھوٹے ماموں جان (حضرت میر محمد اسحٰق رضی اللہ عنہ) افسر جلسہ سالانہ ہوا کرتے تھے آپ ہماری تربیت کی خاطر ہمیں اس عمر میں اپنے ساتھ لگا لیتے تھے.......مجھے یاد ہے کہ 11-11 بجے تک آپ ہم سے کام بھی لیتے تھے چاہے وہ دفتر میں بٹھائے رکھنے کا ہو یا خطوط وغیرہ فائل کرنے کا ہو۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام کام جو اس عمر کے مطابق ہوں ہم سے لیتے تھے.....ہم نے بچپن کی عمر میں بھی یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہماری چند گھنٹے کی ڈیوٹیاں لگیں گی یعنی

یہ کہا جائے گا کہ تم پانچ گھنٹے کام کرو اور باقی وقت تم آزاد ہو۔ ہم صبح سویرے جاتے تھے اور رات کو دس گیارہ بجے گھر واپس آتے تھے۔ وہ فضا بھی ایسی تھی اور ساروں میں ہی خدمت کا یہ جذبہ تھا۔ کوئی بھی اس جذبہ سے خالی نہیں تھا۔ مجھے یاد ہے بعض دفعہ ماموں جان کہتے تھے کہ اب تم تھک گئے ہو کھانے کا وقت ہو گیا ہے اب تم جاؤ۔ لیکن ہمارا گھر جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ بس یہ ہوتا تھا کہ دفتر میں بیٹھے ہیں اور اپنی عمر کے لحاظ سے جو کام ملتا ہے وہ کر رہے ہیں۔''

(حیات ناصر جلد اوّل صفحہ 48)

وقف زندگی

آپ حصول تعلیم کے لئے جب یورپ گئے۔ تو آپ کے دل میں خدمت دین کی شدید تڑپ پیدا ہوئی۔ قطع نظر اس کے کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے ہی وقف کیا ہوا تھا آپ نے ازسرِ نو وقف زندگی کے لئے درج ذیل خط تحریر فرمایا:

سیدی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ حضور ہر طرح سے خیریت سے ہوں گے.....

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقتباس پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ کہیں آپ فرماتے ہیں کہ میری نظر ان غریبوں پر ہے جو نہ بی۔اے بننا چاہتے ہوں اور نہ ایم۔اے بلکہ نیک انسان اور خادم دین۔ دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ اور ان دنوں میں میرا دل جن خیالات، جن جذبات کی آماجگاہ رہا ہے۔ خصوصاً ان ایام میں جبکہ جماعت خاص حالات میں سے گذر رہی ہے۔ وہی چیزیں جو مخلصین کے دلوں کو شکریہ اور محبت کے جذبات سے بھر دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دین کی خدمت کا شرف بخشا۔ آخر وہ مال اسی کا ہے جس کو دین کی راہ میں خرچ کر کے ہم یہ ثواب حاصل کرتے ہیں۔ آخر یہ جان اس کی دی ہوئی ہے کہ جو اس کی راہ میں خرچ کی جائے تو اس کے قرب کا موجب ہوتی ہے۔ گھر سے تو کچھ نہ لائے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ انسان سب کچھ دے کر بھی شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔ کجا یہ کہ دین پر کسی

قسم کا احسان رکھے۔ یہ تو محض اس کا فضل ہے کہ وہ بندہ نوازی سے ان چیزوں کو قبولیت کا فخر بخشتا ہے۔ مگر یہی چیزیں کمزوروں اور ناسمجھوں کے لئے بار ہو جاتی ہیں اور ٹھوکر کا موجب۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ خیر جو کچھ بھی ہے۔ جماعت ان حالات میں سے گذر رہی ہے کہ جو حالات عظیم الشان قربانی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر اسے قربانی کہا جا سکتا ہے۔ بہت سے نوجوان ہیں جنہوں نے اس راز کو سمجھا اور آج دنیا کے کونوں میں احمدیت کی آواز پہنچا رہے ہیں۔ بہتوں نے اس حقیقت کو پہچانا اور آج وہ مشغول کار ہیں۔ مگر بہت سے میرے جیسے ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہوئے کہ

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں پر بیٹھے آنسو بہا رہے ہیں اور کر کچھ نہیں سکتے۔ اس لئے میں حضور کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اگر حضور مناسب خیال فرماویں تو بندہ ہمیشہ کی طرح اب بھی فوراً خدمت سلسلہ کے لئے حاضر ہے۔ بی۔ اے اور ایم اے بننے کا مجھے کبھی بھی شوق نہیں ہوا اور خدا تعالیٰ شاہد ہے گو اس کا اظہار پہلے نہ ہو سکا اور گو بعض اور خیالات نے اس کی طرف مجبور کیا گو وقف کنندہ ہوں مگر پھر دوبارہ اپنے کو حضور کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ بندہ اسی وقت سے خدمت احمدیت کے لئے حاضر ہے اور سلسلہ کی غلامی کو سب عزتوں سے بالا معزز سمجھتا ہے اور سلسلہ کی خدمت سے علیحدہ رہتے ہوئے اپنی زندگی کو خالی اور فضول پاتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ

فقط مرزا ناصر احمد

حضرت المصلح الموعودؓ کو اس خط سے جو راحت اور خوشی پہنچی اس کا اظہار آپ نے ایک خط میں فرمایا جس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

پیارے ناصر احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''تمہارا ایک خط تو پہلی دفعہ ملا تھا اور دوسرا اب۔ میں نے پہلے خط کا جواب بھی اب تک نہیں دیا کیونکہ اس وقت میرے جذبات بہت متأثر تھے اور میں فوراً جواب دینے کے

قابل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ارادہ میں برکت ڈالے۔ میں خود اس بارہ میں باوجود شدید احساس کے کچھ کہنا پسند نہیں کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ وہ خود ہی تم کو نیک ارادہ کی توفیق دے کیونکہ میرے نزدیک میری تحریک پر تمہارے ارادے کو بدلنا تمہارے ثواب کو ضائع کر دیتا۔ سوالحمدللہ کہ تمہارا دل اس طرف متوجہ ہوا۔''

(حیات ناصر جلد اوّل صفحہ 107، 108)

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی طرف سے دینی اور دنیاوی وقف کی تحریک کی

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے لیکچر کے آخر میں یہ تحریک بھی فرمائی کہ وہ دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے اپنی زندگی وقف کریں اور سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں سرگرم عمل ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا:۔

''یاد رکھنا چاہیئے کہ وقف محض دینی ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ دونوں طرح کا ہوتا ہے دینی بھی اور دنیوی بھی۔ آپ کسی ترقی یافتہ قوم یا ملک کو دیکھ لیں اس میں آپ کو کثرت سے واقفِ زندگی ملیں گے۔ چند ماہ ہوئے مشہور انگریزی رسالہ ''ریڈرز ڈائجسٹ'' میں ایک کتاب کا خلاصہ چھپا ہے۔ اس میں ایک عورت کا ذکر کیا گیا ہے جو 1916ء میں بیمار ہوئی۔ ڈاکٹروں نے اسے مشورہ دیا کہ اس کا شہری فضا میں رہنا اس کی صحت کے لئے مضر ہے اسے اپنی صحت کو بحال کرنے کے لئے ایسے علاقہ میں چلا جانا چاہیئے جو میدانی بھی نہ ہو اور پہاڑی بھی نہ ہو بلکہ درمیانی قسم کا علاقہ ہو پھر وہ شہر سے دور ہو یہی ایک صورت ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے اور اس کی صحت بحال ہو سکتی ہے چنانچہ اس نے ڈاکٹروں کی اس نصیحت پر عمل کرنے کے لئے اپنے خاوند کو بھی چھوڑا، اپنے دوسرے عزیزوں اور وطن کو خیر باد کہا اور قریب کے علاقہ میں جس میں ڈاکٹروں کی بتائی ہوئی خوبیاں پائی جاتی تھیں چلی گئی یہ علاقہ تعلیمی لحاظ سے بہت پیچھے تھا۔ 1916ء میں اس علاقہ کے اردگرد پچاس میل میں صرف ایک شخص تھا جو دستخط کرنا جانتا تھا باقی لوگ دستخط بھی نہیں کر سکتے تھے اور وحشت کا یہ حال تھا کہ روزانہ سینکڑوں لوگ قتل ہوتے تھے وہ عورت بے کار

بھی نہیں رہ سکتی تھی اس لئے اپنا وقت گزارنے کے لئے اس نے وہاں ایک اسکول جاری کیا۔ اس نے دوسرے علاقوں کے بعض لوگوں کو خطوط لکھ کر عطایا اکٹھے کئے اور اس اسکول کے اخراجات چلانے کا انتظام کیا۔ اب تو وہاں اور اسکول بھی جاری کئے گئے ہیں۔ لیکن 1916ء میں پہلا اسکول یہی تھا جو وہاں جاری کیا گیا۔

اس عورت کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ہر بچے سے جس کو وہ پڑھاتی تھی زبانی طور پر یہ وعدہ لیتی تھی کہ اگر اس کے ادارے قوم یا علاقہ کو اس کی ضرورت پڑے تو وہ وہیں آئے گا کسی اور جگہ نہیں جائے گا چنانچہ لکھا ہے کہ ایک طالب علم طبّ میں نہایت ذہین اور ہوشیار تھا اسے طبّ میں اتنا ملکہ حاصل تھا کہ جب عورت نے وظیفہ دے کر اس کی اعلیٰ پڑھائی کا انتظام کیا اور اس نے طبّ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کر لی تو بعض فرموں نے اسے اغلباً دس لاکھ ڈالر سالانہ تنخواہ کی پیشکش کی جو ہمارے ملک کے لحاظ سے پینتالیس لاکھ روپیہ بنتا ہے مگر اس عورت نے اسے لکھا کہ تم اپنے علاقے میں آجاؤ کیونکہ یہاں ڈاکٹر موجود نہیں چنانچہ وہ اس پیشکش کو ٹھکرا کر وہاں آ گیا پھر وہ کوئی بھاری فیس بھی نہیں لیتا تھا وہ چھکڑوں پر رات کے بارہ بجے برف سے ڈھکے ہوئے راستوں پر سفر کر کے مریض کو دیکھنے جاتا اور اس کے علاج کرتا جب واپس آتا تو وہ لوگ پانچ سیر گندم یا مکئی اس کے چھکڑے میں رکھ دیتے۔ یہ فیس تھی جو وہ اپنے علاقہ کے مریضوں سے لیتا اور جس کے مقابلہ پر اُس نے لاکھوں روپیہ سالانہ کی تنخواہ کی پیشکش ٹھکرا دی۔ یہ واقف زندگی نہیں تھا تو اور کیا تھا اس طرح کی اور مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔

پس وقف محض مذہبی ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ مذہبی اور دنیوی دونوں قسم کا ہوتا ہے اور واقفین ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ اصل میں وقف، زندگی اور حیات کے کامل مظاہرہ کا نام ہے جب کسی کی دینی رُوح عروج اور کمال کو پہنچ جاتی ہے تو دین کا واقف زندگی بن جاتا ہے اور جب اس کی دُنیوی روح عروج اور کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دُنیا کا واقف زندگی بن جاتا ہے۔ جب ایک شخص کی قوتوں اور اس کے روپیہ کی اس قوم اور ملک کو ضرورت ہو اور وہ اس کی خاطر اپنا ذاتی مفاد ترک کر دے اور اس کی خدمت میں لگ جائے

تو یہ اس کی دینوی رُوح کے کمال اور عروج کا مظاہرہ ہوتا ہے اور وقف زندگی کہلاتا ہے اور جب اس میں دین کی رُوح اپنے کمال اور عروج کو پہنچ جاتی ہے اور وہ دین کی خاطر اپنا ذاتی مفاد ترک کر دیتا ہے تو وہ رُوحانی واقفِ زندگی بن جاتا ہے۔

وقف کی رُوح اور زندگی کو جماعت میں قائم رکھنے کے لئے جماعت کے افراد کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے پیش کرنا چاہیئے۔ چاہے وہ مرکزی ہدایات کے ماتحت کام کرنے کے اہل نہ بھی ہوں اور وہ یہاں رہ کر کام بھی نہ کر سکیں لیکن جماعت میں اس قسم کا ذہنی رجحان پایا جانا چاہیئے۔ اور اس کے نوجوانوں کی ایسے رنگ میں تربیت ہونی چاہیئے کہ جب قوم انہیں بلائے وہ اپنا سب مفاد ترک کر کے آ جائیں۔'' (رسالہ ''الفرقان'' ربوہ جنوری 1956ء صفحہ 14 تا 15)

مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد یہی خدمت دین اور اشاعت اسلام کا جذبہ آپ کے دل میں اور زیادہ شدت اختیار کر گیا۔ چنانچہ آپ نے شروع خلافت سے ہی جماعت کو ہر قسم کی قربانیاں پیش کر کے غلبہ اسلام کے دنوں کو قریب تر لانے کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔ مورخہ 10 ردسمبر 1965ء کے خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں:

قربانیوں کے لئے تیار رہنے کی تحریک

''آئندہ پچیس تیس سال جماعت احمدیہ کے لئے نہایت ہی اہم ہیں کیونکہ دنیا میں ایک روحانی انقلاب عظیم پیدا ہونے والا ہے......

''وہ زمانہ چونکہ قریب ہے اس لئے مَیں آپ کو پھر تاکید سے کہتا ہوں کہ جب کسی قوم پر اس قسم کی عظیم نعمتیں نازل ہو رہی ہوں تو اس قوم کو بھی ایک عظیم قربانی دینی پڑتی ہے۔ پس اپنے نفسوں کو اس قربانی کے لئے تیار کرو اپنی طبیعتوں کو اس طرف مائل کرو کہ ہم

احمدیت کے لیے، اسلام کے لیے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں گاڑنے کے لیے، خدائے قادر توانا کے جلال اور عظمت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ ہماری جانیں، ہمارے مال اور ہماری عزتیں سب خدا کے لئے

ہیں اور خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔اگر ہماری جماعت ایثار وفدائیت کا یہ نمونہ دکھائے تو اللہ تعالیٰ اس جماعت کو دین ودنیا کی حسنات سے کچھ اس طرح نوازے گا کہ دنیا کے لئے قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہوجائے گی۔

(الفضل 9رجنوری 1966ء)

آپ نے خلافت ثانیہ کی تمام الٰہی تحریکوں کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ آپ نے ان کی رفتار کو پہلے سے زیادہ تیز کردیا اور فرمایا:

وقف زندگی کی پہلی تحریک

چنانچہ خلافتِ ثالثہ کے پہلے ہی سال دسمبر 1965ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر آپ نے جماعت کو عالمی سطح پر اشاعت اسلام کے لئے پہلے سے زیادہ مستعد ہوکر قربانیاں پیش کرنے اور اپنی زندگیاں اس راہ میں وقف کرنے کی تحریک فرمائی۔آپ فرماتے ہیں:

''اسلام احمدیت کے ذریعے سے ساری دنیا پر غالب آئے گا اور ہر وہ طاقت جو اس کی راہ میں حائل ہوگی ذلیل ونا کام کردی جائے گی۔دنیا کے تمام اموال بھی اگر ادیان باطلہ کی پشت پر ہوں اور وہ اسلام کی مخالفت پر آمادہ ہوں تو اس کا نتیجہ انشاءاللہ مٹی کی اس چٹکی سے بھی زیادہ حقیر ہوگا جو آپ کے پاؤں کے نیچے ہے۔بے شک ہم کمزور ہیں مگر جس خدا کی طرف ہم منسوب ہیں وہ کمزور نہیں۔بے شک ہم گنہگار ہیں ہم سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں لیکن ہم اپنے رب سے ہرگز مایوس نہیں ہیں۔ہمارے کانوں میں ہمیشہ اس کی یہ میٹھی آواز آتی رہتی ہے کہ

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہو اس لئے ہمیں یقین ہے کہ ہماری ہر حرکت جس جہت کی طرف بھی ہوگی وہاں پر اسلام کا جھنڈا گاڑا جائے گا اور وہ ہماری حقیر کوششوں میں غیر معمولی برکت پیدا کرے گا۔میں تمام جماعت کو جو کہ یہاں موجود ہے اور پوری دنیا کو کامل یقین کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ آئندہ پچیس تیس سال کے اندر دنیا میں ایک عظیم

الشان تغیر پیدا ہونے والا ہے۔ وہ دن قریب ہیں جب دنیا کے بہت سے ممالک کی اکثریت اسلام کو قبول کر چکی ہوگی اور دنیا کی سب طاقتیں اور ملک بھی اس آنے والے روحانی انقلاب کو روک نہیں سکتے۔ جب وہی زبانیں جو آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے رہی ہیں آپؐ پر درود وسلام بھیج رہی ہونگی۔ یہ دن یقینا آنے والے ہیں لیکن یہ پیش خبریاں ہم پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد کرتی ہیں جنہیں بہر حال ہمیں نے پورا کرنا ہے۔ ہمیں عظیم قربانیان دینی ہوں گی۔ جب ہم اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ تب خدا کہے گا کہ میں اپنا کچھ کیوں بچا کر رکھوں میں بھی اپنی سب برکتیں تمہیں دیتا ہوں اور جب ایسی حالت ہو جائے تو پھر خود سوچ لو کہ ہمارے لئے کیا کمی رہ جائے گی۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ حضرت فضل عمرؓ نے دنیا کے مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے جو مراکز قائم کئے تھے۔ ان میں سے بعض مرکز مختلف وجوہ کی بناء پر بند ہو گئے تھے پہلا کام جو میں نے اور آپ نے کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ان مراکز کو جتنی جلد اور جب بھی ممکن ہو پھر جاری کیا جائے۔ اس کے علاوہ بعض نئ جگھوں پر بھی فوری طور پر مشن قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض ممالک میں مساجد تعمیر کرانے کی ضرورت ہے لیکن اس کے لئے سب سے پہلی ضرورت مبلغین اور مبشرین کی ہے۔ احمدی بچوں اور نوجوانوں کو اس کے لئے آنا ہوگا اور والدین کو اپنے بچوں کو وقف کرنا ہوگا۔'' (الفضل 24 رفروری 1966ء)

بعد از ریٹائرمنٹ وقف زندگی کی تحریک

وقف زندگی کیلئے نئے آنے والے نوجوانوں کی تیاری میں وقت درکار تھا مگر آپؒ چاہتے تھے کہ جلد از جلد بیرونی مشنوں کو جاری کرنے اور ان کے کام کو تیز سے تیز کر دیا جائے چنانچہ آپ نے اپنی خلافت کے پہلے سال 1965ئ جلسہ سالانہ پر یہ تحریک فرمائی کہ

''جو پہلے اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کریں گے انہیں تیار کرنے پر تو کافی وقت صرف ہوگا۔ اس لئے فوری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایسے دوستوں کو آگے آنا

چاہیئے جو اپنے دنیوی کاموں سے ریٹائر ہو چکے ہوں یا ہونے والے ہوں یا ہو سکتے ہوں۔ایسے دوستوں کو مختصر عرصہ کے تعلیمی نصاب کے بعد تبلیغ کے لئے باہر بھیجا جاسکتا ہے۔لیکن ہمارے کاموں کی اصل بنیاد دعاؤں اور توکل پر ہے اس لئے دوستوں کو خصوصاً دعاؤں کی عادت ڈالنی چاہیئے۔پھر مالی قربانیوں کو بھی بڑھانے کی ضرورت ہے، پاکستانی احمدیوں کے لئے بھی اور بیرونی ممالک کے احمدیوں کے لئے بھی۔جو مالی وعدے آپ کر چکے ہیں انہیں بھی آپ پورا کریں اور کوشش کریں کہ کوئی بقایا آپ کے ذمہ نہ رہے۔اگر آپ اس میں کامیاب ہو جائیں تو ہماری کوششوں میں بہت اضافہ ہو جائیگا اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے مزید افضال نازل ہوں گے۔بہر حال جو کام حضرت مصلح موعودؓ نے شروع کئے تھے انہیں کامیابی کے ساتھ اختتام تک پہنچانا میرا فرض ہے اور میں آپ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ اس بارہ میں آپ میرے ساتھ تعاون کریں گے۔'' (الفضل 24 فروری 1966ء)

چنانچہ بھاری تعداد میں جماعت کے مخلصین نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی زندگیاں خدمت اسلام کے لئے وقف کرتے ہوئے اپنے آقا کے حضور پیش کر دیں۔اس طرح سلسلہ کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔آپ وقتاً فوقتاً نوجوانوں کو وقف زندگی کی تحریک فرماتے رہے تا کہ آئندہ پیش آنے والی عظیم ضروریات کو پورا کیا جاسکے جس کے نتیجہ میں عظیم الشان فتوحات ملنے والی تھیں۔چنانچہ ایک موقعہ پر نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اسلام کی رفعت اور ترقی اور غلبہ کا پھر دوبارہ سامان

اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی رفعت اسلام کی ترقی اور غلبہ کا پھر دوبارہ سامان پیدا کیا ہے۔یعنی

''جماعت احمدیہ کے قیام اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ذریعہ اسلام کے لئے ترقی کے سامان پیدا ہو گئے ہیں۔اس لئے ہر احمدی کو وقف کا وہی نمونہ دکھانا چاہیئے جو آج سے چودہ سو سال پہلے صحابہؓ نے دکھایا تھا۔اس وقت بھی اسلام کے مخالفوں اور دشمنوں کی چھری ہماری گردنوں کی تلاش میں ہے اس لئے میں پوچھتا ہوں کہ کہاں ہیں **وہ واقف گردنیں جو برضا و رغبت اپنے آپ کو اس چھری کے نیچے رکھ دیں؟ اور خدا تعالیٰ کی**

نعمتوں کو حاصل کریں؟ آج وقف کی روح پھر پوری شدت کے ساتھ ہماری جماعت کے اندر زندہ ہونی چاہیے کیونکہ دنیا پیاسی ہے اور اس کی پیاس سوائے احمدیت کے اور کوئی نہیں بجھا سکتا۔ جب تک ہمارے پاس کافی تعداد میں واقفین موجود نہ ہوں اس وقت تک ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے میں پھر پوچھتا ہوں کہ **کہاں ہیں حضرت حاجرہ علیہا السلام کی بہنیں جو اپنے بچوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کریں اور کہاں ہیں حضرت اسمٰعیلؑ کے وہ بھائی جو دنیا کو چھوڑ کر اور دنیا کی لذت آرام اور عیش سے منہ موڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف آئیں اور اس کی خاطر بیابانوں میں اپنی زندگیاں گزارنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔''** (روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ 4 مئی 1966ء)

نوجوان اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کریں

''مشرقی افریقہ ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے حالات کا یہی تقاضہ ہے کہ ہمارے احمدی نوجوان زیادہ سے زیادہ اپنی زندگیاں وقف کریں۔ اور یہاں مرکز میں رہ کر تربیت حاصل کریں۔ اور اس کے بعد بیرون پاکستان تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کریں اس وقت ایک تو ہمارا طریق جامعہ احمدیہ میں داخل کر کے باقاعدہ مربی بنانے کا ہے لیکن جس تعداد میں نوجوان جامعہ احمدیہ میں داخل ہوتے ہیں اور ایک لمبے عرصہ تک تعلیم ختم کر کے وہ باقاعدہ مربی بنتے ہیں اسے دیکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ وہ ہماری ضرورت کے ہزارویں حصہ کو بھی پورا نہیں کرتے.........

اس وقت اسلام خطرہ میں ہے اور ہمیں مصیبت اور تکلیف برداشت کر کے بھی محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے کو دنیا میں بلند کرنا ہے، توحید باری تعالیٰ کو دنیا میں قائم کرنا ہے.....پس ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ اسلام کی ضرورت کی طرف متوجہ ہوں اور اپنی اُخروی زندگی کی خاطر اور اس دنیا میں اپنی اور اپنی نسلوں کی بھلائی کی خاطر اپنی زندگی دُکھ اور تکلیف میں گزارنے کے لئے تیار ہوں تا ساری دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو جائے اور حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض پوری ہو کہ ساری دنیا خدائے واحد کے جھنڈے تلے

جمع ہو جائے۔" (الفضل 8 جون 1966ء)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جامعہ احمدیہ ربوہ کی تقسیم انعامات کی سالانہ تقریب میں طلباء جامعہ احمدیہ سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا:۔

''میں مختصراً اپنے عزیز بچوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ وہ نوجوان یا بڑی عمر کے مرد یا عورتیں جو خدا تعالیٰ کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں وہ اس معنی میں اپنی زندگیاں وقف کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں۔

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا

دنیا میں اگر کوئی شخص حقیقی عزت پا سکتا ہے تو محض اپنے رب سے ہی پا سکتا ہے۔ اس لئے اگر ساری دنیا ان کی بے عزتی کے لئے کھڑی ہو جائے اور انہیں برا بھلا کہے تو وہ سمجھتے ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور وہ عزت کی جگہوں کو خود تلاش نہیں کرتے نہ عزت واحترام کے فقروں کو سننے کی خواہش ان کے دل میں پیدا ہوتی ہے بلکہ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ اپنے رب کی نگاہ میں عزت حاصل کر لیں۔ اگر ان کا دل اللہ تعالیٰ کے بتانے پر یا اس کے سلوک کی وجہ سے یہ سمجھ لے کہ ہم خدا تعالیٰ کی نگاہ میں معزز ہیں تو وہ ان ساری عزتوں کو جو دنیوی ہیں ٹھکرا دیتے ہیں اور ان سے خوشی محسوس نہیں کرتے کیونکہ حقیقی خوشی انہیں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے والے یہ جانتے ہیں کہ حقیقی رزّاق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اس لئے دنیا کے اموال کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی نہ وہ اس بات کے پیچھے پڑتے ہیں کہ انہیں دنیا کے رزق دئے جائیں۔ نہ وہ اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے گزاروں میں ایزادی کی جائے کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ حقیقی رزاق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور وہ اب بھی اپنے بندوں کے لئے اسی طرح معجزے دکھاتا رہتا ہے جیسا کہ اس نے اپنے اور ہمارے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے کہ پانی کو ہوا میں سے پیدا کر دیا اور لوگوں نے یہ نظارہ دیکھا کہ آپ کی انگلیوں میں سے پانی بہہ رہا ہے۔ انگلی تو ایک پردہ تھی قدرت خداوندی کے نظارہ کو دیکھنے کے لئے، یا آٹے کی اس بوری کی طرح جس میں اس وقت تک برکت رہی جب تک بدظنی کے نتیجہ میں گھر والوں نے اسے تول نہ لیا اور برکت جاتی رہی یا

تھوڑا سا کھانا تھا لیکن کھانے والے بہت زیادہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کھانا میں برکت ڈال دی سب نے کھانا کھا لیا لیکن وہ پھر بھی بچ گیا یا اس دودھ کے پیالے کی طرح جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو سیر کرنے کے لئے آیا تھا (گو اس پیالہ کو بھیجنے والا تو ایک انسان ہی تھا وہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت آیا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس کے ہر ایک آدمی کو کہا پہلے تم اس سے سیر ہو کر پی لو پھر میں اس سے پیوں گا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ میں سیر ہو جاؤں۔ چاہے سارے لوگ سیر ہو کر اس سے دودھ پی لیں دودھ ختم نہیں ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں یہ ساری باتیں ہیں وہ ویسا ہی آج بھی قدرت والا خدا ہے۔ **اور ہر واقف زندگی اس بات کو سمجھتا ہے۔** ہماری جماعت میں بہت سے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کی برکتوں کو اپنی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں اور جن کا ربِّ رزاق سے تعلق ہے۔ پھر ایک واقف زندگی یہ یقین رکھتا ہے کہ حقیقی شافی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس وقت وہ یا اس کا کوئی ایسا عزیز جس کے اخراجات کا بار اس پر ہے بیمار ہو جاتا ہے تو اُسے اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ نظام سلسلہ یا اس کے اپنے وسائل مہنگی دوا کے متحمل نہیں ہو سکتے بلکہ وہ جانتا ہے کہ شفا دینا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ جب وہ شفا دینے پر آئے تو وہ مٹی کی چٹکی میں شفا رکھ دیتا ہے اور جب تک شفا کا حکم آسمان سے نازل نہ ہو تو ماہر ڈاکٹر اور بہترین ادویہ بھی کسی کو شفا نہیں دے سکتیں۔ ایسے نظارے جیسے پہلوں نے دیکھے ہیں ہماری جماعت نے بھی دیکھے ہیں۔

غرض ایک واقف زندگی خدا تعالیٰ کی صفات پر یقین رکھتے ہوئے حقیقی توکل اپنے رب پر کرنے والا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی حالت میں اور کسی ضرورت کے وقت وہ کسی اور کی طرف نہیں جھکتا۔ اگر جامعہ احمدیہ میں پڑھنے والے اور اس سے فارغ ہونے والے اس قسم کے واقف نکلیں تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ بہت جلد خدا تعالیٰ وہ عظیم انقلاب پیدا کر دے گا جس عظیم انقلاب کے پیدا کرنے کے لئے اس نے اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے۔

(الفضل 25 / اپریل 1967ء)

وقف زندگی کے لئے نئی نسلوں کو تیار کرنے کی پرزور تحریک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ آئندہ 20،25 سال بعد عظیم الشان روحانی انقلاب آنے والا ہے جس کے لئے بے شمار واقفین زندگی کی ضرورت ہوگی چنانچہ انکی تیاری کے لئے آپؒ جماعت کو بار بار نئی نسل کی بہترین رنگ میں تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دلاتے رہے۔

خطبات کا عظیم الشان سلسلہ

اسی غرض کیلئے آپ نے خطبات کا ایک عظیم الشان سلسلہ شروع کیا جو ''تعمیر بیت اللہ کے تیئیس عظیم الشان مقاصد'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔اس سلسلہ کے آخری خطبہ میں آپ فرماتے ہیں:

''غرض تیئیس مقاصد ہیں جن کا تعلق بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر سے ہے اور اس کے بیان کی ضرورت یہ پڑی کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے بڑے زور کے ساتھ مجھے اس طرف متوجہ کیا کہ موجودہ نسل کو جو تیسری نسل احمدیت کی کہلاسکتی ہے صحیح تربیت پانا غلبۂ اسلام کے لئے اشد ضروری ہے۔یعنی احمدیوں میں سے وہ جو 25 سال کی عمر کے اندر اندر ہیں یا جن کو احمدیت میں داخل ہوئے ابھی پندرہ سال نہیں گزرے،اس گروہ کی اگر صحیح تربیت نہ کی گئی تو ان مقاصد کے حصول میں بڑی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی جن مقاصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ کی شکل میں دنیا کی طرف مبعوث فرمایا اور جن مقاصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو قائم کیا ہے۔پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری توجہ اس طرف پھیری کہ اس گروہ کی تربیت کے لئے جو طریق اختیار کرنے چاہئیں ان کا بیان ان آیات میں ہے جن کے اوپر میں خطبات دیتا رہا ہوں۔اور اگر ان مقاصد کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے اور ان کے حصول کی کوشش کی جائے تو خدا کے فضل اور رحم کیساتھ ہماری یہ پَود صحیح رنگ میں تربیت حاصل کر کے وہ ذمہ داریاں نباہ سکے گی جو ذمہ داریاں عنقریب ان کے کندھوں پر پڑنے والی ہیں۔

غلبہ اسلام کیلئے الٰہی القاء

''کیونکہ میری توجہ کو اس طرف پھیرا گیا تھا کہ آیندہ بیس پچیس سال اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے بڑے ہی اہم اور انقلابی ہیں اور اسلام کے غلبہ کے بڑے سامان اس زمانہ میں پیدا کیے جائیں گے اور دنیا کثرت سے اسلام میں داخل ہو گی یا اسلام کی طرف متوجہ ہو رہی ہو گی۔ اُس وقت اسی کثرت کیساتھ ان میں مربی اور معلّم چاہئیں ہوں گے۔ وہ معلّم اور مربی جماعت کہاں سے لائے گی اگر اس کی فکر نہ کی گئی۔ اس لئے ان کی فکر کرو اور ان مقاصد کو سامنے رکھو جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں۔''

آئندہ کثرت سے واقفین کی ضرورت ہو گی

''اور ان مقاصد کے حصول کے لئے جس رنگ کی تربیت کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کی روشنی میں اسی قسم کی تربیت اپنے نوجوانوں کو دو۔ تا جب وقت آئے تو بڑی کثرت سے ان میں سے اسلام کے لئے بطور مربی اور معلّم زندگیاں وقف کرنے والے موجود ہوں تا وہ مقصد پورا ہو جائے کہ تمام بنی نوع انسان کو علیٰ دِیْنٍ وَّاحِدٍ جمع کر دیا جائے گا۔''

ان خطبات کے دوران ایک بزرگ نے مجھے لکھا کہ آپ کے جو خطبات ہو رہے ہیں ان کا تعلق حضرت مسیح موعودؑ کے ایک الہام سے بھی ہے جو "تذکرہ" کے صفحہ 801 پر درج ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

''جو شخص کعبہ کی بنیاد کو ایک حکمت الٰہی کا مسئلہ سمجھتا ہے، وہ بڑا عقلمند ہے کیونکہ اس کو اَسرارِ ملکوتی سے حصہ ہے۔''

پس میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو میری توجہ کو اس طرف پھیرا خدا یہ چاہتا ہے کہ قوم کے بزرگ بھی اور قوم کے نوجوان بھی قوم کے مرد بھی اور قوم کی عورتیں بھی اس حکمت الٰہی کو سمجھنے لگیں جس حکمت الٰہی کا تعلق خانہ کی بنیاد سے ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُولُوا الاَلْبَاب ٹھہریں اور اس کی آواز کو اور اس کے احکام کو اور احکام کی حکمتوں کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور ان قدوسیوں کے گروہ میں شامل ہوں کہ جن پر اللہ تعالیٰ کے ہر آن فضل ہوتے ہیں۔ اگرچہ جو منصوبہ یا سکیم میں

جماعت کے سامنے رکھوں گا اس کا اصل مقصد ان نوجوانوں کی تربیت ہے جن کی عمر اگر وہ احمدیت میں پیدا ہوئے ہیں تو ابھی 25 سال تک کی ہے۔ یا ان کی عمر اگر وہ جماعت میں نئے داخل ہونے والے ہیں تو 15 سال کی ہے۔لیکن اس تربیت کے لئے جوان بچوں کی ہم نے کرنی ہے ان کے بڑوں کی تربیت کرنا ضروری ہے تا کہ وہ اس نسل کی تربیت کر سکیں۔پس دوسرے نمبر پر مخاطب جماعت کے سب مرد اور جماعت کی سب بہنیں ہیں جن کی عمر اس وقت 25 سال سے اوپر ہے کیونکہ ان لاکھوں نوجوانوں کی تربیت جو 25 سال سے کم یا دوسرے لحاظ سے پندرہ سال سے کم عمر کے ہیں صرف میں اکیلا یا میرے چند ساتھی نہیں کر سکتے۔

ہر گھر میں پرورش پانے والا خدا کا سپاہی بنے

ہمیں ہر گھر کی تطہیر کرنی پڑے گی تا کہ ہر گھر میں پرورش پانے والا ،خدا کا سپاہی بنے اور اس کی رضا کو حاصل کرنے والا ہو۔ہمیں ہر محلہ،ہمیں ہر قصبہ،ہمیں ہر شہر کی پاکیزگی کے سامان پیدا کرنے پڑیں گے تا کہ اسی ماحول میں وہ نسل پیدا ہو جو محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور ناموس پر اپنی جانیں اور اپنے اوقات اور اپنی عزتیں اور اپنے اموال خرچ کرنے والے ہوں اور قربان کرنے والے ہوں۔

شاید مجھے یوں کہنا چاہئے کہ پہلے بڑوں کی تربیت کرنا ضروری ہے تا انکے ذریعہ سے ان چھوٹوں کی تربیت کی جا سکے جن پر بڑی ہی اہم ذمہ داریاں عنقریب پڑنے والی ہیں۔ یاد رکھیں کہ اگر ہم نے اس میں غفلت برتی تو ہم پر تو خدا کا غضب نازل ہوگا اور ایک اور قوم پیدا کی جائے گی جو خدا کے وعدوں کی وارث بنے گی۔پس اپنی جانوں کی فکر کرو اور ان ذمہ داریوں کے نباہنے کے لئے تیار ہو جاؤ جو الٰہی منشا کے مطابق ایک سکیم کے ماتحت میں آپ پر ڈالنے والا ہوں اور جن کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ اور اسی کی توفیق سے آئندہ خطبات میں میں اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔

(منقول از روزنامہ الفضل۔ ربوہ۔ مورخہ 25 جون 1967ء)

انگریزی دان اور گریجوایٹس کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے شروع میں ریٹائرڈ حضرات کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک فرمائی اور نئی نسلوں کو وقف زندگی کیلئے تیار کرنے کی تحریک فرمائی۔اپنی خلافت کے درمیانی ایام میں مخلص باہمت انگریزی دان احباب کو اور خلافت کے آخری ایام میں گریجوایٹس کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک فرمائی۔حضورؒ نے 25رجنوری 1974ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

"دنیا پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو اس وقت یہ صورت ہمارے سامنے آتی ہے کہ ایک طرف دہریت،اشتراکیت کی شکل میں ساری دنیا پر چھانے کی کوشش کر رہی ہے دوسری طرف مذہب سرمایہ داری کا سہارا لیتے ہوئے اس یلغار کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے......اس وقت ان ترقی یافتہ ممالک میں جو اشتراکیت کے خلاف برسرپیکار ہیں سرمایہ داری نظام تو معرض زوال میں ہے اور مذہب میدان سے بھاگتا نظر آتا ہے اس لئے میں نے جماعت کو پہلے بھی کہا ہے کہ ان علاقوں میں ایک خلاء پیدا ہو رہا ہے۔اب اس خلاء کو دو طاقتیں پر کرنے کی کوشش کر رہی ہیں ایک طاقت لامذہبیت اور دہریت کی ہے اور دوسری طاقت اسلام اور احمدیت کی ہے۔ہمارا اصل مقابلہ ان لادینی طاقتوں سے ہے اور اس مقابلہ میں ایک شدّت پیدا ہو رہی ہے.....جہاں تک مادی وسائل کا سوال ہے غیر مذاہب اور خدا کے اس دشمن کے مقابلہ میں ہماری کوئی طاقت ہی نہیں.....اعلیٰ پیمانہ پر مبلغ بنانے والا ادارہ تو جامعہ احمدیہ ہے.......اگر ہم صرف جامعہ احمدیہ پر انحصار کریں تو جس قدر انسانوں کی......ضرورت ہے اتنے.......تو یہ ادارہ ہمیں شاید اگلے سو سالوں میں بھی نہ دے سکے۔لیکن ہمیں آج ضرورت ہے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہمیں ان بڑی عمر کے احمدیوں کی ضرورت ہے جو اگرچہ جامعہ احمدیہ یا اس قسم کے کسی اور ادارہ میں تو نہ پڑھے لیکن ان کی زندگی صحیح اور حقیقی اسلام کے مطالعہ میں خرچ ہوئی.....ایسے لوگ اپنی زندگیوں کو وقف کریں ......زبان کے لحاظ سے انہیں انگریزی زبان اچھی طرح آنی چاہئے کیونکہ یہ ہر جگہ غیر ممالک میں کام دے جاتی ہے.....سینکڑوں ایسے انگریزی دان

احمدی ہیں جنہوں نے اخلاص سے اپنی زندگیاں گزاری ہیں، جنہیں اپنی گذشتہ زندگی میں حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کریم کی جو تفسیر ہمارے سامنے رکھی ہے اس کے مطالعہ کا شغف رہا ہے، جو علی وجہ البصیرت حقیقی اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، جنہوں نے اس مطالعہ کے دوران دوسرے مذاہب کے ساتھ مذہب اسلام کا موازنہ کیا ہے اور جن کو دعا کی عادت ہے، جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت جوش مار رہی ہے اور جن کے سینوں میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کی ایک تڑپ پائی جاتی ہے۔ایسے سینکڑوں ہزاروں احمدی جماعت میں موجود ہیں۔آج میں ان کو آواز دے رہا ہوں کہ اسلام کی خاطر دنیا کے مختلف ممالک میں بھجوانے کے لئے مجاہدین کی آج ضرورت ہے اور اس قسم کے لوگ ہی آج کے حالات میں ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں اس لئے وہ آگے آئیں.....

آگے بڑھو اور اپنی زندگیاں وقف کرو

''ہر قسم کے انگریزی دان افراد خواہ ڈاکٹر ہوں، انجنیئر ہوں، ٹیچر ہوں، پروفیسر ہوں وغیرہ وغیرہ اپنے آپ کو پیش کریں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ لوگ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے ہوں جن کی زندگیاں اسلامی تعلیم اور قرآن کریم کے مطالعہ میں گزری ہیں اور جو دوسروں سے تبادلہ خیال کرتے رہے ہیں......اس وقت اسلام کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے میں جماعت کے ان احباب کو آواز دیتا ہوں کہ آگے بڑھو! زندگیوں کو وقف کرو!!اور اخلاص کے ساتھ، سب کام چھوڑ کر باہر جاؤ اور تبلیغ اسلام کے فریضہ کی جو ذمہ داری ہے اسے اپنے کندھوں پر اٹھاؤ اور دنیا کو یہ بتاؤ اپنی دعاؤں کے ساتھ اور میری اور جماعت کی دعاؤں کے ساتھ کہ مذہب اسلام جو دنیاوی لحاظ سے، علمی لحاظ سے، اخلاقی لحاظ سے جو تعلیم دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اشتراکیت وغیرہ اس کے مقابلہ میں کسی میدان میں ٹھہر نہیں سکتی'' (حیات ناصر جلد اوّل صفحہ 610 تا 612)

وقف عارضی کی بابرکت تحریک

اگرچہ خلافت ثانیہ میں خاص موقعوں پر عارضی وقف کرنے کی تحریک کی گئی جیسے شدھی کے خلاف تین تین ماہ وقف کرنے کی تحریک کی گئی ،جس کا تفصیلی ذکر پہلے گزر چکا ہے، مگر وقف عارضی کی تحریک کو مستقل بنیادوں پر خلافت ثالثہ میں جاری کیا گیا،جو آج تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے جاری ہے۔ چنانچہ 18 مارچ 1966 کے خطبہ جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اصلاح وارشاد کے عظیم مقاصد اور تعلیم القرآن کی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کے پیش نظر جماعت میں یہ تحریک جاری فرمائی۔ آپ نے اس نظام کو چلانے کے لئے ایڈیشنل نظارت اصلاح وارشاد برائے تعلیم القرآن ووقف عارضی قائم فرمائی۔

اِس نئی نظارت کی خصوصی رہنمائی کی غرض سے حضور انور نے اس کا دفتر اپنے پرائیویٹ سیکٹری کے دفاتر کے احاطہ میں قائم فرمایا اور اس کے پہلے انچارج کے طور پر مولانا ابوالعطاءؓ صاحب کو بطور نائب ناظر مقرر فرمایا۔ دو سے چھ ہفتہ تک مقررہ عرصہ کے لئے وقف عارضی پر جانے کے خواہشمند احباب وخواتین نظارت کے مقررہ فارم پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں براہِ راست درخواست بھجواتے ہوئے ضروری کوائف درج کرتے مثلاً اپنی رہائش سے کتنے فاصلہ تک اپنے خرچ پر سفر کرسکیں گے، دینی ودُنیاوی تعلیم نیز جماعت یا اس کی کسی ذیلی تنظیم میں کسی خدمت پر مامور رہے وغیرہ۔ پھر حضور انورؒ کی ہدایت کی روشنی میں دو دو افراد کا وفد مختلف شہری یا دیہی جماعتوں میں بھجوایا جاتا ہے جو اپنی بساط کی حد تک احباب جماعت کی دینی تربیت اور اصلاح کا فریضہ انجام دیتا۔ وقف عارضی میں برکت کا اندازہ کہ ہر وفد کسی جماعت میں تعیناتی فیصلہ حضور خود فرمایا کرتے۔ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ خود حتی الامکان اپنا کھانا خود تیار کرتے۔ اپنا زیادہ وقت ذکر الٰہی، تلاوت قرآن پاک اور مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں صرف کرتے اور حضور انور کی خدمت میں اپنی کارگزاری کی مشترکہ طور پر ہفتہ وار رپورٹ بھجواتے۔ وقف عارضی کی برکت سے فیضیاب ہونے والی جماعتوں میں نیکی ودینداری میں نمایاں ترقی دیکھنے میں آئی، ان کی مساجد اور زیادہ آباد ہو جاتیں اور مالی قربانی کا معیار پہلے سے بلند ہو جاتا۔ خود واقفین عارضی نے اس روحانی تجربہ سے گذرنے پر نیکی اور تقویٰ وطہارت میں واضح بہتری محسوس کی۔ مزید برآں خلیفہ وقت کو جماعتوں کے تازہ ترین احوال سے بے لاگ طور پر اطلاع ہوجاتی۔

الٰہی بشارت

حضور اپنے خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں

''چند دنوں سے میری طبیعت ناساز تھی۔ جمعرات کو افاقہ ہوا تو گذشتہ دنوں کی ڈاک دیکھی۔ اور رات بارہ، ساڑھے بارہ بجے تک مجھے توفیق ملی کہ میں دوستوں کے خطوط پڑھوں اور اس کے ساتھ ساتھ لکھنے والوں کے لئے دعا بھی کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق بھی عطا کی کہ میں اپنی کمزوری، ناتوانی اور بے مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے طاقت مانگوں، ہمت طلب کروں اور توفیق چاہوں تا اس نے جو ذمہ داریاں مجھ پر ڈالی ہیں، انہیں صحیح رنگ میں اور احسن طریق پر پورا کرسکوں۔ پھر میں نے جماعت کی ترقی اور احباب جماعت کے لئے بھی دعا کی بہت توفیق پائی۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو میری زبان پر یہ فقرہ تھا کہ

''میں تینوں اینا دیواں گا کہ توں رج جاویں گا''

چونکہ گذشتہ رات کے پچھلے حصّہ میں میں نے اپنے لئے بھی دعا کی تھی اور جماعت کے لئے دینی اور روحانی حسنات کے لئے، پھر خلیفہ وقت کی سیری تو اس وقت ہوسکتی ہے، جب جماعت بھی سیر ہو۔ اس لئے میں نے سمجھا کہ اس فقرہ میں جماعت کے لئے بھی بڑی بشارت پائی جاتی ہے۔ سو میں نے یہ فقرہ دوستوں کو بھی سنا دیا ہے تا وہ اسے سن کر خوش بھی ہوں، ان کے دل حمد سے بھر جائیں، اور انہیں یہ بھی احساس ہو جائے کہ انہیں اس رب سے جو ان سے اتنا پیار کرتا ہے کتنا پیار کرنا چاہئے **لَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر**۔

خلیفۂ وقت کا سرمایہ اور خزانہ

وہ مال ہی نہیں ہوا کرتا جو قومی خزانہ میں موجود ہو بلکہ اللہ تعالیٰ احباب جماعت کے دلوں میں خلیفہ وقت کے لئے جو محبت اور اخلاص کا جذبہ اور تعاون کی روح پیدا کرتا ہے، وہی خلیفہ وقت کا خزانہ ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا دیا ہے کہ میں وہ الفاظ نہیں پاتا جن سے میں اس کا شکریہ ادا کرسکوں۔

وقت کی قربانی کی ضرورت ہے

''وہاں انہیں اپنے اوقات کی قربانی کی طرف بھی زیادہ متوجہ ہونا چاہیے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت کا ایک حصّہ اس وقت بھی وقت کی قربانی میں قابل رشک مقام پر کھڑا ہے۔میں نے خود باہر کی جماعتوں میں دیکھا ہے کہ بعض جماعتوں کے عہدیداران اپنے مختلف دنیوی کاموں سے فارغ ہونے کے بعد دو دو تین تین بلکہ بعض دفعہ پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے روزانہ جماعتی کاموں کے لئے دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔لیکن کسی مقام پر کھڑے ہونے سے کسی مذہبی اور روحانی سلسلہ کی تسلی نہیں ہوتی۔مومن کا دل ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ میں ایک دم کے لئے بھی کھڑا نہ ہوں۔بلکہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاؤں پھر جماعت کا ایک حصہ ایسا بھی تو ہے۔جو وقت کی قربانی کی طرف زیادہ متوجہ نہیں۔''

واقفین عارضی کے لئے ہدایات

غرض وقت کی قربانی کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اوراس کے لئے میں جماعت میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ وہ دوست جن کواللہ تعالیٰ توفیق دے سال میں دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ دین کے لئے وقف کریں اورانہیں جماعت کے مختلف کاموں کے لئے جس جس جگہ بھجوایا جائے۔وہاں وہ اپنے خرچ پر جائیں اوران کے وقف شدہ عرصہ میں سے جس قدرعرصہ انہیں وہاں رکھا جائے اپنے خرچ پر رہیں اور جو کام ان کے سپرد کیا جائے انہیں بجالانے کی پوری کوشش کریں میں جانتا ہوں کہ بعض دوست مالی لحاظ سے زیادہ لمبا سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے جو دوست دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ میری اس تحریک کے لئے وقف کریں وہ ساتھ یہ بھی لکھ دیں کہ ہم مثلاً سو میل تک اپنے خرچ پر سفر کرنے کے قابل ہیں۔یا دوسو میل یا چارسو میل یا پانچ سو میل اپنے خرچ پر سفر کر سکتے ہیں۔بہرحال جس قدر بھی ان کی مالی استطاعت ہو وہ ذکر کردیں۔تاانہیں اس کے مطابق مناسب جگہوں پر بھجوایا جاسکے۔

واقفین عارضی کے دو اہم کام

''بڑے بڑے کام جوان دوستوں کو کرنے پڑیں گے ان میں سے ایک تو قرآن کریم ناظرہ پڑھنے اور قرآن کریم باترجمہ پڑھنے کی جو مہم جماعت میں جاری کی گئی ہے، اس کی انہیں نگرانی کرنا ہوگی، اور اسے منظم کرنا ہوگا۔ دوسرے بہت سی جماعتوں کے متعلق ایسی شکایتیں بھی آتی رہتی ہیں کہ ان میں بعض دوست ایمانی لحاظ سے یا جماعتی کاموں کے لحاظ سے اتنے چست نہیں جتنا ایک احمدی کو ہونا چاہیے۔ ان دوستوں سے ایسے احباب کی اصلاح اور تربیت کا کام بھی لیا جائے گا کہ وہ ایسی جماعتوں کے سست اور غافل افراد کو چست کرنے کی کوشش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اچھا احمدی ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اچھا شہری بھی ہو لیکن بہت سے دوست چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں جھگڑتے اور کڑھتے اور لڑتے رہتے ہیں اور یہ بات ایک احمدی کے لئے کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔ جب یہ جھگڑے اور لڑائیاں لمبی ہو جاتی ہیں تو جماعت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ پس جن دوستوں کو اللہ تعالیٰ دو ہفتے سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ میری اس تحریک پر وقف کرنے کی توفیق دے انہیں ان باتوں کی طرف بھی توجہ دینا ہوگی۔ اور جماعت کے دوستوں کے باہمی جھگڑوں کو نپٹانے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہوگی۔ باہر جب دوست کسی جماعت میں جائیں گے تو طبعی طور پر وہاں کے خاص احمدی خیال کریں گے کہ ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ہمیں ایک ایسے دوست کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا ہے جو ہماری مقامی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ دوسرے علاقہ سے ہمارے پاس آیا ہے اور اس طرح ایک فضا صلح کی پیدا ہو جائے گی۔ دوست جلد اس طرف متوجہ ہوں اور اپنے اوقات وقف کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آئندہ مئی کے مہینہ سے یہ کام شروع کر دیا جائے۔'' (الفضل 23 مارچ 1966)

وقف عارضی سے متعلق حضورؒ کے مزید ارشادات

حضور انورؒ نے مختلف موقعوں پر وقف عارضی کے متعلق بعض قیمتی ہدایات سے جماعت کو نوازا جو درج ذیل ہیں:

وقف عارضی کی ضرورت

''عارضی وقف کی ضرورت بہت ہے۔ بات یہ ہے کہ جماعت کا ایک حصہ بھول گیا ہے کہ افراد جماعت خود مربی سلسلہ ہیں اور مربیوں کی تعداد میں جو تھوڑا سا اضافہ ہوا ہے وہ کافی نہیں۔ جماعت سمجھتی ہے کہ اصلاح وارشاد کا کام مربیوں کا ہے حالانکہ ہر احمدی کو بڑی توجہ کے ساتھ اصلاح وارشاد کا کام کرنا چاہئے۔ یہ توجہ پیدا کرنے کے لئے اور جماعت میں اصلاح وارشاد کا شوق پیدا کرنے کے لئے میں نے عارضی وقف کی سکیم جاری کی ہے۔ اس میں روحانی فوائد بھی ہیں اور جسمانی فوائد بھی۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1966ء صفحہ 14، 15 مطلوبہ الفضل 3 نومبر 1971ء)

وقف عارضی کا مقصد قرآن کریم سکھانا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

''وقف عارضی کی جو تحریک ہے اس کا بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ دوست رضا کارانہ طور پر اپنے خرچ پر مختلف جماعتوں میں جائیں اور وہاں قرآن کریم سکھانے کی کلاسز کو منظم کریں اور منظّم طریق پر وہاں کی جماعت کی اس رنگ میں تربیت ہو جائے کہ وہ قرآن کریم کا جُوا بشاشت سے اپنی گردن پر رکھیں اور دنیا کے لئے ایک نمونہ بن جائیں۔''

(خطبہ جمعہ۔ الفضل مطبوعہ 14 مئی 1969ء صفحہ 3 فرمودہ 28 مارچ 1969ء)

مجلس موصیان اور وقف عارضی

''موصی صاحبان کا ایک بڑا گہرا اور دائمی تعلق قرآن کریم سیکھنے، قرآن کریم کے نور سے منور ہونے، قرآن کریم کی برکات سے مستفیض ہونے اور قرآن کریم کے فضلوں کا وارث بننے سے ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کے انوار کی اشاعت کی ذمہ داری بھی ان لوگوں پر عاید ہوتی ہے......اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تعلیم قرآن اور وقف عارضی کی تحریکوں کو موصی

صاحبان کی تنظیم کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور یہ سارے کام ان کے سپرد کئے جائیں۔

اسی لئے آج میں موصی صاحبان کی تنظیم کا خدا کے نام اور اس کے فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے اجرا کرتا ہوں۔تمام ایسی جماعتوں میں جہاں موصی صاحبان پائے جاتے ہیں ان کی ایک مجلس قائم ہونی چاہیئے۔یہ مجلس باہمی مشورے کے ساتھ اپنے صدر کا انتخاب کرے منتخب صدر جماعتی نظام میں سیکرٹری وصایا ہوگا۔اور اس صدر کے ذمہ علاوہ وصیتیں کرانے کے یہ کام بھی ہوگا کہ وہ گاہے گاہے مرکز کی ہدایت کے مطابق وصیت کرنے والوں کے اجلاس بلائے۔اس اجلاس میں وہ ایک دوسرے کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کریں جو ایک موصی کی ذمہ داریاں ہیں۔یعنی اس شخص کی ذمہ داریاں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بشارت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خدا کے سارے فضلوں اور اس کی ساری رحمتوں اور اس کی ساری نعمتوں کا وہ وارث ہے۔'' (5-اگست 1966ء مطبوعہ۔10 اگست 1966ء الفضل)

وقف عارضی، قرآن کریم، نظام وصیت

''عارضی وقف کی تحریک جو قرآن کریم سیکھنے کے متعلق جاری کی گئی ہے اس کا تعلق نظام وصیت کے ساتھ بڑا گہرا ہے۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ۔5 اگست 1966ء الفضل۔10 اگست 1966ء)

وقف عارضی اصلاح نفس کا ذریعہ ہے

''تحریک وقف عارضی کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ وقف عارضی پر جاتے ہیں ان کو اپنے نفس کا بعض پہلوؤں سے محاسبہ کرنا پڑتا ہے۔جانے سے قبل انہیں اپنی بعض کمزوریوں کی طرف توجہ ہوجاتی ہے اور دعاؤں کی طرف ان کی توجہ مائل ہو جاتی ہے یعنی وقف عارضی پر جانے کی جو تیاری ہے اس کا بڑا حصہ یہ ہے کہ وہ دعاؤں کی طرف متوجہ ہوتے اور اپنی دینی معلومات میں اضافہ کرتے یا انہیں تازہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔جانے سے پہلے کتب کا مطالعہ کرتے ہیں اور کچھ کتب اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔وہ سوچتے ہیں اور اپنی

غفلتوں اور کمزوریوں پر نگاہ رکھتے ہوئے انہیں دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ دوسری جگہ جائیں تو لوگوں کے لئے نیک نمونہ بنیں،ان کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنیں۔چنانچہ وقف عارضی کے وفود نے دعاؤں کی برکات سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔'' (خطبہ جمعہ مطبوعہ روزنامہ الفضل 12 فروری 1977ء)

ہر احمدی وقف عارضی کرے

''مربیوں کو بھی چاہئے اور عام عہدیداران کو بھی چاہئے بلکہ ہر احمدی کو چاہئے کہ اپنے نفس کو بھی اور اپنے بھائی کو بھی یہ تلقین کرے کہ وہ وقف عارضی میں شامل ہو۔اس میں شک نہیں کہ یہ ایک قربانی کی راہ ہے اور یہ راہ تنگ ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ قربانی کی راہوں پر چلے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل نہیں کر سکتے۔''

(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 27 اگست 1969ء صفحہ 5)

احمدی خواتین اور وقف عارضی

''یہ واقفین وفد کی شکل میں دو افراد پر مشتمل ہوتے ہیں۔اس میں احمدی بہنیں بھی حصّہ لیتی ہیں۔ان کو باہر صرف اس صورت میں بھجوایا جاتا ہے جب کہ وہ خاوندوں کے ساتھ یا والد کے ساتھ یا اپنے بھائی کیساتھ باہر جاسکیں۔ورنہ ان سے اپنے ہی شہر یا قصبہ میں عورتوں کی تربیت وغیرہ کے کام لئے جاتے ہیں۔تاکہ بہنیں بہنوں سے خدا کی رضا کی خاطر حسن معاملہ اور پیار کے تعلقات قائم کریں۔''

(خطبہ جمعہ مطبوعہ روزنامہ الفضل 12 فروری 1977ء فرمودہ 28 جنوری 1977ء)

طالب علم اور وقف عارضی

''میں طالب علموں سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ چونکہ گرمیوں کی چھٹیاں آرہی ہیں وہ ضرور وقف عارضی پر جائیں۔ان کا علم بڑھے گا جہاں وہ جائیں گے وہاں کے لوگوں کے

لئے انہیں نمونہ بننے کی کوشش کرنی پڑے گی اور اگر نوجوان ان کے لئے نمونہ بنیں گے تو ان پر بڑا اثر ہوگا کہ چھوٹی چھوٹی عمروں والے اس قسم کا کام کر رہے ہیں۔''

(خطبہ جمعہ مطبوعہ روز نامہ الفضل 12 فروری 1977ء)

کالج کے پروفیسر، سکول کے اساتذہ بھی وقف عارضی کریں

''اسی طرح کالجوں کے پروفیسر اور لیکچرار، سکولوں کے اساتذہ، کالجوں کے سمجھدار طلباء بھی اپنی رخصتوں کے ایام اس منصوبہ کے ماتحت کام کرنے کے لئے پیش کریں۔ سکولوں کے بعض طلباء بھی اس قسم کے بعض کام کر سکتے ہیں۔ کیونکہ سکولوں کے بعض طلباء ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی صحت اور عمر کے لحاظ سے اس قابل ہوتے ہیں کہ اس قسم کی ذمہ داریاں ادا کر سکیں۔ ان کو بھی اپنے نام اس تحریک کے سلسلہ میں پیش کر دینے چاہئیں۔ بشرطیکہ وہ اپنا خرچ برداشت کر سکتے ہوں۔''

(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 23 مارچ 1966ء صفحہ 3)

گورنمنٹ کے ملازمین اور وقف عارضی

''جو دوست گورنمنٹ یا کسی ادارہ کے ملازم ہیں ان کو سال میں کچھ عرصہ کی رخصتوں کا حق ہوتا ہے وہ اپنی یہ رخصتیں اپنے لئے یا اپنوں کے لئے لینے کی بجائے اپنے رب کے لئے حاصل کریں اور انہیں اس منصوبہ کے ماتحت خرچ کریں۔''

(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 23 مارچ 1966ء)

وکلاء اور وقف عارضی

''بعض ایسے پیشہ والے ہیں جن کو ان دنوں چھٹیاں ہوتی ہیں مثلاً بعض عدالتیں بند ہو جاتی ہیں، وہاں جو احمدی وکیل وکالت کا کام کرتے ہیں، وہ بھی اپنی زندگی کے چند ایام اشاعت علوم قرآنی کے لئے وقف کر سکتے ہیں۔'' (خطبہ جمعہ مطبوعہ۔ 10 اگست 1966ء صفحہ 4)

امراء اضلاع اور وقف عارضی

'.......امراء اضلاع کو اس طرف فوری توجہ دینی چاہئیے.......امراء اضلاع جماعت کے مستعد اور مخلص احباب کو اپنی ذمہ داری کی طرف متوجہ کریں تا زیادہ سے زیادہ احمدی اس مقصد کے پیش نظر اور خدمت اسلام کے لئے اپنے وقت کا ایک تھوڑا اور حقیر سا حصہ پیش کریں۔'' (خطبہ جمعہ الفضل۔13 اپریل 1966ء صفحہ 3 فرمودہ۔8 اپریل 1966ء)

وقف عارضی کی کم از کم مدّت۔دو ہفتہ

''میں جماعت میں تحریک کرتا ہوں وہ دوست جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے سال میں دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ دین کی خدمت کے لئے وقف کریں اور انہیں جماعت کے مختلف کاموں کے لئے جس جس جگہ بھجوایا جائے وہاں وہ اپنے خرچ پر جائیں۔اور ان کے وقف شدہ عرصہ میں سے جس قدر عرصہ انہیں وہاں رکھا جائے اپنے خرچ پر رہیں اور جو کام ان کے سپرد کیا جائے اُسے بجالانے کی پوری کوشش کریں۔''

(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 23/مارچ 1966ء صفحہ 2)

واقفین عارضی کی ذمہ داریاں (واقفین عارضی کا کام تعلیم القرآن کو منظم کرنا)

''بڑے بڑے کام جوان دوستوں کو کرنے پڑیں گے ان میں سے ایک تو قرآن کریم ناظرہ پڑھنے اور قرآن کریم باترجمہ پڑھنے کی جو مہم جماعت میں جاری کی گئی ہے اس کی انہیں نگرانی کرنا ہوگی اور اسے منظم کرنا ہوگا۔'' (خطبہ جمعہ مطبوعہ 23/مارچ 1966ء صفحہ 2)

غافل افراد کو چست کرنا

''دوسرے بہت سی جماعتوں کے متعلق ایسی شکایتیں بھی آتی رہتی ہیں کہ ان میں بعض دوست ایمانی لحاظ سے یا جماعتی کاموں کے لحاظ سے اتنے چست نہیں جتنا ایک احمدی کو ہونا چاہئے ان دوستوں سے ایسے احباب کی اصلاح اور تربیت کا کام بھی لیا جائے گا اور ان

سے کہا جائے گا کہ وہ ایسی جماعتوں کے سست اور غافل افراد کو چست کرنے کی کوشش کریں۔'' (خطبہ جمعہ الفضل 23 / مارچ 1966ء)

باہمی جھگڑوں کو نپٹانا

''اچھا احمدی ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اچھا شہری بھی ہو۔لیکن بہت سے دوست چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں جھگڑتے لڑتے رہتے ہیں اور یہ بات ایک احمدی کیلئے کسی صورت بھی مناسب نہیں۔جب یہ جھگڑے اور لڑائیاں لمبی ہوجاتی ہیں تو جماعت میں کمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔پس جن دوستوں کو اللہ تعالیٰ دو ہفتے سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ میری اس تحریک پر وقف کرنے کی توفیق دے انہیں ان باتوں کی طرف بھی توجہ دینا ہوگی اور جماعت کے دوستوں کے باہمی جھگڑوں کو نپٹانے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہوگی۔''

(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 23 / مارچ 1966ء صفحہ 3)

ملکی پیداوار بڑھانے کی ترغیب دینا

''پھر بہت سے کام ایسے ہیں جو ایک طرف جماعتی ترقی کا باعث بن سکتے ہیں تو دوسری طرف حکومت وقت کے ساتھ تعاون کا بھی ذریعہ ہوتے ہیں۔مثلاً آج کل پاکستان کی حکومت زرعی پیداوار بڑھانے کی طرف متوجہ کر رہی ہے تا ہمیں باہر سے غلہ نہ منگوانا پڑے اور ہم اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکیں۔پس ایسے دوست جو زراعت کے ان مسائل کا علم رکھتے ہوں یا وہ ان سے واقفیت حاصل کرلیں اور پھر وہ اپنا وقت بھی وقف کریں۔وہ جن جگہوں پر جائیں گے وہاں زمیندار کو یہ ترغیب دیں گے کہ وہ زیادہ پیداوار کس طرح حاصل کرسکتے ہیں۔اس طرح حکومت وقت کے ساتھ تعاون بھی ہوجائے گا اور جماعتی ترقی کے سامان بھی ہوجائیں گے۔کیونکہ جتنا مال اللہ تعالیٰ جماعت کو عطا کرے گا اتنا ہی زیادہ وہ بڑھ چڑھ کر مالی قربانیاں کرنے کی توفیق پائے گی۔''

(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 23 / مارچ 1966ء صفحہ 3)

واقفین عارضی کی تعلیم وتربیت کے انتظامات

اس سلسلہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر مشتمل ارشادات حضرت اقدس کے خطبہ جمعہ فرمودہ 11 مئی 1990 بیت الفضل لندن سے لئے گئے ہیں۔حضور فرماتے ہیں:۔

''جب پتہ چل جائے کہ فلاں شخص واقف عارضی ہے تو اسی جگہ سے جہاں تک ممکن ہو سکے اس کے لئے ابتدائی قرآن کریم کا ناظرہ سکھانا اور کچھ حصہ ترجمے کے ساتھ یاد کروانا اور کچھ حصہ عربی گرائمر کے ساتھ ترجمہ یاد کروانا۔ یہ کام بہت ہی ضروری ہے اسے فوراً شروع کروا دینا چاہئے۔''(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 مئی 1990ء مسجد فضل لندن)

واقفین عارضی کی تربیت ضلعی سطح پر بھی ممکن ہے

''جو ہمارے ہاں وقف عارضی کا نظام جاری ہے اس میں جو شخص جس حالت میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اسی حالت میں اس کو بھجوا دیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں میں نے غور کیا ہے تو میرے خیال میں کچھ عملاً دقتیں بھی ہیں۔ غالباً یہ ممکن نہیں ہے کہ پاکستان کے ہر حصے سے لوگ وقف کرتے ہوئے ربوہ پہنچ جائیں پہلے وہاں جا کر تربیت حاصل کریں پھر واپس لوٹیں لیکن ضلعی طور پر بعض جگہ یہ انتظام ممکن ہے۔''

ترجمہ قرآن کریم جاننے کیلئے عربی گرائمر کی اہمیت

''یہاں لندن مسجد میں ہی ایک دوست تشریف لائے تھے ان کی بڑی عمر میں آمین ہوئی یہاں انہوں نے قرآن کریم ناظرہ بڑا اچھا پڑھنا سیکھا تو انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اب تو اللہ کے فضل سے قرآن کریم پڑھنے والے مل گئے لیکن ان کو ترجمہ نہیں آتا۔اب جب میں گیا ہوں ان سے میں نے پوچھا تو پتہ لگا بغیر ترجمے کے سب پڑھا تھا۔تو سوال یہ ہے کہ ترجمہ سکھانا پھر آگے ایک بہت بڑا کام ہے۔ان سے میں نے گفتگو کی۔ وہ اس بات پر آمادہ تھے کہ شروع میں آہستہ لیکن عربی زبان کے بنیادی قواعد سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد ترجمہ سیکھیں۔ بجائے

اس کے کہ صرف عربی پڑھ لی جائے اور پھر انگریزی میں ترجمہ یاد کر لیا کیونکہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب نہیں ہے جس کو خالصتاً ترجمے کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم سے براہ راست استفادے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ترجمے کی بنیادوں سے انسان واقف ہو۔ یہ پتہ ہو کہ یہ ترجمہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ عربی زبان میں فاعل کیا ہوتا ہے مفعول کیا ہوتا ہے۔ مفعول بہٖ کیا ہوتا ہے اسم اور خبر کس کو کہتے ہیں غرضیکہ بہت سی اصطلاحیں ہیں۔ ان سے میں اس وقت آپ کے دماغوں کو بھرنا نہیں چاہتا میں صرف یہ مثال دینا چاہتا ہوں کہ ترجمہ پڑھ لینا یعنی عربی پڑھنے کے بعد ساتھ لکھا ہوا ترجمہ پڑھ لینا ایک اور بات ہے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچتا ہے لیکن براہ راست قرآن کریم سے استفادہ کے لئے اس کے مضامین میں غوطہ خوری کے لئے نہایت ضروری ہے کہ بنیادی عربی گرائمر سے کچھ واقفیت ہو اور پتہ ہو کہ یہ ترجمہ کیوں کیا جا رہا ہے جب وہ شروع کریں گے تو پھر اور مسائل پیدا ہوں گے۔ پھر علم کی نئی کھڑکیاں کھلیں گی۔ پھر نئے میدان سامنے آئیں گے۔‘‘

عقائد سے ناواقف احمدیوں کے بارہ میں

’’ایک لمبے عرصے تک عدم توجہ کے نتیجے میں بعض پاکستانی دیہات میں ایسی احمدی نسلیں پیدا ہوئیں جن کو اپنے عقائد کا خود پوری طرح علم نہیں، جنہوں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے استفادہ نہیں کیا۔ جن کو جماعت کے طور اطوار اور رہن سہن کے عادات و خصائل سے بھی پوری طرح واقفیت نہیں ہے بلکہ بہت سے ایسے علاقے بھی ہیں، بہت سے تو نہیں مگر چند ایسے علاقے اور دیہات ہیں جہاں ان کا اٹھنا بیٹھنا طرز زندگی، رسم و رواج سب اردگرد کے ماحول سے متاثر ہو کے غیر احمدی ماحول کے رنگ میں رنگے گئے ہیں اور ان کو دیکھ کر نمایاں طور پر کوئی امتیاز دکھائی نہیں دیتا۔ ان کی شادیاں ان کے غیر احمدی رشتہ داروں میں ہو گئیں۔ ان کے گھر کی مستورات نے دوسری مستورات سے اسی قسم کی بیہودہ پرانی رسمیں ورثے میں لے لیں اور چونکہ اٹھنا بیٹھنا ان کے ساتھ رہا، اس لئے عملاً روزمرہ کی زندگی میں ان میں اور مخلص تربیت یافتہ احمدی گھروں میں ایک

نمایاں بُعد پیدا ہو گیا اور غیر احمدی گھروں کے ساتھ مل جل کر وہ اسی معاشرے کا ایک حصہ بن گئے ان کی طرف بھی توجہ کی شدید ضرورت ہے۔“

نومبائعین کی تربیت کے سلسلہ میں وقف عارضی کے نظام کی اہمیت

”پھر آپ پاکستانیوں میں سے احمدی ہونے والوں کا جائزہ لے کر دیکھ لیں وہ اخلاص میں ترقی کریں بھی اس کے باوجود ان کے اندر عملی خلا دکھلائی دیں گے اور جماعت کے عقائد کے لحاظ سے ان کی گہرائی میں اترنے کے لئے ان کو ابھی کئی سفر کرنے ہیں۔ اس پہلو سے تفقہ فی الدین حاصل کرنا اس طریق پر جس پر قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے یہ بے حد ضروری ہے اور وقف عارضی کو اس کے ساتھ متعلق کرنا چاہئے۔“

تفقہ فی الدین کے حصول کے لئے انتظام

”فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ نَفَرَ کا مطلب دو طریق پر سمجھا جاسکتا ہے ایک تو یہ کہ ان میں سے نتھر کر الگ ہو جائیں۔ کچھ ایسے لوگ ہوں جو جہاں بھی ہیں یہ فیصلہ کر لیں کہ ہم یہ امتیاز حاصل کریں گے کہ ہم نے دین میں تفقہ حاصل کرنا ہے پس ظاہری طور پر وہ اپنے مقام کو نہ بھی چھوڑیں تو وہیں جہاں وہ موجود ہیں ان کے تفقہ فی الدین کا انتظام ہونا ضروری ہے۔ دوسرا ہے نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ کا ظاہری نَفَرَ یعنی وفود بن کر ان میں سے ایک طبقہ سفر اختیار کرے اور وہ سفر خالصتاً دین حاصل کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے تو پیشتر اس کے کہ یہ دین پہنچانے کے لئے لوٹیں، دین حاصل کرنے کے لئے سفر اختیار کریں۔ ظاہر بات ہے یہ مسلمان ہیں ورنہ انہوں نے کہیں دین حاصل کرنے کے لئے کیوں پہنچنا ہے اور پھر ذکر ہی وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً مومنوں سے شروع کیا گیا ہے پس اس پہلو سے اس نظام کو وقف عارضی کا نظام بنانا ضروری ہے ورنہ وقف عارضی سے پوری طرح استفادہ نہیں کیا جاسکے گا۔“

وقف عارضی کے نظام کو زندہ کرنا بے حد ضروری ہے

''اور جو پاکستان کے علاوہ ممالک ہیں انگلستان ہے یا جرمنی ہے یا ناروے اسی طرح افریقن ممالک ہیں ہندوستان میں آج کل خدا کے فضل سے کثرت سے تبلیغ ہو رہی ہے اور جوق در جوق بعض جگہ لوگ اسلام حقیقی اسلام میں داخل ہو رہے ہیں ان سب جگہوں میں وقف عارضی کے نظام کو دوبارہ زندہ کرنا بے حد ضروری ہے۔''

ذیلی تنظیموں کی ذمہ داری

''جن ذیلی تنظیموں کے سپرد بھی میں نے یہ کام کیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم دیں وہ وقف عارضی کے نظام کے علاوہ اپنے دائرے میں مختصر ایسی کلاسز کا انتظام کر سکتے ہیں ایسے تربیتی انتظامات جاری کر سکتے ہیں جن کے نتیجے میں جن لوگوں کو انہوں نے قرآن کریم سکھانا ہے ان میں سے کچھ لوگ پہلے چن لئے جائیں اور ایک جگہ نہیں کہ ضرور لندن ہی بلایا جائے یا ضرور کسی بڑی مرکزی جماعت میں ہی بلایا جائے۔ جہاں جہاں ممکن ہے وہاں مختصر پیمانے پر **تفقہ فی الدین** سکھانے کا انتظام کرا دینا چاہئے۔ اس کے لئے آج جو ماڈرن DEVICES ہیں، میں نے پہلے بھی توجہ دلائی تھی، کیسٹس ہیں، ویڈیوز ہیں، چھوٹا چھوٹا تربیتی لٹریچر ہے اس کو بھی شائع کریں لیکن یہ یاد رکھیں کہ جو ذاتی تربیت فائدہ پہنچا سکتی ہے وہ محض لٹریچر یا ویڈیوز وغیرہ کے ذریعہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ متبادل چیزیں ہیں تیمم کا رنگ رکھتی ہیں قرآن کریم نے جو زور دیا ہے وہ اس بات پر ہے کہ ذاتی تربیت کی جائے اور ذاتی تربیت اسی طرح ممکن ہے کہ کچھ لوگ آئیں۔ آپ ان کو سکھائیں ان کو سکھانے کے لئے ان آلات کی مدد بے شک لیں مگر مربی ہونا ضروری ہے کوئی تربیت دینے والا آپ کے لئے ضروری ہے کہ ان کو مہیا کیا جائے اور پھر اس کے تابع آپ ان کو سمجھا کر، خواہ تھوڑا سمجھائیں لیکن کچھ سمجھا کر واپس بھیجیں اور ان کو کہیں کہ یہ تم آگے جاری کر دو۔

پس قرآن کریم نے جو نظام جاری کیا ہے وہ اس وقف عارضی کے موجودہ نظام سے بھی کچھ مختلف ہے اور بعض پہلوؤں سے مختلف ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اور قرآن کریم کی جو کلاسز کا ہمارے ہاں رواج ہے اس سے بھی مختلف ہے۔''

آپ نے استاد بنانا ہے

''قرآن کریم کے جو درس جاری کئے جاتے ہیں یا سالانہ کلاسز کا انتظام کیا جاتا ہے۔اس میں آپ طالب علموں کو بحیثیت طالب علم کچھ سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔قرآن کریم کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے استاد بنانا ہے طالب علم نہیں بنانا۔اب ان دو باتوں میں بڑا فرق ہے، ایک بچے کو اس غرض سے پڑھایا جائے کہ وہ خود بات سمجھ لے اور اس کی ذات تک اس کو علم حاصل ہو جائے۔یہ ایک اور بات ہے لیکن اس نیت سے پڑھایا جائے کہ وہ جا کر دوسروں کو پڑھا سکے یہ ایک اور بات ہے۔چنانچہ میں نے کئی دفعہ ذکر کیا ہے ہٹلر کے ایک جرنیل کی تجویز کا کہ جب جرمنی میں یہ پابندی تھی کہ ایک لاکھ سے زیادہ جرمن فوج نہیں ہو سکتی یعنی جرمن قوم ایک لاکھ سے زیادہ فوج رکھ نہیں سکتی تو اس قابل جرنیل نے یہ تجویز ہٹلر کے سامنے پیش کی کہ بجائے اس کے کہ ہم ایک لاکھ سپاہی پیدا کریں۔کیوں نہ ہم ایک لاکھ سپاہی بنانے والے افسر بنا دیں۔تعداد کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا ایک لاکھ ہی رہے گا لیکن بجائے اس کے کہ ہم شاگرد بنائیں استاد پیدا کرتے ہیں۔یہ ترکیب بڑی مشہور ہوئی اور دنیا میں بعد میں بھی بڑے بڑے اس پر تبصرے کئے گئے۔چرچل نے اپنی مشہور کتاب میں بھی اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اس کے دماغ کی ایک حیرت انگیز Brain Wave (دماغی لہر) تھی جس نے ساری جرمن قوم کی کایا پلٹ دی اور ہماری آنکھوں کے نیچے حیرت انگیز طور پر اس قوم میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی کہ وہ لکھو کھہا بلکہ تقریباً ایک کروڑ تک سپاہی پیدا کر سکے ہیں۔آخری شکل میں تو یہ ترکیب جو اس کے دماغ کی Wave (لہر) بتائی جاتی ہے آج سے چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خود سکھائی تھی اور اسی آیت میں اس کا بیان ہے۔ فرمایا:

’’دیکھو ایسے طالب علم نہ تیار کرو جو علم کو اپنی ذات تک محدود رکھیں اور خود علم حاصل کریں بلکہ ایسے اساتذہ تیار کرو جو تفقہ فی الدین حاصل کرنے کے بعد بطور استاد اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ سکیں۔‘‘

کثرت سے افضالِ الٰہی کے نزول کی دعا

’’یہ ایک بات یقینی اور قطعی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو وعدے کئے ہیں جیسا کہ وہ ہمیشہ پورا کرتا چلا آیا ہے اب بھی ضرور پورا کرتا رہے گا اور کوئی نہیں جو اس کو بدل سکے لیکن اگر ہم اپنے اندر مزید پاک تبدیلیاں پیدا کریں تو ان وعدوں کے ہم ایسے مستحق بن جائیں گے کہ، وہ خدا نے پورے تو کرنے ہی ہیں، مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام اور عزت اور اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر پورے کرنے ہوں کہ میں نے اپنے ایک پاکیزہ وفادار بندے سے وعدے کئے تھے، ان کو میں ضرور پورا کروں گا تو یہ مضمون اپنی جگہ ایک طرف ہے۔ ایک دوسرا مضمون اس میں یہ داخل ہو جاتا ہے کہ جماعت اپنے آپ کو ان وعدوں کا مستحق بنادے۔ ایسی صورت میں خدا کے فضل اس کثرت کے ساتھ نازل ہوتے ہیں کہ صرف ایک وجہ نہیں رہتی وعدوں کو پورا کرنے کی بلکہ جماعت زبان حال سے خدا تعالیٰ سے یہ فضل مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم بھی تو مستحق ہیں۔ ہم نے بھی تو بڑی وفا کے ساتھ بڑے صبر آزما دور میں اپنے تعلق کو تیرے ساتھ قائم رکھا ہے۔ بڑی قربانیاں دی ہیں اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو تو نے وعدے کئے ہیں وہ تو تُو نے پورے کرنے ہی ہیں، ہم پر اس کے علاوہ بھی احسان فرما اور اس کثرت کے ساتھ ہم پر فضل نازل فرما کہ دشمن دیکھے کہ تیری محبت بارش کے قطروں کی طرح ہم پر برس رہی ہے اور وہ موسلا دھار بارش بنتی چلی جارہی ہے۔ یہ وہ دعا ہے جو دعا کرتے ہوئے اہلیت کی خاطر قرآن کریم کی نصائح پر عمل کرتے ہوئے ایک مضبوط نظام کے تابع اپنی تربیت کی طرف توجہ کریں اور نئے آنے والوں کی تربیت کی طرف توجہ کریں۔‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 مئی 1990ء مسجد فضل لندن۔ شائع کردہ نظارت اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ربوہ)

واقفین عارضی کے لئے ہدایات

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشادات کی روشنی میں

1۔ آپ نے جو ایام (دو ہفتے سے لے کر چھ ہفتے تک) وقف کئے ہیں انہیں خاص طور پر دعاؤں اور ذکر الٰہی میں صرف کریں۔

2۔ جس جماعت یا مقام پر آپ کو بھیجا جائے وہاں کی احمدی جماعت کی تربیت آپ کی اولین ذمہ داری ہے۔ نماز باجماعت کی زیادہ پابندی ہو۔ ہر فرد کا کم از کم ناظرہ قرآن مجید پڑھنا لازمی ہے۔ ترجمہ اور تفسیر کی طرف بھی توجہ دلائی جائے۔ بچوں، جوانوں اور بوڑھوں، نیز مستورات میں بھی قرآن مجید کے پڑھنے کی خاص رَو جاری کر دی جائے۔

3۔ احباب جماعت کو جماعتی کاموں کے کرنے بالخصوص سلسلہ کے مقررہ چندوں کی بروقت ادائیگی کی تلقین کریں۔

4۔ اگر کسی جگہ دو احمدی بھائیوں میں کوئی شکر رنجی یا ناراضگی ہو تو آپ محبت سے اسے دور فرمائیں۔ لیکن مقامی جھگڑوں میں (اگر کہیں ہوں) آپ ہرگز نہ الجھیں۔

5۔ تربیت اور اصلاح وارشاد کی طرف توجہ دیں۔

6۔ عام بیداری اور جماعتی کاموں میں دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

7۔ اپنا کھانا خود تیار کریں۔ اشد مجبوری کی صورت میں اجرت ادا کر کے کسی سے تیار کروا سکتے ہیں۔ خواہ وہاں پر آپ کے رشتہ دار بھی موجود ہوں۔

8۔ زیادہ سے زیادہ احباب جماعت کو بابرکت تحریک وقف عارضی سے آگاہ فرما کر انہیں اس میں شمولیت کی دعوت دیں اور ہر خواہشمند دوست کی درخواست علیحدہ علیحدہ کاغذ پر حضور کی خدمت میں ارسال کریں جس میں ان کے نام اور مکمل پتہ کے علاوہ مندرجہ ذیل کوائف ترتیب وار درج ہوں:۔

(i)۔ کتنے ہفتے وقف کریں گے۔ (ii)۔ کس ماہ یا کس تاریخ سے وقف کے لئے فارغ ہوں گے۔ (iii)۔ اپنی جائے رہائش سے کتنے فاصلے تک اپنے خرچ پر سفر کر کے جا سکیں

گے۔(iv)۔عمر اور تعلیم کتنی ہے۔(v)۔قرآن کریم ناظرہ اور باترجمہ کس قدر جانتے ہیں۔
(vi)۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتنی کتب مطالعہ کی ہیں۔(vii)۔کیا تبلیغ اور تربیت کا کوئی تجربہ ہے۔(viii)۔کیا جماعت یا کسی ذیلی تنظیم انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کے عہدہ دار ہیں یا رہ چکے ہیں؟

9۔اپنے کام کی مفصل ہفتہ وار رپورٹ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں بھجواتے رہیں۔

10۔جس جماعت میں جائیں وہاں اس امر کا جائزہ لیں کہ آیا وہاں مجلس موصیاں قائم ہے اور کیا ہر موصی اپنی کم سے کم ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے جو یہ ہے کہ وہ سال میں کم از کم دو دوستوں کو قرآن کریم پڑھائے۔اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس مبارک تحریک پر پاکستان سے حصہ لینے والے مخلص واقفین کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

سن	تعداد وقفین و واقفات	سن	تعداد واقفین و واقفات
1971-72	2,761	1980	1,061
1972-73	2,937	1981	1,107
1973-74	1,153	1982	2,176
1974-75	1,406	1983	2,753
1975-76	1,282	1984	1,374
1976-77	1,745	1985	2,040
1978	1,084	1986	2,556
1979	1,302	1987	3,311

نوٹ: یہ تعداد اگست تک کی ہے۔

(رپورٹ نظارت اصلاح وارشاد و تعلیم القرآن و وقف عارضی)

وقفِ زندگی بذریعہ نصرت جہاں سکیم

افریقہ میں عیسائیت کی اشاعت اور اس کے اثر ونفوذ کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اثر ونفوذ زیادہ تر طبی مراکز اور تعلیمی اداروں کا مرہونِ منت ہے جو عیسائی مشنوں نے وسیع پیمانے پر وہاں جاری کئے۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں افریقہ کو اسلام اور احمدیت کے نور سے منور کرنے کے لئے بہت سے واقفین زندگی کو وہاں بھجوایا۔ آپؓ نے ایک موقعہ پر فرمایا:۔

''خدا نے ان افریقن ممالک کو احمدیت کے لئے محفوظ رکھا ہوا ہے اور اس کی ترقی کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہے۔ ہمارا مستقبل افریقہ کے ساتھ وابستہ ہے............ ہمارے لئے یہ بڑی ہوشیاری اور بیداری کا وقت ہے انتہائی سرعت اور تیزی کے ساتھ کام کرنے کا وقت ہے دنوں اور مہینوں کے اندر ہمیں تمام افریقہ پر چھا جانا چاہیئے اور تثلیث کی بجائے خدائے واحد و یگانہ کی بادشاہت اس ملک میں قائم کر دینی چاہیئے۔''

(الفضل 8رفروری 1961ء)

حضرت مصلح موعودؓ نے غلبہ اسلام کی جو عظیم الشان مہم افریقہ میں جاری فرمائی تھی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے عہد خلافت میں نہ صرف ایک نئے دور میں داخل ہوگئی بلکہ 1970ء میں حضورؒ کے دورہ مغربی افریقہ کے نتیجے میں دیکھتے ہی دیکھتے عروج وارتقاء کے ایک بلند مقام تک جا پہنچی۔

گیمبیا میں الٰہی القاء

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

''گیمبیا میں اک دن اللہ تعالیٰ نے بڑی شدت سے میرے دل میں ڈالا کہ تم کم از کم ایک لاکھ پونڈ ان ملکوں میں خرچ کرو اور اس میں اللہ تعالیٰ بہت برکت ڈالے گا اور بہت بڑے اور اچھے نتائج نکلیں گے۔''

چنانچہ حضور نے الٰہی تفہیم کے تابع اس سکیم کا نام ''نصرت جہاں سکیم'' رکھا اور ایک اکاؤنٹ ''نصرت

جہاں ریز روفنڈ'' کے نام سے کھلوایا۔(خطبہ جمعہ 12 جون 1970ء۔الفضل 15رجولائی 1970ء)

اسی طرح حضورؒ نے فرمایا:۔

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ تمام اقوام عالم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جھنڈے تلے ایک وحدت میں منسلک کرنے کے لئے اس وقت جو عظیم مہم جاری ہے اس کا ایک محاذ مغربی افریقہ ہے جہاں پر خلافت حقہ کے ذریعے آسمانی نشانات اور الٰہی تائید ونصرت کے بہت سے نشانات ظاہر ہورہے ہیں۔

اس وقت غلبہ اسلام کی مہم جس اہم اور نازک دور سے گذر رہی ہے اس کا یہ تقاضا ہے کہ ہم مالی اور جانی میدان میں انتہائی قربانیاں پیش کریں تاکہ جو کامیابی ہمارے لئے مقدر ہے اور جس کے آثار ہمیں اب نظر آرہے ہیں، اسے ہم بہت جلد اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرسکیں۔'' (الفضل 11رستمبر 1970ء)

حضورؒ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ کُل جماعت نصرت جہاں ریز روفنڈ میں اتنی رقم دے دے جتنے سال حضرت مصلح موعودؓ کی خلافت کے بنتے ہیں۔

حضور نے فرمایا:۔

''افریقہ میں لڑی جانے والی جنگ کو جیتنے کے لئے ہم پر بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں بہت ساری باتیں پہلے بیان کر چکا ہوں مثلاً نصرت جہاں ریزرو فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ہمیں ڈاکٹروں کی ضرورت ہے۔ہمیں ٹیچروں کی ضرورت ہے۔ہمیں بڑی دعائیں کرنی چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر تو کچھ نہیں ہوسکتا جب اللہ تعالیٰ فضل کرے اور اپنے پیار کے جلوے دکھائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔''

حضور نے اپنے دورہ افریقہ میں اہل افریقہ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ہم تمہارے ملکوں میں محض تمہاری خدمت اور فلاح و بہبود کی خاطر ہسپتال، ڈسپنسریاں اور سکول کھولیں گے۔ ظاہر ہے اس عظیم کام کے لئے واقفین زندگی اساتذہ اور ڈاکٹروں کی ضرورت تھی اور خاصی رقم کی ضرورت تھی مگر حضور کو خدا کی ذات پر اس قدر یقین تھا کہ سفر کی واپسی پر لنڈن میں اس سکیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

واقفین زندگی ڈاکٹروں اور اساتذہ کی ضرورت

''مجھے یہ فکر نہیں کہ یہ رقم کہاں سے آئے گی۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ خرچ کیا جائے تو انشاءاللہ تعالیٰ ضرور دے گا۔ یہ رقم مجھے ملے گی مجھے کوئی فکر نہیں۔

مزید برآں مجھے کام کرنے کے لئے فوری طور پر 30 ڈاکٹروں کی ضرورت ہے اور اساتذہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ بھی مجھے فکر نہیں کہ رضا کار واقف ملیں گے یا نہیں ملیں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ یہاں کام کیا جائے۔ جس چیز کی مجھے فکر ہے اور آپ کو بھی ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ محض خدا کے حضور مالی قربانی پیش کر دینا کوئی چیز نہیں جب تک وہ مقبول نہ ہو اس واسطے آپ بھی دعا کریں اور میں بھی کروں گا کہ یہ سعی مشکور ہو خدا تعالیٰ اس حقیر سی قربانی کو قبول فرمائے۔'' (حیات ناصر صفحہ 540 جلد اول)

مخلصین جماعت کا شاندار نمونہ

یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ حضورؒ نے ایک لاکھ پونڈ کا مطالبہ کیا تھا اور فرشتوں نے مخلصین جماعت کو کچھ اس طرح تحریک کی کہ انہوں نے اڑھائی لاکھ پونڈ یعنی 53 لاکھ روپے کی رقم حضورؒ کے قدموں میں لا ڈالی اور اس سے جو عظیم الشان کام ہوئے ان کی اس سرمائے سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

اسی طرح بکثرت رضا کار واقفین ڈاکٹرز اور ٹیچرز نے بھی اپنے آپ کو اس عظیم خدمت کے لئے پیش کر دیا اور مسلسل پیش کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض وقف عارضی پر افریقہ جاتے ہیں اور بعض نے اپنی ساری زندگی خدمت دین کے لئے وقف کی ہوئی ہے۔

نصرت جہاں سکیم کے شاندار نتائج

چنانچہ فوری طور پر ہی نصرت جہاں سکیم نے اپنے شیریں پھل دینے شروع کر دیئے۔ حضور پرنورؒ کے واپس مرکز ربوہ تشریف لانے پر ابھی چھ ماہ پورے نہ ہوئے تھے کہ نصرت جہاں کا پہلا شیریں ثمر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور ستمبر 1970ء میں غانا میں ''نصرت جہاں اکیڈمی وا'' (WA) کا قیام عمل میں آ گیا۔ پھر یکم نومبر

1970ء کو غانا میں کوکوفو کے مقام پر پہلا ہسپتال قائم ہو گیا۔ **الحمدللہ علی ذالک**۔ گویا پہلے سکول اور پہلے ہسپتال کے قیام کا اعزاز اہل غانا کے حصّہ میں آیا۔

دسمبر 1972ء تک جب اس سکیم کو جاری ہوئے ابھی صرف دو سال کا عرصہ ہوا تھا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے مغربی افریقہ میں 14 ہسپتال اور 9 ہائر سیکنڈری سکول قائم ہو گئے۔ یہ کامیابی اتنی عظیم تھی کہ اپنوں اور غیروں سب نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''نصرت جہاں کی سکیم 1970ء میں میں نے جاری کی تھی اور جلسہ سالانہ پر اس کا اعلان کیا تھا۔ اس وقت اپنے حالات کو دیکھ کر یہ خیال تھا کہ سات سال میں یا بہت ہی جلد کر سکے تو پانچ سال میں میں اپنا وعدہ پورا کر سکوں گا۔ میں نے دعائیں کیں۔ جماعت نے دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے وہ منصوبہ جس کے متعلق ہمارے اندازے تھے کہ وہ سات سال میں مکمل ہوگا خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈیڑھ دو سال میں مکمل ہو گیا اور اس کا بڑا اثر ہوا۔

ایک امریکن مجھے غانا میں ملے وہ وہاں کے قبائلی Customs ان کی روایات اور رہن سہن کے طریقوں پر P.H.D کے لئے اپنا مقالہ لکھ رہے تھے۔ وہ ڈیڑھ سال کے بعد یہاں آئے۔ وہ کہنے لگے کہ میں صرف یہ دیکھنے آیا ہوں کہ یہ جماعت کس چیز سے بنی ہوئی ہے۔ مجھ سے تو بات نہیں کی۔ لیکن بعض دوستوں سے انہوں نے کہا کہ اگر امریکہ یہ وعدہ کرتا تو ڈیڑھ دو سال میں وہ اپنا یہ وعدہ پورا نہ کر سکتا لیکن جماعت احمدیہ نے اسے پورا کر دیا۔ بات یہ ہے کہ ہم اس مٹی سے بنے ہوئے ہیں جو دنیا کی نگاہ میں حقیر ہے لیکن خدا کے ہاتھ میں اس کا آلہ بن چکی ہے۔ خدا تعالیٰ فضل کرتا ہے اور کامیابیاں عطا کرتا ہے ورنہ ہم کیا اور ہماری بساط کیا اور ہمارے مال کیا اور ہماری عقلیں اور فراست کیا؟ نتیجے اور تدابیر اور کوشش کا آپس میں کوئی مقابلہ نہیں ہے۔'' (حیات ناصر صفحہ 534-535 جلد اول)

نصرت جہاں سکیم کے تحت کھلنے والے سکول اور ہسپتال

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دور خلافت میں ہی خدا تعالیٰ کے فضل اور واقفین کی انتھک محنت سے

افریقہ میں 15 سکول اور 18 کلینک ہسپتال کھولے گئے۔ فالحمدللہ علی ذالک

اور آپ کے بعد یہ سلسلہ مزید وسعت اختیار کرتا چلا جارہا ہے۔حضورؒ نے جلسہ سالانہ 1980ء کے موقعہ پر فرمایا:-

''نصرت جہاں سکیم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم الشان کامیابیاں عطا کی ہیں کہ ساری دنیا کے دماغ مل کر بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔''

(تقریر جلسہ سالانہ 27/دسمبر 1980ء بحوالہ حیات ناصر جلد اول صفحہ 540)

خلافت خامسہ کے بابرکت دور میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے پہلے دورہ افریقہ کے موقعہ پر ساری دنیا اللہ تعالیٰ کے اُن بے شمار فضلوں کا مشاہدہ کر چکی ہے جو ان الٰہی سکیموں کے نتیجے میں حاصل ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا تبصرہ

''مغربی افریقہ میں ''نصرت جہاں آگے بڑھو'' کی جو سکیم 1970ء میں تیار کی گئی تھی .... وہاں اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہسپتالوں میں اتنی برکت ڈالی اور ہمارے ڈاکٹروں کے ہاتھ میں اس قدر شفاء رکھی کہ وہاں کے امراء (یعنی بہت امیر لوگ جو Millionaires کہلاتے ہیں) ہمارے پاس آنے کے لئے مجبور ہوئے حالانکہ اچھی اچھی عمارتوں والے ہسپتال تھے جن میں غیر ممالک کے یورپین اور امریکن ڈاکٹر کام کر رہے تھے۔ ان ہسپتالوں کو چھوڑ کر ہمارے پاکستانی احمدی ڈاکٹروں کے پاس آنے لگ گئے اور بڑی بڑی رقمیں فیس میں دیں۔''

''شروع میں ہمارے ڈاکٹر کے پاس ایک کچا مکان تھا۔ اب تو خیر اللہ تعالیٰ نے 14 ہسپتالوں کی عمارتیں بنا دیں، باقی بن رہی ہیں۔ یہ سارے ہسپتال Full Fledged (مکمل طور پر) بن چکے ہیں لیکن جس وقت بالکل کچی پکی عمارتیں تھیں اس وقت بھی امیر وہاں آجاتا تھا۔ حکومت کا وزیر وہاں آجاتا تھا۔ حکومت کے سربراہ کی بیوی ایک دن اپنے رشتہ دار لے کر ہمارے HUT (جائے قیام) میں پہنچ گئی۔ کئی لوگوں نے

پوچھا کہ یہ کیا؟ ان کو خدا نے سمجھ بھی دی ہے۔ مثلاً ایک وزیر سے کسی نے پوچھا کہ تمہیں تو بہت سہولتیں ہیں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں وزیر ہوں اور مجھے اپنی حکومت کے ہسپتال میں ہر قسم کی سہولت ہے عمارت اچھی، کمرے اچھے، نرسیں اچھی، کھانے کا انتظام اچھا، میری دیکھ بھال اچھی، ڈاکٹر اچھے یورپ کے پڑھے ہوئے، سارا کچھ ہے لیکن میں نے دیکھا ہے کہ شفاء وہاں نہیں ملتی شفاء ان کے پاس آ کر ملتی ہے اس لئے میں یہاں آ جاتا ہوں۔ وہاں جو شفاء ملتی ہے وہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے نام کو بلند کرنے کے لئے جو منصوبہ بنایا ہے اس کے ماتحت آتی ہے۔'' (حیات ناصر جلد اول صفحہ 546-547)

ہمدردیٔ خلائق کے لئے قائم ہونے والے ہسپتالوں کے شاندار نتائج کو ایک عیسائی پادری نے شروع سے ہی بھانپ لیا تھا اور یوں پکار اُٹھا تھا:

''جس دن میں نے سیرالیون چھوڑا تھا اس دن اسلام کا پہلا میڈیکل مشنری پہنچا۔ یہاں کے مقامی پریس نے بہت تھوڑی خبریں اس کے متعلق شائع کیں جہاں تک مجھے علم ہے کسی عیسائی لیڈر نے اس کا نوٹس نہ لیا مگر میرے نزدیک یہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا ایک اور نشان ہے۔ مسلمان بھی عیسائی مشنوں کے طور وطریق کو اپنا رہے ہیں اور یہ اسلامی طبی مشن بھی اس پروگرام کا ایک حصّہ ہے جو جماعت احمدیہ چلا رہی ہے جسے مغربی افریقہ میں اسلامی انقلاب لانے کے لئے پیشرو کی حیثیت حاصل ہے۔''

(الفضل 13 رنومبر 1973ء از سیکرٹری مجلس نصرت جہاں)

شاندار نتائج پر غیروں کے تاثرات

1۔ 3 رجولائی 1971ء احمدیہ ہیلتھ سینٹر بواجے بو (سیرالیون) کے افتتاح کے موقع پر وزیر صحت سیرالیون نے فرمایا:

''ملک میں تعلیم کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کے سلسلہ میں احمدیہ مشن نے جو قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں خود ایک معلم و مدرس کی حیثیت سے میں ان میں بہت دلچسپی لیتا رہا ہوں اور اب وزیر صحت کی حیثیت سے یہ امر میرے لئے از حد خوشی کا موجب ہے اور میں اس پر

ممنونیت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جماعت احمدیہ نے اپنی بے لوث خدمات کے دائرہ کو صحت اور طب سے متعلق قومی پروگرام کے خاطر خواہ نفاذ تک ممتد کر دیا ہے۔

یہ ایک اور بیّن ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ جماعت دوسروں کے لئے خدمت کے جذبہ سے سرشار ہے۔ میری وزارت (یعنی وزارت صحت) نے آپ لوگوں کی مساعی کی ہر ممکن رنگ میں تائید وحمایت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

(بحوالہ الفضل 11/ جولائی 1971ء صفحہ 1)

2۔ نائیجیریا میں احمدیہ ہائر سیکنڈری سکول کے افتتاح کے موقع پر افتتاحی تقریب میں صدارت کے فرائض ایجوکیشن کمشنر جناب الحاج ابراہیم نے ادا فرمائے۔ آپ نے جماعت احمدیہ کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا:۔

''جماعتِ احمدیہ وہ پہلی مسلم تنظیم ہے جس نے اعلیٰ تعلیم کے ادارے قائم کرنے میں ہمارے لئے نہایت شاندار مثال قائم کر دکھائی ہے۔''

(بحوالہ الفضل 21/ جولائی 1971ء صفحہ 1)

3۔ صدر جمہوریہ سیرالیون ڈاکٹر سیا کا سٹیونز نے 2/ دسمبر 1971ء کو احمدیہ سیکنڈری سکول کا معائنہ کرتے ہوئے فرمایا:

''میں سب سے پہلے جماعت احمدیہ کا، جو یہ کام تعلیم کے میدان میں کر رہی ہے، شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس جماعت نے تعلیم کے ساتھ ساتھ طبی میدان میں بھی ہماری مدد کرنی شروع کی ہے میں ان تمام گرانقدر خدمات کے لئے جماعت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(الفضل 3/ مارچ 1972ء صفحہ 3)

4۔ گیمبیا کے صحت و تعلیم اور سماجی بہبود کے وزیر آنر ایبل الحاج گاربا جاہمپا نے ماریشس کے دورے کے دوران جماعت احمدیہ کے استقبالیہ میں شرکت کی اور فرمایا:

''میرے ملک (یعنی گیمبیا) میں جماعت احمدیہ کے قیام اور اس کی ترقی کی تاریخ دنیا میں ہر مسلمان کیلئے انتہائی خوشی اور مسرت کا باعث ہے۔

میں اس امر کا اظہار کرنے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی گیمبیا میں

تشریف آوری کا ہی ایک ثمرہ ہے کہ ہم خدمت خلق کے میدان میں جماعت احمدیہ کی عظیم رفاہی سرگرمیوں سے متمتع ہو رہے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہی حقیقی اسلام ہے (جس کا عملی نمونہ آج جماعت احمدیہ پیش کر رہی ہے۔)'' (الفضل 3رمئی 1972ء صفحہ 2)

5۔ لائبیریا (مغربی افریقہ) کے قصبہ سانوے میں نصرت جہاں کے تحت احمدیہ کالج کے متعلق محکمہ تعلیم کے علاقائی نگران مسٹر ورنر نے 5رجون 1974ء کو معائنہ کے بعد ریمارکس دیئے۔

''5رجون کو جماعت احمدیہ لائبیریا کی شاخ سانوے کو دیکھنے کا موقع ملا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ سکول اپنے اغراض و مقاصد اور اپنی تنظیم کے پیش نظر تاریک و تار اندھیرے میں روشنی کا مینار ثابت ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں سکول کا پلان جیسا کہ (لائبیرین سٹار میں) شائع ہوا ہے جاری رہا تو ہمارے بچے صحت مند اور ٹھوس تعلیم حاصل کر سکیں گے اور اس طرح بہت سی زندگیاں ضائع ہونے سے بچ جائیں گی۔ (انشاءاللہ)۔''

(الفضل 5راکتوبر 1974ء صفحہ 6)

6۔ 1971ء کے آواخر میں جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے صدرِ مملکت گھانا کو قرآن کریم کا تحفہ پیش کیا۔ اس موقع پر صدر صاحب نے فرمایا:۔

"As you are aware, our Government does not impose any restrictions on any religious practices and the constitution does not permit that. I am happy that it is so".

He stated that he had no doubt that their religion which was one of the greatest in the world, had made some contribution to the community, and expressed hope that they would continue to help in the advancement of this country. He said the Government was aware of what the Movement had been doing in this country,adding:

" We can say how grateful we are that you have found it necessary to make your contribution to the advancement of this country". (Guidance Nov., 1971) page:1

باب ہفتم

خلافت رابعہ اور وقف زندگی

قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عظیم الشان آسمانی وجودوں میں سے تھے۔ آپ کے دل میں ہمدردی مخلوق اور تبلیغ واشاعت اسلام کا جذبہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح موجزن تھا۔ آپ کی ولولہ انگیز قیادت میں جماعت احمدیہ ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ اس دور میں جس کی خوشخبری سیدنا حضرت خلیفہ المسیح الثالثؒ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی کہ آئندہ پچیس تیس سالوں کے بعد عظیم روحانی انقلاب آنے والا ہے۔

آپ خود بھی واقف زندگی تھے۔ اور ساری جماعت میں وقف کی روح دیکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ احمدیت اب فتوحات کے دور میں داخل ہورہی ہے۔ اور بڑی عظیم بشارتیں ملنے والی ہیں۔ چنانچہ آغاز خلافت میں ہی مسجد بشارت سپین کا افتتاح فرمانے کے بعد جب واپس ربوہ تشریف لائے تو خدام الاحمدیہ کے اجتماع کے موقعہ پر نہایت پرشوکت الفاظ میں فرمایا:۔

"خدا کی قسم میں احمدیت کی فتح کے قدموں کی چاپ سن رہا ہوں۔ اس لئے آپ اپنے دل بدلیں۔ خدا تعالیٰ کی تقدیر فیصلہ کر چکی ہے کہ وہ آپ کو غالب کرے گی۔" انشاء اللہ۔

(خطاب اجتماع خدام الاحمدیہ 1982ء)

تحریک دعوت الی اللہ کا شاندار جہاد

خلافت کے آغاز سے ہی آپ نے جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز سے تیز تر کر دیا۔ اور آپ نے پے در پے متعدد روح پرور خطابات سے جماعت کے دلوں کو گرمایا اور انہیں تبلیغ کے میدان میں لا اُتارا۔ آپ فرماتے ہیں:

ہر احمدی مبلغ بن جائے

28؍جنوری 1983ء کو مسجد اقصیٰ ربوہ میں حضور نے خطبہ جمعہ میں تمام جماعت احمدیہ کو داعی الی اللہ بننے کی تحریک کی۔ فرمایا:

''تمام دنیا کے احمدیوں کو میں اس اعلان کے ذریعہ متنبّہ کرتا ہوں کہ اگر وہ پہلے مبلغ نہیں تھے تو آج کے بعد ان کو لازماً مبلغ بننا پڑے گا۔ اسلام کو ساری دنیا میں غالب کرنے کے بہت وسیع تقاضے ہیں اور یہ بہت بڑا بوجھ ہے۔ جو جماعت احمدیہ کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے............ آج کے بعد اگر ہر احمدی یہ سوچ لے کہ وہ جس ملک میں اور جہاں بھی ہے وہ لازماً دنیا کمائے گا کیونکہ اس کے بغیر گزارہ نہیں ہے اور دین کی خاطر کچھ پیش کرنے کے لئے اسے دنیا کمانی چاہئے لیکن وہ ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھے کہ اس کا مال کمانے کا مقصد بھی اللہ کی طرف دعوت دینا ہوگا۔........... آج اگر دنیا کا ہر احمدی یہ عزم کر لے کہ اس نے اپنے نفس کی قربانی داعی الی اللہ کے رنگ میں خدا کے حضور پیش کرنی ہے تو وہ انقلاب جو ہم سے دور بھاگتا ہوا دکھائی دے رہا ہے آپ دیکھیں گے کہ وہ ایک مقام پر ٹھہر گیا ہے۔........... پس دوستوں کو چاہئے کہ وہ داعی الی اللہ بننے کا عزم کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ (روزنامہ الفضل ربوہ۔ مورخہ 26؍اپریل 1983ء)

تمام دنیا کو خدا کی طرف بلائیں

25 فروری 1983ء کو بمقام ناصر آباد سندھ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

''پس میں تمام احباب جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ تمام دنیا کے انسانوں کو خدائے حیّ و قیوم کی طرف بلائیں۔ مشرق کو بھی بلائیں اور مغرب کو بھی بلائیں۔ کالے کو بھی بلائیں اور گورے کو بھی بلائیں۔ عیسائی کو بھی بلائیں اور ہندو کو بھی، بھٹکے ہوئے لوگوں کو بھی بلائیں اور دہریوں کو بھی، مشرقی ملکوں کو بھی بلانا آج آپ کے سپرد کیا گیا ہے اور مغربی بلاک کو بلانا بھی آج آپ کے ذمہ لگایا گیا ہے۔'' (روزنامہ الفضل ربوہ۔ 23؍مئی 1983ء)

بچے، بوڑھے، بیمار سب مبلغ بن جائیں

حضور نے 4 / مارچ 83ء مسجد اقصیٰ ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:

''اب تو بچوں کو بھی مبلغ بننا پڑے گا۔ بوڑھوں کو بھی مبلغ بننا پڑے گا۔ یہاں تک کہ بستر پر پڑے ہوئے بیماروں کو بھی مبلغ بننا پڑے گا۔'' (الفضل 31 / مئی 1983ء)

داعی الی اللہ کا عہد

''داعی الی اللہ تو وہ ہوتا ہے کہ جب ایک دفعہ عہد کرتا ہے تو پھر عمر بھر اس عہد کو کامل وفا کے ساتھ نباہتا ہے۔ اور آخری سانس تک داعی الی اللہ بنا رہتا ہے۔ پس ہمیں اس قسم کے داعی الی اللہ کی ضرورت ہے۔''
(الفضل 5 / جون 1983ء)

دنیا میں انقلاب برپا کردو

حضور نے 19 / جولائی 85ء کو مسجد فضل لندن میں خطبہ جمعہ کے دوران دعوت الی اللہ کے ضمن میں فرمایا:

''تبلیغ میں حسن خلق کو بہت ہی دخل ہے۔..................... جہاں تک تبلیغ کا تعلق ہے حسن خلق بہت ضروری ہے۔ لیکن صرف حسن خلق کافی نہیں۔........... حسن خلق کا انکار تو ممکن ہی نہیں۔ یہ ایک بہت ہی بڑا اور مؤثر ہتھیار ہے جس کے ذریعہ تبلیغ پھل لاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن محض حسن خلق اور زبان سے خاموشی، یہ تو نہ انبیاء کا دستور ہے اور نہ کوئی معقول آدمی اسے تسلیم کرسکتا ہے۔''

پھر فرمایا:

''جب تک آپ تبلیغ کے ذریعہ عالمی انقلاب برپا نہیں کر لیتے آپ کو لازماً........... دکھ کی زندگی سے گزرنا پڑے گا................ یا ہمیشہ کے لئے دکھوں اور ذلت کی زندگی قبول کرلو یا تبلیغ کرو اور دنیا میں انقلاب برپا کرو۔ تیسری راہ ہی کوئی نہیں۔ پس یہ ہے جماعت احمدیہ کا

منصب اور جماعت احمدیہ کا مقام۔............

ہر احمدی جہاں تک بس پاتا ہے جہاں تک اس کی پیش جاتی ہے اپنے گردوپیش اپنے ماحول میں ہر جگہ انقلابی رنگ میں ایک وقف کی صورت میں تبلیغ شروع کردے۔تب وہ اپنی غیرت کے اظہار میں سچا ہوگا۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ 19/جولائی 85ء اصل مسودہ)

تعلق باللہ کی ضرورت

20/ستمبر 85ء کو ہمبرگ مغربی جرمنی میں خطبہ جمعہ میں حضور نے فرمایا:

"اگر میں آپ کو کہوں کہ علم کے لحاظ سے مبلغ بنیں تو اس کے لئے بہت پاپڑ بیلنے پڑیں گے............لیکن تعلق باللہ میں ایک عجیب بات ہے کہ جس لمحے آپ فیصلہ کرتے ہیں کہ میں خدا کا ہونا چاہتا ہوں اسی لمحے خدا آپ کا ہو جاتا ہے۔..........بنیادی بات علم نہیں ہے۔ بنیادی بات اللہ کی محبت اور اس کا پیار ہے۔اس لئے آپ اس کی طرف توجہ کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 20/ستمبر 1985ء اصل مسودہ)

تبلیغ کے لئے دل میں تڑپ پیدا کریں

دل میں ایک طلب ہونی چاہئے۔ عام طلب نہیں بلکہ طلب کے ساتھ بیقراری ہونی چاہئے۔................ میں نے جماعت کو متعدد بار توجہ دلائی ہے کہ تبلیغ کا فریضہ روحانی اولاد حاصل کرنے کے نقطہ نگاہ سے ادا کریں۔اپنے اندر وہ رجحان اور تڑپ پیدا کریں جو ایک ماں کو بچے کی خواہش کے لئے ہوتی ہے................اس لئے دل میں یہ فیصلہ کریں کہ آپ نے روحانی طور پر صاحب اولاد ہونا ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4/اکتوبر 1985ء بمقام پیدروآباد سپین۔اصل مسودہ)

مختلف ممالک کا نام لے کر تبلیغ کی تحریک

حضور انور نے مختلف ممالک کے احباب کو اپنے اپنے ملکوں میں تبلیغ کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی۔

4/اکتوبر 1985ء کو پیدروآباد سپین میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے حضور نے فرمایا:

''مبلغ کا کام دراصل تبلیغ کو منظم کرنا ہے۔لٹریچر پیدا کرنا ہے۔تبلیغ کی طرف تربیت دینا ہے۔اور وسیع پیمانے پر لوگوں سے رابطہ اور احمدیت کے نام کا اور اسلام کے نام کا عمومی تعارف کروانا ہے۔..................''

اہل سپین کو تبلیغ کریں

''سپین کو اگر احمدی کرنا ہے تو ہر احمدی مرد ہر احمدی عورت، ہر احمدی بچے کو اپنے ماحول میں کام کرنا ہوگا۔اس کے علم کی کمی اس کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ کیونکہ اب ایسے ذرائع پیدا ہو چکے ہیں کیسٹ کے،لٹریچر کے کہ کم علم لوگ بھی جن کو زبان پر بھی عبور نہیں ہے وہ بھی اچھی تبلیغ کر لیتے ہیں۔''

کینیڈا کو اسلام کی طرف بلائیں

مغربی کینیڈا کی جماعتوں کے سالانہ کنونشن کے موقع پر حضور کا پیغام۔اس میں حضور نے فرمایا:

''آپ سب کا فرض ہے کہ آپ ان لوگوں کو جو کینیڈا میں آباد ہیں حقیقی اسلام کی طرف بلائیں۔...........پس اس موقع پر میں آپ سے کہتا ہوں کہ اپنے مقام کو شناخت کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔'' (روزنامہ الفضل ربوہ۔20/اکتوبر 1983ء)

اہل غانا کو تبلیغ کریں

انصاراللہ غانا کے نیشنل اجتماع منعقدہ 25،26/اکتوبر 85ء کے لئے حضور نے اپنے پیغام میں فرمایا:۔

''بڑی شدت کے ساتھ اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ غانا کا ہر بوڑھا اور جوان داعی الی اللہ بن جائے۔..................اگر غانا کا ہر احمدی دعوت الی اللہ میں مصروف ہوجائے گا تو خدا کے فضل سے غانا دنیا کے عظیم ممالک کی صف میں کھڑا ہوجائے گا۔''

(ضمیمہ ماہنامہ مصباح۔نومبر 1985ء صفحہ 2)

اہل امریکہ کو تبلیغ کریں

جماعت احمدیہ امریکہ کے جلسہ سالانہ منعقدہ 2 تا 4 /اگست 85ء کے موقع پر حضور نے اپنے پیغام مرسلہ 16 جولائی 1985ء میں ارشاد فرمایا:

''تمام ممبران جماعت احمدیہ امریکہ مرد کیا اور عورتیں کیا بڑے کیا اور بچے کیا.................. دعوت الی اللہ میں مصروف ہوجائیں۔ یہ دعوت بامقصد ہونی چاہئے۔ اور جب تک آپ کو اس دعوت کے نتیجہ میں روحانی اولاد عطا نہ ہونی شروع ہوجائے آپ کو اطمینان سے نہیں بیٹھنا چاہئے۔'' (ضمیمہ ماہنامہ انصاراللہ۔ اگست 1985ء صفحہ 2)

جماعت جرمنی کو پیغام

جماعت احمدیہ جرمنی کے دسویں جلسہ سالانہ منعقدہ 22، 23 /جون 85ء کے موقع پر جو پیغام ارسال فرمایا اس میں ہر فرد کو داعی بننے کی تلقین کی۔ (حضور نے لندن سے 22 /جون 1985ء کو یہ پیغام ارسال فرمایا)۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا:

''میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ ابھی تک وہاں ایک خاص تعداد ایسے احمدیوں کی ہے جنہوں نے ابھی تک اپنے آپ کو داعین الی اللہ میں تبدیل نہیں کیا۔ میں آپ میں سے ہر مرد عورت، جوان اور بوڑھے کو آپ کے اس اہم فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ آپ کے ملک کی قسمت صرف اس وقت تبدیل ہوسکتی ہے جب آپ میں سے ہر فرد داعی الی اللہ بن جائے۔'' (ضمیمہ ماہنامہ مصباح ربوہ۔ اگست 1985ء)

جماعت سویڈن کے لئے پیغام

جماعت احمدیہ سویڈن کے جلسہ سالانہ منعقدہ 25 /دسمبر 85ء کے موقع پر حضور نے جو خصوصی پیغام ارسال فرمایا۔ اس میں دعوت الی اللہ کی طرف توجہ دلائی۔ فرمایا:

''یاد رکھیں کہ دعوت الی اللہ ہر فرد جماعت پر فرض ہے.......... ہر ایک میرا

مخاطب ہے اور ہر ایک کو میرا یہ پیغام ہے............لیکن ضروری ہے کہ مسلسل خود اپنی کوششوں کا محاسبہ جاری رکھیں اور روزانہ سونے سے پہلے اپنے آپ سے یہ سوال کیا کریں کہ آج آپ نے دعوت الی اللہ کا کیا اور کتنا حق ادا کیا۔''

(ضمیمہ تحریک جدید جنوری 1986ء صفحہ 6)

فضل عمر تعلیم القرآن کلاس سے خطاب کرتے ہوئے مورخہ 31/جولائی 83ء کو فرمایا کہ دعوت الی اللہ کے لئے حکمت سے بات کرنا ضروری ہے۔ (الفضل 2/اگست 83ء)

جماعت انگلستان کے لئے پیغام

جماعت احمدیہ انگلستان کے لئے پیغام انصار اللہ کے نام دیا۔ اس میں فرمایا کہ داعی الی اللہ بن جاؤ اور ساری دنیا کو مسیح پاک کا پیغام دو۔ (الفضل 4/اکتوبر 83ء)

جنوبی امریکہ کے نام پیغام

جماعت احمدیہ سرینام (جنوبی امریکہ) کے جلسہ سالانہ کے لئے حضور کا پیغام۔ اس میں حضور نے فرمایا کہ یہ وقت دعوت الی اللہ کا ہے جو بار بار نصیب نہیں ہوتا۔ ہر احمدی پورے عزم کے ساتھ دعوت الی اللہ میں مصروف ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ'' آج ضرورت ہے کہ ہر احمدی داعی الی اللہ بن جائے اور پورے عزم اور توکل کے ساتھ دعائیں کرتے ہوئے اس کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔''

(ضمیمہ خالد دسمبر 1985ء صفحہ 6)

اہل بھارت کے لئے پیغام

آل کرناٹک کانفرنس یادگیر (بھارت) کے لئے حضور کا پیغام۔ اس میں حضور نے دعوت الی اللہ کے بارے میں فرمایا کہ ہر مومن کی یہ ذمہ داری ہے۔ فرمایا:

''ہر مومن......نہ صرف یہ کہ وہ خود داعی الی اللہ بنے بلکہ دوسروں کو بھی داعی الی اللہ بننے کی تحریک کرے اور پھر ہر مخاطب اس پیغام کو آگے پہنچاتا چلا جائے۔ اور یوں نسلاً بعد نسلٍ

دعوت الی اللہ..........کا کام جاری وساری رہے۔

یقیناً دعوت الی اللہ کی راہ ہی بصیرت کی راہ ہے۔ یہی وہ طریق ہے جو انسان کو ہر قسم کی ظلمات سے نکالتا ہے۔ اور اس کے ظاہر و باطن کو نور اور روشنی سے بھر دیتا ہے۔ پس میرا آپ کے نام یہی پیغام ہے کہ سستیاں ترک کر دیں اور پوری طاقت کے ساتھ دعوت الی اللہ کے جہاد میں مصروف ہو جائیں۔''

(ضمیمہ خالد دسمبر 85ء صفحہ 7)

دعوت الی اللہ کے شاندار نتائج

چنانچہ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل دعوت الی اللہ کی تحریک اور نہایت مدبرانہ رہنمائی اور قیادت کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کے چھوٹے بڑے جوان بوڑھے وقف کی روح کے ساتھ میدان جہاد میں اتر آئے جس کے نتیجے میں جماعت نہایت سرعت سے پھیلنے لگی۔ اس کے ساتھ MTA جیسی نعمت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور کاروان احمدیت چھلانگیں لگاتا ہوا دوگنے سے چوگنا ہوتا رہا۔ اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے 178 سے زائد ممالک میں 17 کروڑ سے بھی زائد بندگان خدا احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے نور سے منور ہو چکے ہیں اور سینہ بسینہ یہ نور پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ فالحمدللہ علی ذالک

وقف نو کی بابرکت تحریک

جماعت کے وسیع پھیلاؤ اور کروڑوں نومبائعین کی تعلیم وتربیت کا وسیع کام تقاضہ کرتا تھا کہ اس کے لئے واقفین زندگی کی ایک فوج تیار ہو جو وسیع پھیلاؤ کو سنبھال سکے اور تعلیم وتربیت کا بہترین طور پر انتظام کیا جا سکے۔ چنانچہ الٰہی القاء کے تحت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے وقف نو کی تحریک فرمائی۔

مریمی اور اسماعیلی وقف کا احیاء

وقف زندگی کی اس تحریک کو ایک خصوصیت حاصل ہے کہ اسے خالصتاً مریمی اور اسماعیلی وقف کی یاد میں انہی کی مشابہت میں جاری کیا گیا ہے یعنی والدین بچے کی پیدائش سے بھی قبل ہونے والی اولاد کو وقف

کر دیتے ہیں۔جس طرح والدہ حضرت مریمؑ نے خدا سے یہ التجا کی تھی کہ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم۔ (آل عمران:36)

کہ اے میرے رب جو کچھ بھی میرے پیٹ میں ہے میں تیرے لئے پیش کر رہی ہوں ۔ مجھے نہیں پتہ کیا چیز ہے لڑکی ہے یا لڑکا ہے ۔مگر جو کچھ ہے میں تمہیں دے رہی ہوں ۔تو اسے مجھ سے قبول فرمالے یقینا تو بہت ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ۔ خدا تعالیٰ کو یہ دعا اتنی پسند آئی کہ ہمیشہ ہمیش کے لئے قرآن میں محفوظ فرما دی ۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اپنی اولاد کے متعلق ہے جس کے نتیجے میں اسماعیل جیسی اولاد نصیب ہوئی ۔

مورخہ 3/اپریل 1987ء کو حضور نے مسجد فضل لنڈن میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے وقف نو کی بابرکت تحریک کا اعلان فرمایا۔حضور فرماتے ہیں:

اگلی صدی کے استقبال کے متعلق ایک نہایت مبارک تحریک

پس میں نے یہ سوچا کہ ساری جماعت کو میں اس بات پر آمادہ کروں کہ اگلی صدی میں داخل ہونے سے پہلے جہاں ہم روحانی اولاد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں دعوت الی اللہ کے ذریعہ وہاں اپنے آئندہ ہونے والے بچوں کو خدا کی راہ میں ابھی سے وقف کر دیں ۔ اور یہ دعا مانگیں کہ اے خدا! ہمیں ایک بیٹا دے لیکن اگر تیرے نزدیک بیٹی ہی ہونا مقدر ہے تو ہماری بیٹی ہی تیرے حضور پیش ہے ۔ مَافِیْ بَطْنِیْ جو کچھ بھی میرے بطن میں ہے ۔ یہ مائیں دعائیں کریں اور والد بھی ابراہیمی دعائیں کریں کہ اے خدا! ہمارے بچوں کو اپنے لئے چن لے ان کو اپنے لئے خاص کر لے تیرے ہو کر رہ جائیں ۔ اور آئندہ صدی میں ایک عظیم الشان واقفین بچوں کی فوج ساری دنیا سے اس طرح داخل ہو رہی ہو کہ وہ دنیا سے آزاد ہو رہی ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کی غلام بن کے اس صدی میں داخل ہو رہی ہو۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہم خدا کے حضور تحفہ کے طور پر پیش کر رہے ہوں ۔

تحریک وقف نو کی اہمیت

اور اس وقف کی شدید ضرورت ہے آئندہ سو سالوں میں جس کثرت سے اسلام نے ہر جگہ پھیلنا ہے وہاں لاکھوں تربیت یافتہ غلام چاہئیں۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے خدا کے غلام ہوں واقفین زندگی چاہئیں۔

ہر ملک کے ہر طبقہ سے واقفین نو چاہئیں

کثرت کے ساتھ اور ہر طبقہ زندگی سے واقفین زندگی چاہئیں۔ ہر ملک سے واقفین زندگی چاہئیں۔

اس سے پہلے بھی ہم تحریک کرتے رہے ہیں بہت کوشش کرتے رہے لیکن بالعموم بعض خاص طبقوں نے عملاً اپنے آپ کو وقف زندگی سے مستثنیٰ سمجھا ہے عملاً جو واقفین سلسلہ کو ملتے رہے ہیں وہ زندگی کے ہر طبقے سے نہیں آئے۔ بعض بہت صاحب حیثیت لوگوں نے بھی اپنے بچے پیش کئے لیکن بالعموم دنیا کی نظر میں جس طبقے کو بہت زیادہ عزت سے نہیں دیکھا جاتا، درمیانے درجہ کا جو طبقہ ہے غریبانہ، اس میں سے بچے پیش ہوتے رہے ہیں اس طبقہ سے واقفین زندگی کا آنا ان واقفین زندگی کی عزت بڑھانے کا موجب ہے عزت گرانے کا موجب نہیں لیکن دوسرے طبقوں سے نہ آنا ان طبقوں کی عزت گرانے کا ضرور موجب ہے۔

وقف میں ہی ساری عزتیں ہیں

پس میں اس پہلو سے مضمون بیان کر رہا ہوں کہ کسی کو ہرگز کوئی یہ غلط فہمی سے نہ سمجھے کہ **نعوذ باللہ من ذالک** جماعت محروم رہ جائے گی اور جماعت کی عزت میں کمی آئے گی اگر ظاہری عزت والے لوگ اپنے بچے وقف نہ کریں۔ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان کی عزتیں باقی نہیں رہیں گی جو بظاہر دنیا میں معزز ہیں خدا کے نزدیک وہ اپنے آپ کو آئندہ ذلیل کرتے چلے جائیں گے اگر انہوں نے خدا کے حضور اپنے بچے پیش کرنے کا گر نہ سیکھا اور یقین نہ

کرلیا۔ انبیاء کے بچوں سے زیادہ اور کوئی دنیا میں معزز نہیں ہوسکتے انہوں نے اس عاجزی سے وقف کئے ہیں، اس طرح گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرتے ہوئے اور روتے ہوئے وقف کئے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے ان کو دیکھ کر۔

جماعت کے ہر طبقہ سے لکھوکھہا واقفین آنے چاہئیں

اگلی صدی میں واقفین زندگی کی شدید ضرورت ہے کہ جماعت کے ہر طبقہ سے لکھوکھہا کی تعداد میں واقفین زندگی اس صدی کے ساتھ ہم دراصل خدا کے حضور تحفہ پیش کررہے ہوں گے لیکن استعمال تو اس صدی کے لوگوں نے کرنا ہے بہرحال۔ تو یہ تحفہ ہم اس صدی کو دینے والے ہیں اس لئے جن کو بھی توفیق ہے وہ اس تحفے کے لئے بھی تیار ہو جائیں۔

تحریک وقف نو کی برکات

ہوسکتا ہے اس نیت سے اس نذر کی برکت سے بعض ایسے خاندان جن میں اولاد نہیں پیدا ہو رہی اور ایسے میاں بیوی جو کسی وجہ سے اولاد سے محروم ہیں اللہ تعالیٰ اس قربانی کی روح کو قبول فرماتے ہوئے ان کو بھی اولاد دے دے، خدا تعالیٰ اس سے پہلے یہ کر چکا ہے۔ جو انبیاء اولاد کی دعائیں مانگتے ہیں وقف کی خاطر مانگتے ہیں تو بعض دفعہ بڑھاپے میں بھی ان کو اولاد ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں بھی ہو جاتی ہے کہ بیوی بھی بانجھ اور خاوند بھی۔ حضرت ذکریا علیہ السلام کو دیکھیں کس شان کی دعا کی، یہ عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں میرا سر بھڑک اٹھا ہے بڑھاپے کے شعلوں سے ہڈیاں تک جل گئی ہیں اور میری بیوی بانجھ ہے عاقر ہے، بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی کوئی نہیں لیکن میری یہ تمنا ہے کہ میں تیری راہ میں ایک بچہ پیش کروں میری یہ تمنا قبول فرما وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا اے میرے رب! میں تیرے حضور یہ دعا کرتے کرتے کبھی بھی مایوس نہیں ہوا۔ کبھی بھی کسی دعا سے بھی تیرے حضور مایوس نہیں ہوا شقیا کا لفظ حیرت انگیز فصاحت و بلاغت رکھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا میں ایسا بدبخت تو نہیں کہ

تیرے حضور دعا کر رہا ہوں اور مایوس ہو جاؤں اور تھک جاؤں۔ اس عظمت کی اس درد کی دعا تھی کہ اسی وقت دعا کی حالت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے یحییٰ کی خوشخبری دی۔ خود اس کا نام رکھا اس میں بھی عظیم الشان خدا کے پیار کا اظہار ہے عجیب کتاب ہے قرآن کریم ایسی ایسی پیار کی ادائیں سکھاتی ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ سوچتے ہیں کس سے نام رکھوائیں اور اسی جذبہ سے جو للّٰہی محبت جماعت احمدیہ کو ہر خلیفہ وقت سے ہوتی ہے بعض لوگ بلکہ بڑی کثرت سے لوگ مجھے لکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے پیشتر اس کے کہ حضرت ذکریا کہتے ہیں میں اس کا کیا نام رکھوں یا سوچتے کہ میں کیا نام رکھوں خوشخبری کے ساتھ ہی فرمایا اِسْمُهٗ یَحْیٰی ہم رکھ رہے ہیں نام، یہ پیار حضرت زکریا سے تھا یہ حضرت زکریا کی دعا سے پیار تھا۔

اگلی صدی میں خدا کے حضور پیش کیا جانے والا تحفہ

پس اس رنگ میں آپ اگلی صدی میں خدا کے حضور جو تحفے بھیجنے والے ہیں یا مسلسل بھیج رہے ہیں مسلسل احمدی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بے شمار چندے دے رہے ہیں۔ مالی قربانیاں کر رہے ہیں، وقت کی قربانیاں کر رہے ہیں۔ واقفین زندگی ہیں، ایک تحفہ جو مستقبل کا تحفہ ہے وہ باقی رہ گیا تھا۔

آئندہ دو سالوں میں ہونے والی اولاد وقف کر دیں

مجھے خدا نے یہ توجہ دلائی کہ میں آپ کو بتا دوں کہ آئندہ دو سال کے اندر یہ عہد کر لیں جس کو بھی جو اولاد نصیب ہو گی وہ خدا کے حضور پیش کر دے اور اگر آج کچھ مائیں حاملہ ہیں تو وہ بھی اس تحریک میں اگر پہلے شامل نہیں ہو سکی تھیں ....تو اب ہو جائیں۔ یہ بھی عہد کریں، لیکن ماں باپ کو مل کر عہد کرنا ہو گا دونوں کو اکٹھے فیصلہ کرنا چاہئے تا کہ اس سلسلہ میں پھر یک جہتی پیدا ہو اولاد کی تربیت میں، اور بچپن ہی سے ان کی اعلیٰ تربیت کرنی شروع کر دیں اور اعلیٰ تربیت کے ساتھ ان کو بچپن ہی سے اس بات پر آمادہ کرنا شروع کر دیں کہ تم

ایک عظیم مقصد کے لئے ایک عظیم الشان وقت میں پیدا ہوئے ہو جبکہ غلبہ اسلام کی ایک صدی غلبہ اسلام کی دوسری صدی سے مل گئی ہے۔اس سنگم پر تمہاری پیدائش ہوئی ہے اور اس نیت اور دعا کے ساتھ ہم نے تجھ کو مانگا تھا خدا سے کہ اے خدا! تو آئندہ نسلوں کی تربیت کے لئے ان کو عظیم الشان مجاہد بنا۔اگر اس طرح دعائیں کرتے ہوئے لوگ اپنے آئندہ بچوں کو وقف کریں گے تو مجھے یقین ہے۔کہ ایک بہت ہی حسین اور بہت ہی پیاری نسل ہماری آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے اپنے آپ کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین'' (خطبہ جمعہ فرمودہ اپریل 1987ء)

جماعت کی طرف سے اطاعت کا بے نظیر نمونہ

گذشتہ تحریکوں کی طرح اس تحریک پر بھی جماعت نے اپنے جگر گوشوں کو خدا کی نذر کرتے ہوئے اپنے آقا کے حضور پیش کر دیا۔ چنانچہ اگلے خطبہ جمعہ میں ہی حضور انور نے فرمایا:۔

''میں نے یہ تحریک کی تھی کہ آئندہ صدی کے لئے جماعت کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر جماعت جہاں اموال کثرت کے ساتھ پیش کر رہی ہے وہاں اپنی اولادیں بھی پیش کرے۔ چنانچہ جماعت بڑے خلوص اور جذبہ کے ساتھ اس تحریک پر لبیک کہہ رہی ہے اور اپنی اولاد پیش کر رہی ہے۔'' (خطبہ جمعہ 10/اپریل 1987ء)

تحریک وقف نو میں مزید دو سال کی توسیع

مورخہ 10 فروری 1989ء کے خطبہ جمعہ میں حضور انور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک 1200 بچے وقف نو کی تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔مگر چونکہ یہ پیغام ساری دنیا کی جماعتوں میں ان کی زبانوں میں ابھی تک اچھی طرح نہیں پہنچ سکا۔اس لئے دو سال گزرنے کے بعد بھی والدین کی طرف سے پیغام آرہے ہیں کہ وہ بھی اپنے بچوں کو پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے حضور نے یہ اعلان فرمایا:۔

''تمام دنیا کی جماعتوں کے لئے جن تک ابھی یہ پیغام ہی نہیں پہنچا میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وقفِ نو میں شمولیت کے لئے مزید دو سال کا عرصہ بڑھایا جاتا ہے اور فی الحال یہ

عرصہ دو سال کے لئے بڑھایا جارہا ہے تا کہ خواہشمند دوست اس پہلی تحریک میں شامل ہو جائیں ورنہ یہ تحریک تو بار بار ہوتی ہی رہے گی لیکن خصوصاً وہ تاریخی تحریک جس میں اگلی صدی کے لئے واقفین بچوں کی پہلی فوج تیار ہورہی ہے اس کا عرصہ آئندہ دو سال تک بڑھایا جارہا ہے۔ اس عرصے میں جماعتیں کوشش کرلیں اور جس حد تک بھی ممکن ہو، یہ فوج پانچ ہزاری تو ضرور ہی ہو جائے اِس سے بڑھ جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔''

(خطبہ جمعہ 10 فروری 1989ء)

پھر حضور نے واقفین نو کی بہترین تعلیم و تربیت کے لئے ان کے والدین کو توجہ دلائی۔

واقفین کے والدین پر عائد ہونے والی ذمہ داری

''بہت سے والدین مجھے لکھ رہے ہیں کہ ان بچوں کے متعلق ہمیں کرنا کیا ہے تو جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اس کے دو حصے ہیں۔ اول یہ کہ جماعت کی انتظامیہ نے کیا کرنا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ بچوں کے والدین نے کیا کرنا ہے؟ جہاں تک انتظامیہ کا تعلق ہے اس کے متعلق وقتاً فوقتاً میں ہدایات دیتا رہا ہوں اور جو جو نئے خیال میرے دل میں آئیں یا بعض دوست مشورے کے طور پر لکھیں ان کو بھی اس منصوبے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک والدین کا تعلق ہے آج میں اس ذمہ داری سے متعلق کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں۔

خدا کے حضور بچے کو پیش کرنا ایک بہت ہی اہم واقعہ ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اور آپ یاد رکھیں کہ وہ لوگ جو خلوص اور پیار کے ساتھ قربانیاں دیا کرتے ہیں وہ اپنے پیار کی نسبت سے ان قربانیوں کو سجا کر پیش کیا کرتے ہیں۔

قربانیاں اور تحفے دراصل ایک ہی ذیل میں آتے ہیں۔ آپ بازار سے شاپنگ کرتے ہیں، عام چیز جو گھر کے لئے لیتے ہیں اسے باقاعدہ خوبصورت کاغذوں میں لپیٹ کر اور فیتوں سے باندھ کر سجا کر آپ کو پیش نہیں کیا جاتا۔ لیکن جب آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ ہم نے تحفہ لینا ہے تو پھر دکاندار بڑے اہتمام سے اس کو سجا کر پیش کرتا ہے۔ پس قربانیاں تحفوں کا رنگ رکھتی ہیں اور ان کے ساتھ سجاوٹ ضروری ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا بعض لوگ تو مینڈھوں اور بکروں کو

بھی خوب سجاتے ہیں اور بعض تو ان کو زیور پہنا کر پھر قربان گاہوں کی طرف لے کر جاتے ہیں پھولوں کے ہار پہناتے ہیں اور کئی قسم کی سجاوٹیں کرتے ہیں۔ انسانی قربانی کی سجاوٹیں اور طرح کی ہوتی ہیں۔ انسانی زندگی کی سجاوٹ تقویٰ سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیار اور اس کی محبت کے نتیجہ میں انسانی روح بن ٹھن کر تیار ہوا کرتی ہے۔ پس پیشتر اس کے کہ یہ بچے اتنے بڑے ہوں کہ جماعت کے سپرد کئے جائیں ان کے ماں باپ کی بہت ذمہ داری ہے کہ وہ ان قربانیوں کو اس طرح تیار کریں کہ ان کے دل کی حسرتیں پوری ہوں، جس شان کے ساتھ وہ خدا کے حضور ایک غیر معمولی تحفہ پیش کرنے کی تمنا رکھتے ہیں وہ تمنائیں پوری ہوں۔''

مختلف ادوار میں پیش کئے جانیوالے واقفین اور انکی اقسام

''اس سے پہلے مختلف ادوار میں جو واقفین جماعت کے سامنے پیش کئے جاتے رہے ان کی تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ کئی قسم کے واقفین ہیں۔ کچھ تو وہ تھے جنہوں نے بڑی عمروں میں ایسی حالت میں اپنے آپ کو خود پیش کیا کہ خوش قسمتی کے ساتھ ان کی اپنی تربیت بہت اچھی ہوئی تھی اور وقف نہ بھی کرتے تب بھی وہ وقف کی روح رکھنے والے لوگ تھے۔ وہ صحابہ کی اولاد یا اول تابعین کی اولاد تھے، انہوں نے اچھے ماحول میں اچھی پرورش پائی اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اچھی عادات سے سجے ہوئے لوگ تھے۔ واقفین کا یہ گروہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر پہلو سے زندگی کے ہر شعبہ میں نہایت کامیاب رہا۔

پھر ایک ایسا دور آیا جب بچے وقف کرنے شروع کئے گئے یعنی والدین نے اپنی اولاد کو خود وقف کرنا چاہا۔ اس دور میں مختلف قسم کے واقفین ہمارے سامنے آئے ہیں۔ بہت سے وہ ہیں جن کے متعلق والدین سمجھتے ہیں کہ جب ہم ان کو جماعت کے سپرد کریں گے تو وہ خود ہی ان کی تربیت کریں گے اور اس عرصہ میں انہوں نے ان پر نظر نہیں رکھی، پس جب وہ جامعہ احمدیہ میں پیش ہوتے ہیں تو بالکل ایسے RAW MATERIAL یعنی ایسے خام مال کے طور پر پیش ہوتے ہیں جس کے اندر مختلف قسم کی بعض ملاوٹیں بھی شامل ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان کو صاف کرنا ایک کارِ دارد ہوا کرتا ہے ان کو وقف کی روح کے مطابق ڈھالنا بعض

دفعہ مشکل بلکہ محال ہوجایا کرتا ہے۔ اور بعض بدعادتیں وہ ساتھ لے کر آتے ہیں۔ جماعت تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ بعض لڑکوں کو جامعہ میں چوری کے نتیجہ میں وقف سے فارغ کیا گیا ہے۔ کسی کو جھوٹ کے نتیجہ میں وقف سے فارغ کیا گیا ہے۔ اب یہ باتیں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اچھے نیک صالح احمدی میں پائی جائیں کجا یہ کہ واقفین زندگی میں پائی جائیں۔ لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ والدین نے پیش تو کر دیا لیکن تربیت کی طرف توجہ نہ کی یا اتنی دیر کے بعد ان کو وقف کا خیال آیا کہ اس وقت تربیت کا وقت باقی نہیں رہا تھا۔ بعض والدین سے تو یہ بھی پتہ چلا کہ انہوں نے اس وجہ سے بچہ وقف کیا تھا کہ عادتیں بہت بگڑی ہوئی تھیں اور وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح تو ٹھیک نہیں ہوتا، وقف کر دو تو خود ہی جماعت سنبھالے گی اور ٹھیک کرے گی۔ جس طرح پرانے زمانے میں بعض دفعہ بگڑے ہوئے بچوں کے متعلق کہتے تھے اچھا ان کو تھانیدار بنوا دیں گے۔ تو جماعت میں چونکہ نیکی کی روح ہے اس لئے ان کو تھانیداری کا خیال نہیں آتا لیکن واقفِ زندگی بنانے کا خیال آجاتا ہے۔ حالانکہ تھانیداری سے تو ایسے بچوں کا تعلق ہوسکتا ہے وقف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ یہ لوگ بہت بعید کی بات سوچتے ہیں۔ تھانیداری والا تو لطیفہ ہے لیکن یہ تو دردناک واقعہ ہے۔ وہ تو ایک ہنسنے والی کہاوت کے طور پر مشہور ہے لیکن یہ تو زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ خدا کے حضور پیش کرنے کے لئے آپ کو بس گندہ بچہ ہی نظر آیا ہے محض ناکارہ بچہ نظر آیا ہے جو ایسی گندی عادتیں لے کر پلا ہے کہ آپ اس کو ٹھیک نہیں کر سکتے۔"

والدین واقفین پر گہری نظر رکھیں

"اس لئے بچوں کی یہ جو تازہ کھیپ آنے والی ہے اس میں ہمارے پاس خدا کے فضل سے بہت سا وقت ہے اور اگر اب ہم ان کی پرورش اور تربیت سے غافل رہے تو خدا کے حضور مجرم ٹھہریں گے۔ اور پھر ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اتفاقاً یہ واقعات ہوگئے ہیں۔ اس لئے والدین کو چاہئے کہ ان بچوں کے اوپر سب سے پہلے خود گہری نظر رکھیں اور جیسا کہ میں بیان کروں گا بعض تربیتی امور کی طرف خصوصیت سے توجہ دیں اور اگر

خدانخواستہ وہ سمجھتے ہوں کہ بچہ اپنی افتادِ طبع کے لحاظ سے وقف کا اہل نہیں ہے تو ان کو دیانتداری اور تقویٰ کے ساتھ جماعت کو مطلع کرنا چاہئے کہ میں نے تو اپنی صاف نیت سے خدا کے حضور ایک تحفہ پیش کرنا چاہا تھا مگر بدقسمتی سے اس بچے میں یہ یہ باتیں ہیں اگران کے باوجود جماعت اس کو لینے کے لئے تیار ہے تو میں حاضر ہوں ورنہ اس وقف کو منسوخ کر دیا جائے۔ پس اس طریق پر بڑی سنجیدگی کے ساتھ اب ہمیں آئندہ ان واقفین نو کی تربیت کرنی ہے۔''

حضور انورؒ نے نہایت تفصیل کے ساتھ بچوں اور والدین کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ان بچوں پر پڑنے والی آئندہ عظیم ذمہ داریوں پر نظر رکھتے ہوئے والدین کو اپنے واقفین نو بچوں اور بچیوں کی بہترین ظاہری، اخلاقی اور روحانی نشوونما اور تعلیم و تربیت کے لئے بہت تفصیلی ہدایات سے نوازا۔ اور ان کے لئے ہمیشہ دعائیں کرتے رہنے کی تلقین فرمائی تا احمدیت کی یہ ننھی فوج اپنی بہترین صلاحیتوں اور استعدادوں کو چمکاتی ہوئی تعلیمی اور تربیتی اور روحانی اسلحہ سے لیس ہو کر ساری دنیا کے دلوں کو اللہ اور اس کے رسول کی خاطر فتح کرنے کی قابلیت حاصل کر لے۔

بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تحریک کو ہمیشہ کے لئے جاری فرما دیا۔ حضور انورؒ کی خواہش تھی کہ پانچ ہزار واقفین نو بچے اس تحریک میں شامل ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت نے اس سے بہت بڑھ کر قربانی دی اور اب اللہ کے فضل سے 28 ہزار سے زائد بچے اس مبارک تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے اور ان میں سے بعض تو جامعہ احمدیہ میں بھی داخل ہو چکے ہیں۔

بابِ ہشتم

خلافتِ خامسہ اور وقفِ زندگی

سیدنا حضرت امیر المؤمنین مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی بابرکت خلافت کا یہ دوسرا سال ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس بابرکت دورِ قیادت کو بہت وسعت عطا فرمائے اور اپنے فضلوں، رحمتوں اور برکتوں سے معمور فرما دے اور ساری دنیا کو امت واحدہ بنا دے جو خدائے واحد کے آستانہ پر سجدہ ریز ہو اور محمد عربی ﷺ کا کلمہ پڑھنے والی ہو۔

خلافت کے آغاز سے ہی حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جماعت کو بہت زیادہ دعائیں کرنے اور اپنی اور دوسروں کی تربیت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے وقف عارضی کی تحریک کو از سرِ نو زندہ کرنے کی بھی تحریک فرمائی۔

پانچ ہزار واقفین عارضی کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پاکستان میں ہونے والی خلافت خامسہ کی پہلی مجلس مشاورت کے موقعہ پر اپنے روح پرور پیغام میں فرمایا:

”میری ممبران شوریٰ سے یہ درخواست ہے کہ یہ ارادہ کر کے جائیں کہ اس سال ہم نے ربوہ کے علاوہ باہر سے پانچ ہزار (5000) واقفین عارضی مہیا کرنے ہیں۔ جو وفود کی شکل میں مختلف جماعتوں میں جائیں انشاء اللہ ان وفود کی اپنی تربیت بھی ہوگی اور جماعت کی تربیت میں بھی مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے۔ (آمین) اللہ تعالیٰ آپ کو تقویٰ پر چلائے، تقویٰ پر قائم رکھے اور ہمیشہ تقویٰ کے ساتھ اپنے کئے ہوئے عہدوں کو پورا کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)۔ (الفضل 5 /اپریل 2004ء)

دعوت الی اللہ کے لئے تحریک

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے وقف کی روح کے ساتھ تمام جماعت کو دعوت الی اللہ کی طرف بھی توجہ دلائی ۔فرماتے ہیں:

''اس زمانے میں دعوت الی اللہ کی طرف بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔''

(درس القرآن 25 نومبر 2003ء)

دنیا کو شیطان کے چنگل سے آزاد کرائیں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا احمدیوں پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہونے کی توفیق دی اور اللہ کا یہ احسان ہم پر یہ ذمہ داری ڈالتا ہے کہ جس قیمتی خزانے کو ہم نے حاصل کیا ہے اسے دوسروں تک پہنچائیں ۔اور انہیں شیطان کے چنگل سے آزاد کرائیں۔'' (خطبہ جمعہ/ 4 جون 2004ء بحوالہ الفضل 8 جون 2004ء)

ہر احمدی اللہ کا پیغام پہنچانے میں مصروف ہو جائے

حضور خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

''دنیا تیزی سے تباہی کی طرف بڑھ رہی ہے اس کو تباہی سے بچائیں کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے بغیر کوئی قوم بھی محفوظ نہیں ۔اس لئے اب ان کو بچانے کے لئے داعیان الی اللہ کی مخصوص تعداد یا مخصوص ٹارگٹ حاصل کرنے کا وقت نہیں ہے بلکہ اپنی جماعتوں کی ایسی منصوبہ بندی کریں کہ ہر احمدی اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں مصروف ہو جائے۔''

(الفضل 8 جون 2004ء)

دعوت الی اللہ کے لئے کم از کم ایک یا دو ہفتے وقف کرنے کی تحریک

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''دنیا میں ہر احمدی اپنے پر یہ فرض کر لے کہ اس نے سال میں کم از کم ایک یا دو دفعہ ایک دو ہفتے تک اس کام کے لئے وقف کرنا ہے۔''

(خطبہ جمعہ 4 جون 2004ء، الفضل 8 جون 2004ء)

واقفین نو بچوں کو غیر زبانوں پر بھی عبور حاصل کرنا چاہئے

''حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 18 جون 2004ء میں جماعت کو اپنا علمی معیار بلند کرنے کی طرف توجہ دلائی خصوصاً نوجوانوں کو قرآنی علوم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پڑھنے کی تلقین فرمائی، نیز واقفین نو بچوں اور خصوصاً لڑکیوں کو توجہ دلائی کہ جن کو زبانیں سیکھنے کی صلاحیت ہے وہ غیر زبان پر اتنا عبور حاصل کر لیں کہ جماعت کی کتب ولٹریچر کے تراجم کرنے کے قابل ہو جائیں۔ واقفین نو بچوں میں ہر زبان کے ماہرین کی ٹیم تیار ہونی چاہئے۔ حضور انور نے ہر ملک کے واقفین نو کے شعبہ اور والدین کو اس سلسلہ میں بہت ہی اہم اور بنیادی ہدایات سے نوازا اور فرمایا کہ والدین اور شعبہ واقفین نو کو بچوں کی صحیح اور مکمل رہنمائی کرتے رہنا چاہئے اس کام کو بڑے وسیع پیمانے پر ہر جگہ کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے واقفین نو کے شعبہ کو بھرپور توجہ اور محنت سے کام کرنا ہوگا، اور ہر ملک کے واقفین نو کی رہنمائی کے شعبہ کو فعال کرنا پڑے گا۔'' (خطبہ جمعہ 18 جون 2004ء، الفضل 22 جون 2004ء)

اللہ تعالیٰ جماعت کے اندر وقف کی روح کو پہلے سے زیادہ بڑھاتا چلا جائے تا وہ ساری برکات بارش کی طرح برسیں جو ''وقف'' کے ساتھ وابستہ ہیں۔

باب نہم

وقف زندگی کی برکات

اللہ کی خاطر زندگی وقف کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس قدر محبت اور پیار اور وفا کا اظہار کرنا کہ گویا سب کچھ اس کی نذر کر دینا ہے۔ جب عاجز بندہ یہ مبارک قدم اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو اس سے بڑھ کر اس کی طرف بڑھتا ہے، اس کی طرف لپکتا ہے اور اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیرخوار

حدیث قدسی میں آتا ہے، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حدیث اپنے رب سے بیان فرمائی۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے جب بندہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں، جب وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں، اور جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتے ہوئے جاتا ہوں۔ (مسلم کتاب الذکر و الدعا، باب فضل الذکر)

پس جب بندہ اپنا سب کچھ خدا کی نذر کر دیتا ہے تو اللہ بھی جو ساری کائنات کا رب ہے اپنی ساری برکتیں اور فضل اور رحمتیں اس پر نچھاور کرنے لگتا ہے۔ یہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ:

''جے توں میرا ہور ہیں سب جگ تیرا ہو''

پس ساری کائنات واقف زندگی کے لئے مسخر کر دی جاتی ہے۔ وہ الٰہی فضلوں اور رحمتوں اور برکتوں کا نشان بن جاتا ہے۔ اس کا دل خدا تعالیٰ کے جلووں اور اس کی قدرتوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

ایک اور حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ چاہتا ہے تو میں اُسے پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''منجملہ ان علامات کے یہ بھی ہے کہ خدائے کریم اپنا فصیح اور لذیذ کلام وقتاً فوقتاً اُس کی زبان پر جاری کرتا رہتا ہے جو الٰہی شوکت اور برکت اور غیب گوئی کی کامل طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک نور اس کے ساتھ ہوتا ہے جو بتلاتا ہے کہ یہ یقینی امر ہے ظن نہیں ہے۔ اور ایک ربانی چمک اس کے اندر ہوتی ہے اور کدورتوں سے پاک ہوتا ہے اور بسا اوقات اور اکثر اور اغلب طور پر وہ کلام کسی زبردست پیشگوئی پر مشتمل ہوتا ہے اور اس پیشگوئیوں کا حلقہ نہایت وسیع اور عالمگیر ہوتا ہے اور وہ پیشگوئیاں کیا باعتبار کمیت اور کیا باعتبار کیفیت بے نظیر ہوتی ہیں کوئی ان کی نظیر پیش نہیں کرسکتا اور ہیبت الٰہی ان میں بھری ہوئی ہوتی ہے اور قدرت تامہ کی وجہ سے خدا کا چہرہ ان میں نظر آتا ہے اور اس کی پیشگوئیاں نجومیوں کی طرح نہیں ہوتیں بلکہ ان میں محبوبیت اور قبولیت کے آثار ہوتے ہیں اور ربانی تائید اور نصرت سے بھری ہوئی ہوتی ہیں اور بعض پیشگوئیاں اس کے اپنے نفس کے متعلق ہوتی ہیں اور بعض اپنی اولاد کے متعلق اور بعض اس کے دوستوں کے متعلق اور بعض اس کے دشمنوں کے متعلق اور بعض عام طور پر تمام دنیا کے لئے اور بعض اس کی بیویوں اور خویشوں کے متعلق ہوتی ہیں اور وہ امور اس پر ظاہر ہوتے ہیں جو دوسروں پر ظاہر نہیں ہوتے اور وہ غیب کے دروازے اس کی پیشگوئیوں پر کھولے جاتے ہیں جو دوسروں پر نہیں کھولے جاتے۔ خدا کا کلام اس پر اسی طرح نازل ہوتا ہے جیسا کہ خدا کے پاک نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوتا ہے اور وہ ظن سے پاک اور یقینی ہوتا ہے۔ یہ شرف تو اس کی زبان کو دیا جاتا ہے کہ کیا باعتبار کمیت اور کیا باعتبار کیفیت ایسا بیمثل کلام اس کی زبان پر جاری کیا جاتا ہے کہ دنیا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی

اور اس کی آنکھ کو کشفی قوت عطا کی جاتی ہے جس سے وہ مخفی در مخفی خبروں کو دیکھ لیتا ہے اور بسا اوقات لکھی ہوئی تحریریں اس کی نظر کے سامنے پیش کی جاتی ہیں اور مردوں سے زندوں کی طرح ملاقات کر لیتا ہے اور بسا اوقات ہزاروں کوس کی چیزیں اس کی نظر کے سامنے ایسی آجاتی ہیں گویا وہ پیروں کے نیچے پڑی ہیں۔''

ایسا ہی اس کے کان کو بھی مغیبات کے سننے کی قوت دیجاتی ہے اور اکثر اوقات وہ فرشتوں کی آواز کو سن لیتا ہے اور بیقراریوں کے وقت ان کی آواز سے تسلی پاتا ہے اور عجیب تر یہ کہ بعض اوقات جمادات اور نباتات اور حیوانات کی آواز بھی اس کو پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح اس کی ناک کو بھی غیبی خوشبو سونگھنے کی ایک قوت دیجاتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ بشارت کے امور کو سونگھ لیتا ہے اور مکروہات کی بدبو اس کو آجاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس کے دل کو قوت فراست عطاء کی جاتی ہے اور بہت سے باتیں اُس کے دل میں پڑ جاتی ہیں اور صحیح ہوتی ہیں علی ھذا القیاس شیطان اس پر تصرف کرنے سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں شیطان کا کوئی حصہ نہیں رہتا اور بباعث نہایت درجہ فنا فی اللہ ہونے کے اس کی زبان ہر وقت خدا کی زبان ہوتی ہے اور اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور اگر چہ اس کو خاص طور پر الہام بھی نہ ہو تب بھی جو کچھ اس کی زبان پر جاری ہوتا ہے وہ اس کی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ نفسانی ہستی اس کی بکلی جل جاتی ہے اور سفلی ہستی پر ایک موت طاری ہو کر ایک نئی اور پاک زندگی اس کو ملتی ہے جس پر ہر وقت انوار الٰہیہ منعکس ہوتے رہتے ہیں۔

اسی طرح اس کی پیشانی کو ایک نور عطا کیا جاتا ہے جو بجز عشاق الٰہی کے اور کسی کو نہیں دیا جاتا۔ اور بعض خاص وقتوں میں وہ نور ایسا چمکتا ہے کہ ایک کافر بھی اس کو محسوس کر سکتا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ لوگ ستائے جاتے اور نصرت الٰہی حاصل کرنے کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ پس وہ اقبال علی اللہ کا وقت ان کے لئے ایک خاص وقت ہوتا ہے اور خدا کا نور ان کی پیشانی میں اپنا جلوہ ظاہر کرتا ہے۔

ایسا ہی ان کے ہاتھوں میں اور پیروں میں اور تمام بدن میں ایک برکت دیجاتی ہے جس کیوجہ سے ان کا پہنا ہوا کپڑا بھی متبرک ہو جاتا ہے اور اکثر اوقات کسی شخص کو چھونا یا اس کو ہاتھ لگانا اس کے امراض روحانی یا جسمانی کے ازالہ کا موجب ٹھہرتا ہے۔

اسی طرح ان کے رہنے کے مکانات میں بھی خدائے عزوجل ایک برکت رکھ دیتا ہے۔ وہ مکان

بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ خدا کے فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کے شہر یا گاؤں میں بھی ایک برکت اور خصوصیت دی جاتی ہے اسی طرح اس خاک کو بھی کچھ برکت دی جاتی ہے جس پر ان کا قدم پڑتا ہے۔

اسی طرح اس درجہ کے لوگوں کی تمام خواہشیں بھی اکثر اوقات پیشگوئی کا رنگ پیدا کر لیتی ہیں یعنی جب کسی چیز کے کھانے یا پینے یا پہننے یا دیکھنے کی بشدت ان کے اندر خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ خواہش ہی پیشگوئی کی صورت پکڑ لیتی ہے اور جب قبل از وقت اضطرار کے ساتھ ان کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ چیز میسر آ جاتی ہے۔

اسی طرح ان کی رضامندی اور ناراضگی بھی پیشگوئی کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ پس جس شخص پر وہ شدت سے راضی اور خوش ہوتے ہیں اس کے آئندہ اقبال کے لئے یہ بشارت ہوتی ہے اور جس پر وہ بشدت ناراض ہوتے ہیں اس کے آئندہ ادبار اور تباہی پر دلیل ہوتی ہے کیونکہ بباعث فنافی اللہ ہونے کے وہ سرائے حق میں ہوتے ہیں اور ان کی رضا اور غضب خدا کی رضا اور غضب ہوتا ہے اور نفس کی تحریک سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے یہ حالات ان میں پیدا ہوتے ہیں۔

اسی طرح ان کی دعا اور ان کی توجہ بھی معمولی دعاؤں اور توجہات کی طرح نہیں ہوتی بلکہ اپنے اندر ایک شدید اثر رکھتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ اگر قضاء مبرم اور اٹل نہ ہو اور ان کی توجہ اپنی تمام شرائط کے ساتھ اس بلا کے دور کرنے کے لئے مصروف ہو جائے تو خدا تعالیٰ اس بلا کو دور کر دیتا ہے گو ایک فرد واحد یا چند کس پر وہ بلا نازل ہو یا ایک ملک پر وہ بلا نازل ہو یا ایک بادشاہ وقت پر وہ بلا نازل ہو اس میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے وجود سے فانی ہوتے ہیں اس لئے اکثر اوقات ان کے ارادہ کا خدا تعالیٰ کے ارادہ سے توارد ہو جاتا ہے۔ پس جب شدت سے ان کی توجہ کسی بلا کے دور کرنے کے لئے مبذول ہو جاتی ہے اور جیسا کہ درد دل کے ساتھ اقبال علی اللہ چاہیئے میسر آ جاتا ہے تو سنت الٰہیہ اسی طرح پر واقع ہے کہ خدا ان کی سنتا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ خدا ان کی دعا کو رد نہیں کرتا۔ اور کبھی ان کی عبودیت ثابت کرنے کے لئے دعا سنی نہیں جاتی تا جاہلوں کی نظر میں خدا کے شریک نہ ٹھہر جائیں۔''

(حقیقت الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 17 تا 20)

تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روشنی میں

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے وقف زندگی کی بہت سے برکات بیان فرمائی ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں۔

''وقف'' خدا کا محبوب بناتا ہے

حضور فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے بندے جو دین کو دنیا پر مقدم کر لیتے ہیں ان کے ساتھ وہ رافت اور محبت کرتا ہے چنانچہ خود فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ (البقرۃ:208) یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں وقف کر دیتے ہیں اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا، اپنے مال کو اس کی راہ میں صرف کرنا اس کا فضل اور سعادت سمجھتے ہیں۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 364)

راحت اور دائمی لذت کا ذریعہ

فرمایا:

''بات یہی ہے کہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا اور اس لذت سے جو اس وقف کے بعد ملتی ہے ناواقف محض ہیں ورنہ اگر ایک شمہ بھی اس لذت اور سرور سے ان کو مل جائے تو بے انتہا تمناؤں کے ساتھ وہ اس میدان میں آئیں۔''

''میں خود اس راہ کا پورا تجربہ کار ہوں اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیض سے میں نے اس راحت اور لذت سے حظ اٹھایا ہے یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذّت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 370)

سستی دور کرنے اور ہوشیار رہنے کا ذریعہ

فرمایا:-

''یادرکھو کہ جو شخص خدا کے لئے زندگی وقف کر دیتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ وہ بے دست و پا ہو جاتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ دین اور للّٰہی وقف انسان کو ہوشیار اور چابکدست بنا دیتا ہے سستی اور کسل اس کے پاس نہیں آتا۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 365)

حیات طیبہ کا ذریعہ

فرمایا:-

''اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کر دیں تا کہ وہ حیات طیبہ کا وارث ہو'' (ملفوظات جلد دوم صفحہ 90)

ہموم وغموم سے نجات کا ذریعہ

فرمایا:-

''جو شخص اپنے وجود کو خدا کے آگے رکھ دے اور اپنی زندگی اس کی راہوں میں وقف کرے اور نیکی کرنے میں سرگرم ہو سو وہ چشمہ قرب الٰہی سے اپنا اجر پائے گا اور ان لوگوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم یعنی جو شخص اپنے تمام قویٰ کو خدا کی راہ میں لگا دے اور خالص خدا کے لئے اس کا قول اور فعل اور حرکت اور سکون اور تمام زندگی ہو جائے اور حقیقی نیکی بجالانے میں سرگرم رہے سو اس کو خدا اپنے پاس سے اجر دے گا اور خوف اور حزن سے نجات بخشے گا۔'' (روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 344)

''یادرکھو یہ خسارہ کا سودا نہیں ہے بلکہ بے قیاس نفع کا سودا ہے کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا اور اس تجارت کے مفاد اور منافع پر ان کو اطلاع ملتی جو خدا کے لئے اس کے دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرتا ہے کیا وہ اپنی زندگی کھوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ **فلہ اجرہ عند ربہ** (البقرۃ:113) اس للّٰہی وقف کا اجر ان کا رب دینے والا ہے۔

یہ وقف ہر قسم کے ہموم وغموم سے نجات اور رہائی بخشنے والا ہے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ جبکہ ہر ایک انسان بالطبع راحت اور آسائش چاہتا ہے اور ہموم وغموم اور کرب و افکار سے خواہستگارِ نجات ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب اس کو ایک مجرب نسخہ اس مرض کا پیش کیا جائے تو اس پر توجہ ہی نہ کرے کیا للّٰہی وقف کا نسخہ 1300 برس سے مجرب ثابت نہیں ہوا۔ کیا صحابہ کرامؓ اسی وقف کی وجہ سے حیات طیبہ کے وارث اور ابدی زندگی کے وارث نہیں ٹھہرے۔ پھر اب کونسی وجہ ہے کہ اس نسخہ کی تاثیر سے فائدہ اٹھانے میں دریغ کیا جائے۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 370۔369)

عمر بڑھانے کا نسخہ

فرمایا:

''انسان اگر چاہتا ہے کہ اپنی عمر بڑھائے اور لمبی عمر پائے تو اس کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے خالص دین کے واسطے اپنی عمر کو وقف کرے۔

پس عمر بڑھانے کا اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے کہ انسان خلوص اور وفاداری کے ساتھ اعلاء کلمۃ الاسلام میں مصروف ہو جاوے اور خدمت دین میں لگ جاوے اور آج کل یہ نسخہ بہت ہی کارگر ہے کیونکہ دین کو آج ایسے مخلص خادموں کی ضرورت ہے اگر یہ بات نہیں تو پھر عمر کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے یونہی چلی جاتی ہے۔'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ 563)

''جو لوگ دین کے لئے سچا جوش رکھتے ہیں ان کی عمر بڑھائی جاوے گی اور حدیثوں میں جو آتا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں عمریں بڑھائی جاویں گی۔ اس کے معنی یہی مجھے سمجھائے گئے ہیں کہ جو لوگ خادم دین ہوں گے ان کی عمریں بڑھائی جاویں گی جو خادم دین نہیں ہو سکتا وہ بڈھے بیل کی مانند ہیں کہ مالک جب چاہے اسے ذبح کر ڈالے اور جو سچے دل سے خادم ہے وہ خدا کا عزیز ٹھہرتا ہے اور اس کی جان لینے میں خدا تعالیٰ کو تردد ہوتا ہے۔ اسی لئے فرمایا۔ وَاَمَّامَایَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ (الرعد:18)

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 283)

عمدہ موت کا ذریعہ

حکیم آل محمد صاحب تشریف لائے اور حضرت اقدس سے نیاز حاصل کیا اور عرض کی کہ امروہہ میں میرا یہی کام ہے کہ اس سلسلہ الٰہی کی اشاعت کروں اور اسی خدمت میں میری جان نکل جاوے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

''اس سے بڑھ کر اور کیا دینی خدمت ہوگی۔ مرنا تو ہر ایک نے ہی ہے اور اس جان نے ایک دن اس قالب کو چھوڑ نا ضرور ہے مگر کیا عمدہ وہ موت ہے جو خدمت دین میں آوے۔''

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 484)

حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں کا حقدار بننے کا ذریعہ

فرمایا:

''جو حالت میری توجہ کو جذب کرتی ہے اور جسے دیکھ کر میں دُعا کے لئے اپنے اندر تحریک پاتا ہوں وہ ایک ہی بات ہے کہ میں کسی شخص کی نسبت معلوم کر لوں کہ یہ خدمت دین کا سزاوار ہے اور اس کا وجود خدا تعالیٰ کے لئے، خدا کے رسول کے لئے، خدا کی کتاب کے لئے اور خدا کے بندوں کے لئے نافع ہے۔ ایسے شخص کو جو درد و الم پہنچے وہ در حقیقت مجھے پہنچتا ہے۔''

فرمایا:

''ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دلوں میں خدمت دین کی نیت باندھ لیں جس طرز اور جس رنگ کی خدمت جس سے بن پڑے کریں۔''

پھر فرمایا:

''میں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اُس شخص کی قدر و منزلت ہے جو دین کا خادم اور نافع الناس ہے۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 215)

لِلّٰہی وقف کا مقام

مگر بموجب منشاء هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا جہاں قرآن شریف اسے لے

جانا چاہتا ہے اور وُہ وُہ مقام ہے کہ انسان اپنی زندگی ہی خدا تعالیٰ کے لیے وقف کردے اور یہ للّٰہی وقف کہلاتا ہے۔اس حالت اور مقام پر جب ایک شخص پہنچتا ہے تو اس میں مِمَّا رہتا ہی نہیں ۔کیونکہ جب تک وہ مِمَّا کی حد کے اندر ہے اس وقت تک وہ ناقص ہے اور اس علّت غائی تک نہیں پہنچا جو قرآن مجید کی ہے۔لیکن کامل اسی وقت ہوتا ہے جب یہ حد نہ رہے اور اس کا وجود اس کا ہر فعل، ہر حرکت و سکون محض اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن کے ماتحت بنی نوع کی بھلائی کے لیے وقف ہو دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کا کمال یہی ہے جو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کے منشاء کے موافق ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 612)

جماعت کے واعظین اور مبلغین کی صفات

فرمایا:

’’میں واعظین کے متعلق دیگر لوازمات کے سوچنے میں مصروف ہوں۔بالفعل بارہ آدمی منتخب کرکے روانہ کئے جائیں اور یہاں قریب کے اضلاع میں بھیجے جائیں بعد میں رفتہ رفتہ دوسری جگہوں میں جا سکتے ہیں۔ان کا اختیار ہوگا مثلاً ایک دو ماہ باہر گذاریں اور پھر دس پندرہ روز کے واسطے قادیان آجائیں۔

اس کام کے واسطے وہ آدمی موزوں ہوں گے جو کہ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ (یوسف:91) کے مصداق ہوں۔ان میں تقویٰ کی خوبی بھی ہو اور صبر بھی ہو۔پاک دامن ہوں فسق و فجور سے بچنے والے ہوں۔معاصی سے دور رہنے والے ہوں لیکن ساتھ ہی مشکلات پر صبر کرنے والے ہوں۔لوگوں کی دُشنام دہی پر ایسے جوش میں نہ آئیں۔ہر طرح کی تکلیف اور دُکھ کو برداشت کرکے صبر کریں کوئی مارے تو بھی مقابلہ نہ کریں جس سے فتنہ و فساد ہو جائے۔دشمن جب گفتگو میں مقابلہ کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اسے جوش دلانے والے کلمات بولے جن سے فریقِ مخالف صبر سے باہر ہو کر اس کے ساتھ آمادہ بجنگ ہو جائے۔

اخراجات کے معاملہ میں ان لوگوں کو صحابہؓ کا نمونہ اختیار کرنا چاہیئے کہ وہ فقر و فاقہ اُٹھاتے تھے اور جنگ کرتے تھے ادنیٰ سے ادنیٰ معمولی لباس کو اپنے لیے کافی جانتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہوں کو جا کر تبلیغ کرتے تھے یہ ایک مشکل راہ ہے۔قبل امتحان کسی کے متعلق ہم کوئی رائے نہیں لگا سکتے اور مَیں جانتا ہوں کہ اس امتحان میں بعض مدعی کچے نکلیں گے۔اب تک جس قدر درخواستیں آئی ہیں مَیں اُن سب

پر نیک ظن رکھتا ہوں کہ وہ عمدہ آدمی ہیں اور صابر اور شاکر ہیں لیکن بعض ان میں سے بالکل نوجوان ہیں نیز عرفاً اور شرعاً لازم ہے کہ ان کے واسطے ہم قوت لایموت کا فکر کریں گو ہر جگہ جہاں وہ جائیں گے مَیں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں وہ بات پائی جاتی ہے جو اخوتِ اسلامی کے واسطے ضروری ہے۔ ہماری جماعت کے لوگ ان کی خدمت کریں گے مگر پہلے سے اُن کے واسطے اسی جگہ انتظام مناسب ہوجانا بہتر ہے۔

واعظ ایسے ہونے چاہئیں جن کی معلومات وسیع ہوں۔ حاضر جواب ہوں۔ صبر اور تحمل سے کام کرنے والے ہوں۔ کسی کی گالی سے افروختہ نہ ہوجائیں۔ اپنے نفسانی جھگڑوں کو درمیان میں نہ ڈال بیٹھیں۔ خاکسارانہ اور مسکینانہ زندگی بسر کریں سعید لوگوں کو تلاش کرتے پھریں جس طرح کہ کوئی کھوئی شئے کو تلاش کرتا ہے۔

مفسدہ پرداز لوگوں سے الگ رہیں جب کسی گاؤں میں جائیں وہاں دو چار دن ٹھہر جائیں جس شخص میں فساد کی بدبو پائیں اس سے پرہیز کریں۔ کچھ کتابیں اپنے پاس رکھیں جو لوگوں کو دکھائیں۔ جہاں مناسب جانیں وہاں تقسیم کردیں۔ یہ عمدہ صفات سیّد سرور شاہ صاحب میں پائے جاتے ہیں اور کشمیر کے واسطے مولوی عبداللہ صاحب اس کام کے لیے موزوں معلوم ہوتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 318-319)

یہ امر بہت ضروری ہے کہ ہماری جماعت کے واعظ تیار ہوں۔ لیکن اگر دوسرے واعظوں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہو تو فضول ہے۔ یہ واعظ اس قسم کے ہونے چاہئیں جو پہلے اپنی اصلاح کریں اور اپنے چلن میں ایک پاک تبدیلی کر کے دکھائیں۔ تاکہ ان کے نیک نمونوں کا اثر دوسروں پر پڑے عملی حالت کا عمدہ ہونا یہ سب سے بہترین وعظ ہے جو لوگ صرف وعظ کرتے ہیں مگر خود اس پر عمل نہیں وہ دوسروں پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈال سکتے بلکہ اُن کا وعظ بعض اوقات اباحت پھیلانے والا ہوجاتا ہے۔ کیونکہ سُننے والے جب دیکھتے ہیں کہ وعظ کہنے والا خود عمل نہیں کرتا تو وہ ان باتوں کو بالکل خیالی سمجھتے ہیں۔ اس لیے سب سے اول جس چیز کی ضرورت واعظ کو ہے وہ اس کی عملی حالت ہے۔ دوسری بات جو اُن واعظوں کے لیے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان کو صحیح علم اور واقفیت ہمارے عقائد اور مسائل کی ہو۔ جو کچھ ہم دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کو انہوں نے پہلے خود اچھی طرح پر سمجھ لیا ہو اور ناقص اور ادھورا علم نہ رکھتے ہوں کہ مخالفوں کے سامنے شرمندہ ہوں اور جب کسی نے کوئی اعتراض کیا تو گھبرا گئے کہ اب اس کا کیا

جواب دیں۔غرض علم صحیح ہونا ضروری ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ ایسی قوت اور شجاعت پیدا ہو کہ حق کے طالبوں کے واسطے ان میں زبان اور دل ہو۔یعنی پوری دلیری اور شجاعت کے ساتھ بغیر کسی قسم کے خوف و ہراس کے اظہارِ حق کے لیے بول سکیں اور حق گوئی کے لیے اُن کے دل پر کسی دولتمند کا تمول یا بہادر کی شجاعت یا حاکم کی حکومت کوئی اثر پیدا نہ کر سکے۔ یہ تین چیزیں جب حاصل ہو جائیں۔تب ہماری جماعت کے واعظ مفید ہو سکتے ہیں۔'' (ملفوظات جلد دوم صفحہ 281)

''میں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت سمجھتا ہوں جو دین کی خدمت کریں میرے نزدیک زبان دانی ضروری ہے انگریزی پڑھنے سے مَیں نہیں روکتا۔میرا مدّعا یہ ہے اور مَیں نے پہلے بھی سوچا ہے اور جب سوچا ہے میرے دل کو صدمہ پہنچا ہے کہ ایک طرف تو زندگی کا اعتبار نہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی وحی قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّرُ سے ظاہر ہوتا ہے۔دوسرا اس مدرسہ کے بنانے کی غرض یہ تھی کہ دینی خدمت کے لیے لوگ تیار ہو جاویں۔یہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے پہلے گذر جاتے ہیں دوسرے جانشین ہوں۔اگر دوسرے جانشین نہ ہوں تو قوم کے ہلاک ہونے کی جڑ ہے۔مولوی عبدالکریم اور دوسرے مولوی فوت ہو گئے اور جو فوت ہوئے ہیں اُن کا قائم مقام کوئی نہیں دوسری طرف ہزار ہا روپیہ جو مدرسہ کے لیے لیا جاتا ہے پھر اس سے فائدہ کیا؟ جب کوئی تیار ہو جاتا ہے تو دنیا کی فکر میں لگ جاتا ہے اصل غرض مفقود ہے مَیں جانتا ہوں جب تک تبدیلی نہ ہوگی کچھ نہ ہوگا۔جو اللہ تعالیٰ کی جماعت رُوحانی سپاہیوں کے تیار کرنے والے تھے وہ نہیں رہے دُور چلے گئے ہیں۔ہمیں کیا غرض ہے کہ قدم بقدم ان لوگوں کے چلیں جو دنیا کے لیے چلتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 584)

مبلغین کے لیے حضرت اقدس کی کتب کے مطالعہ کی اہمیت

فرمایا:

''اس تحریک سے مجھے یہ بھی یاد آ گیا ہے کہ وہ لوگ جو اشاعت اور تبلیغ کے واسطے باہر جاویں وہ ایسے نہ ہوں کہ اُلٹ پلٹ کر ہماری باتوں کو کچھ اور کا اور ہی بناتے رہیں اور بات تو کچھ اَور ہو اور سمجھانے کچھ اَور لگ جاویں۔دوسروں کو تو ہمارے دعویٰ سے آگاہ کریں اور خود ہماری کتابوں کو پڑھا بھی نہ ہو۔اس طرح سے ہی تحریف ہوا کرتی ہے ایسے وقتوں میں صرف زبانی فیصلہ نہیں ہونا چاہئیے بلکہ تحریر پیش کرنی چاہئیے۔

ہم پر الزام لگائے جاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام حسینؓ کی توہین کی جاتی ہے حالانکہ ہم ان کو راستباز اور متقی سمجھتے ہیں اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت بے عزتی کی جاتی ہے اور ان کو گالی دی جاتی ہے حالانکہ ہم ان کو ایک اولوالعزم نبی اور خدا تعالیٰ کا راستباز بندہ سمجھتے ہیں۔ ہاں اگر عیسیٰ کا مرجانا ثابت کرنا ان کے نزدیک گالی دینا ہے تو اس طرح سے تو ہم نے نکالی ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ دوسرے نبیوں کی طرح وفات پا گئے ہیں۔'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 329-328)

خدمتِ دین کو ایک فضل الٰہی جانو

''مصائب رفعِ درجات کے واسطے ہوتے ہیں حضرت ابراہیم اس بات پر روتے دھوتے نہ رہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ سے بیٹا مانگا ہے بلکہ انہوں نے اس بات پر خدا تعالیٰ کا شکر کیا کہ ایک خدمت کا موقعہ ملا ہے لڑکے کی ماں نے بھی رضامندی دی اور لڑکا بھی اس بات پر راضی ہوا۔

ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک مسجد کا مینار گر گیا تو شاہِ وقت نے سجدہ کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس خدمت میں سے حصّہ لینے کا موقعہ دیا ہے جو بزرگ بادشاہوں نے اس مسجد کے بناء کرنے میں حاصل کی تھی۔'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 418)

تحریری اور زبانی تبلیغ کا موازنہ

شاہزادہ صاحب موصوف نے سوال کیا کہ آپ بجائے اس کے کہ قادیان میں ہمیشہ قیام رکھیں دورہ کر کے پنجاب اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں اگر پھر کر وعظ وتبلیغ کا کام کریں تو زیادہ مفید ہوگا۔

فرمایا کہ:

اصل بات یہ ہے کہ تبلیغ کے وسائل ہر زمانہ میں مناسبِ حال الگ الگ ہوتے ہیں اس زمانہ کی آزادی اگر چہ عمدہ چیز ہے مگر ساتھ ہی اس میں بعض نقائص بھی ہیں آپ نے جو طریق فرمایا ہے مَیں نے اس طریق تبلیغ کو بھی استعمال کیا ہے اور بعض مقامات میں اس غرض کے لیے سفر بھی کئے ہیں۔ مگر اس میں تجربہ سے دیکھا ہے کہ اصل مقصد کما حقہ حاصل نہیں ہوسکتا دورانِ تقریر میں بعض لوگ بول اُٹھتے ہیں۔ دو چار گالیاں بھی سُنا دیتے ہیں اور شور وغوغا کر کے بدنظمی کا باعث ہوجاتے ہیں اس لاہور میں ہی ایک

دفعہ حالانکہ خود ہمارا اپنا مکان تھا اور پولیس وغیرہ کا بھی انتظام تھا مگر ایک شخص دوران تقریر میں عین بھری مجلس میں کھڑا ہوا اور منہ پر کھڑے ہو کر گالیاں سنائیں۔ میاں محمد خاں صاحب مرحوم جو کہ ہمارے بڑے مخلص اور محبت کرنے والے تھے ان کو جوش آ گیا مگر ہم نے ان کو بند کر دیا کہ ہمارے اخلاق کے یہ امر برخلاف ہے کہ اسی قسم کا پہلو اختیار کیا جاوے۔

غرض لاہور میں امرتسر میں، دہلی میں، سیالکوٹ وغیرہ میں ہم نے اچھی طرح سے آزمالیا ہے کہ یہ نسخہ فتنہ سے خالی نہیں اور اس میں شر کا اندیشہ زیادہ ہے چنانچہ امرتسر میں ہمیں پتھر مارے گئے اور ایک پتھر ہمارے لڑکے کے بھی لگا۔ بعض دوستوں کو جوتیاں بھی لگیں۔ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ۔ پس آزمودہ نسخہ کو ہم دوبارہ کیسے آزما سکتے ہیں؟

پھر دوسرا بڑا نقص یہ ہے کہ زبانی گفتگو میں نقل کرنے والے جوان کا دل چاہے کرلیں اور چاہیں تو رائی کا پہاڑ بنالیں قلم ان کے ہاتھ میں ہے۔ پھر بعض شریر النفس لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ دو دو گھنٹے تک ان کو سمجھایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ ان زبانی تقریروں میں انسان کو سوچنے کا بہت کم موقعہ ملتا ہے اور زبانی تقریریں صرف آنی اور فوری ہوتی ہیں ان کا اثر دیر پا نہیں ہوتا اس واسطے مجبوراً اس راہ سے اجتناب کرنا پڑا اور سلسلہ تحریر میں مَیں نے اتمامِ حجت کے واسطے مفصل طور سے ستر ّ پچھتر کتابیں لکھی اور ان میں سے ہر ایک جُداگانہ طور سے ایسی جامع ہے کہ اگر کوئی طالب حق اور طالب تحقیق ان کا غور سے مطالعہ کرے تو ممکن نہیں کہ اس کو حق و باطل میں فیصلہ کرنے کا ذخیرہ بہم نہ پہنچ جاوے۔ ہم نے اپنی عمر میں ایک بھاری ذخیرہ معلومات کا جمع کر دیا ہے اور جہاں تک ممکن تھا ان کی اشاعت بھی کی گئی ہے اور دوست اور دشمنوں نے ان کو پڑھا بھی ہے۔ زبانی تقریر کا عرصہ کم ہوتا ہے۔

انسان کو اس میں تدبر کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ بلکہ بعض جوشیلی طبیعت کے آدمیوں کو سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا کیونکہ وہ تو اپنے خیالات کے خلاف سنتے ہی آگ ہو جاتے ہیں اور ان کے منہ میں جھاگ آنے لگ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کتاب کو انسان ایک الگ حجرے میں لے کر بیٹھ جاوے تو تدبر کا بھی موقعہ ملتا ہے اور چونکہ اس وقت مدمقابل کوئی نہیں ہوتا اس واسطے خالی الذہن ہو کر سوچنے کا اچھا موقعہ ملتا ہے۔ مگر بایں ہمہ ہم نے دوسرے پہلو کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا اور اس غرض کے واسطے مختلف شہروں میں گئے تبلیغ

کی ہے۔ بعض مقامات میں تو ہمارا اینٹ پتھروں سے بھی مقابلہ کیا گیا ہے ابھی آپ کے نزدیک تبلیغ نہیں کی گئی۔''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 579-578)

رزق میں کشادگی

بعض نادان کہتے ہیں کہ زندگی وقف کر دینے سے رزق میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ ان کی سوچ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ رازق ہے وہ اپنی خاطر وقف کرنے والے کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ انہیں بھی رزق عطا فرماتا ہے اور ان کی نسلوں در نسلوں کو بھی اپنے انعامات سے نوازتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے بعد کے واقفین کی نسلوں کا مشاہدہ کرنے سے یہ بات نہایت درجہ روشن ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کوئی نعمت نہیں جو ان کو نہیں دی، بلکہ ہر نوع کی نعمت سے انہیں وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ یہ درست ہے کہ وقف ایک قربانی ہے اور وہ تنگ دروازہ ہے جس سے گزرنا ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ اتنی برکات ہیں کہ وقف کی ہر تنگی خوشحالی میں ساتھ ساتھ بدل رہی ہوتی ہے۔ محض دولت تو انسان کو سکون اور آرام نہیں پہنچا سکتی۔ بسا اوقات ایک انسان بظاہر امیر اور صاحب ثروت ہوتا ہے مگر اس کا دل بے سکون اور بے آرامی کا شکار رہتا ہے مگر بظاہر ایک غریب آدمی اس سے زیادہ خوشحال ہوگا جس کا دل خوشحال ہو، جس پر اللہ تعالیٰ کے فضل ہوں، اور راحت اور سکون عطا ہو۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

''ایک اور مشکل جو بسا اوقات کمزور انسان کے قدم کو ڈگمگا دیتی اور اسے اپنے آپ کو قربانیوں کی آگ میں جھونکنے سے روکتی ہے وہ مالی مشکلات ہیں۔ ایک طرف دنیا اپنے پورے حسن کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کا دین اسے آواز دے رہا ہوتا ہے کہ آؤ اور میری مدد کرو۔ وہ دنیا کی طرف جھانکتا ہے تو وہ اسے مال و دولت اور زیب و زینت کے ساتھ آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہے اور دین کی طرف دیکھتا ہے تو وہاں اسے روپوؤں کی جھنکار سنائی نہیں دیتی۔ یہ دیکھ کر ایک کمزور انسان کا دل دہل جاتا ہے اور وہ کہتا ہے میں

خدا کے لئے اپنی زندگی کو کس طرح وقف کروں۔ میں نے خدا کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تو میں بھوکا مر جاؤں گا۔ میری بیوی بچے کیا کھائیں گے۔ہم اپنا معیار زندگی کس طرح قائم رکھ سکیں گے اور اگر یہ لالچ اس کے دل میں غالب آ جاتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم اشرف المخلوق ہو کر زمین و آسمان کے خدا پر کتنی بدظنی کر رہے ہو۔تم زمین کے چرندوں اور جنگل کے درندوں اور ہوا کے پرندوں کو دیکھو۔ کیا تم ان کے لئے رزق مہیا کرتے ہو یا خدا ان کو رزق بہم پہنچا رہا ہے۔ اگر تم کائنات عالم کے اربوں ارب کیڑے مکوڑوں اور جانداروں کے سامان معیشت پر ہی غور کرو تو تمہاری عقل دنگ رہ جائے اور تم پر علم و معرفت کا ایک نیا باب کھل جائے دنیا علمی لحاظ سے بڑی بھاری ترقی کر چکی ہے مگر ابھی تک وہ یہ معلوم نہیں کر سکی کہ ان ان گنت جانوروں کے لئے کس طرح غذا مہیا ہوتی ہے۔ایک موٹی تقسیم تو یہی ہے کہ کھیتی میں دانے پیدا ہوتے ہیں تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ جانوروں کے لئے بھوسہ بھی پیدا کر دیتا ہے۔اسی طرح کانٹے دار جھاڑیاں اور درخت اونٹوں وغیرہ کے غذا ہیں تو نجاست بھیڑوں کے کام آ جاتی ہے۔مگر کروڑوں کروڑ جانور جو سمندروں اور دریاؤں میں رہتے ہیں یا غاروں میں بستے ہیں یا درختوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرتے ہیں یا ہواؤں میں اڑتے ہیں یا خون کے ایک ایک قطرہ میں خوردبین سے دکھائی دیتے ہیں ان سب کو کون رزق دے رہا ہے؟ کونسی سوسائٹی یا انجمن یا حکومت ہے جو ان کا بجٹ تیار کرتی اور انہیں تنخواہیں تقسیم کرتی ہے۔ یہ خدا ہی ہے جو اتنا بڑا کارخانہ چلا رہا ہے اور ان اربوں ارب جانوروں کو رزق مہیا کر رہا ہے؟ پھر انسان کیسا نادان ہے کہ جب اسے کہا جاتا ہے کہ آؤ اور خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرو تو وہ کہتا ہے میں آؤں تو سہی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں آ گیا تو کھاؤں گا کہاں سے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں کائناتِ عالم کی اتنی بڑی

مخلوق کو رزق پہنچا رہا ہوں تو اگر تم میری آواز پر لبیک کہتے ہوئے آگے آئے تو کیا میں تمہیں بھوکا مرنے دوں گا؟ فرمایا، اس بدظنی کو اپنے دل سے نکال دو۔ تمہارا خدا سمیع اور علیم ہے اگر تم سچے دل سے خدا تعالیٰ کو پکارو گے تو اس وجہ سے کہ وہ تمہارے حالات کو جانتا ہے وہ تمہاری دعاؤں کو قبول کرے گا اور تمہیں ہر قسم کی مشکلات سے نجات دیگا۔ پس ان وساوس میں اپنی زندگی مت بسر کرو۔ بلکہ نڈر اور بہادر بن کر خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے آگے بڑھو۔''

سب سے بڑی برکت

اس کے علاوہ بھی وقف کی بے شمار برکات ہیں۔ جو ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ اور سب سے بڑی برکت تو یہی ہے کہ ایک سچے واقف زندگی کو اس کا خدا مل جاتا ہے۔ اور جسے اس کا خدا مل جائے اسے اور کیا چاہئے؟ اسے تو ہر چیز مل گئی۔ اس کی تو ساری مرادیں بر آئیں۔ وہ تو دنیا میں ہی جنت میں آ گیا اور حیات ابدی پا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذُرّیّت مبارکہ میں زندگی وقف کے دُرِّ بے بہا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ:

''تیری نسل بہت ہوگی اور میں تیری ذُرّیّت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا''

آپ کی ساری اولاد الٰہی بشارتوں کا پھل تھی اور اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنے دین کی خدمت کیلئے چنا اور سب نے زندگی وقف کے ہمیشہ زندہ رہنے والے نمونے پیش کئے۔ قبل اس کے کہ واقفین زندگی کے چند ایمان افروز واقعات پیش کئے جائیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کی خدمات کا مختصر ذکر پیش ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے
قمر الانبیاء

آپ 1893ء میں قادیان میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے الہامات میں انہیں قمر الانبیاء کا خطاب دیا۔ آپ نہایت اعلیٰ پایہ کے مصنف و مضمون نگار تھے۔ سیرت خاتم النبیینؐ، سیرۃ المہدی، سلسلہ احمدیہ، تبلیغ ہدایت اور ہمارا خدا آپ کی بہت مشہور اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں ہیں۔ تنظیمی کاموں اور پیچیدہ اور مشکل معاملات کو حل کرنے کی بھی خاصی قابلیت تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عمر بھر خاص رفیق اور ساتھی رہے۔ جماعت کے کاموں کیلئے زندگی وقف کر دی۔ جماعت کے تمام افراد سے بہت ہی محبت اور ہمدردی رکھتے تھے۔

2 ستمبر 1963ء کو آپ کی وفات پر حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے اپنے جذبات محبت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

''اس میرے پیارے بھائی میری اماں جان کے بشریٰ (ان کو حضرت اماں جان پیار سے بشریٰ کہہ کر اکثر پکارتی تھیں) کی کامیاب زندگی، خدمات دینی اور بڑے بھائی کے حقیقی معنوں میں قوت بازو بن کر رہے۔ تمام جماعت کیلئے مشعل راہ، دلوں کی تسکین ثابت ہوئے اور اپنی شان آب و تاب سے دکھلا کر رخصت ہوئے۔ میرے بھائی نے نہایت کامیاب زندگی گزاری، جیسی ہونی چاہئے تھی۔ جیسی مراد حضرت مسیح موعودؑ کی تھی ویسی ہی حیات مفید، مبارک گزار کر انجام بخیر پایا۔ وہ نیک، خوش خلق اور منکسر المزاج تھے۔ خود نہایت حساس، مگر دوسرے کے احساسات کا بہت خیال رکھنے والے خدا اور رسول ﷺ کے عشق میں سرشار، غریب نواز، ہمدرد غرض ایک خوبیوں کا مجموعہ تھے۔ ایک نیکیوں کا گلدستہ تھے۔''

(الفضل 11 ستمبر 1963ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب

آپ کی ولادت اُن نشانوں میں سے ایک نشان تھی جو بارش کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی صداقت اور تائید ونصرت کیلئے دن رات نازل ہورہے تھے۔آپ 24 مئی 1895ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔آپ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کو کئی بشارتیں ہوئیں۔جنوری 1907ء کی ایک رویاء کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

''شریف احمد کو خواب میں دیکھا کہ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ بادشاہ آیا۔دوسرے نے کہا کہ ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے۔فرمایا قاضی حَکَم کو بھی کہتے ہیں۔قاضی وہ ہے جو تائید حق کر کے باطل کو رد کر دے۔''

(الحکم 10 جنوری 1907ء)

آپ ایک قابل رشک واقف زندگی تھے۔قریباً پون صدی تک آپکا مقدس وجود اپنے مقدس خاندان اور جماعت کیلئے ستارہ بن کر چمکتا رہا۔عملی اور علمی دونوں لحاظ سے آپ کی شخصیت جماعت میں ممتاز رنگ رکھتی تھی۔مختلف نظارتوں میں بطور ناظر اہم دینی خدمات بجالاتے رہے۔آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ کی زیرنگرانی قادیان میں موجود صحابہ حضرت مسیح موعودؑ کے سن بیعت وزیارت کا ریکارڈ محفوظ ہوا۔عمر کے آخری دور میں آپ اعصابی تکلیف اور نقرس کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باوجود ناظر اصلاح وارشاد کی حیثیت سے سالانہ جلسوں کے انعقاد کا بہت عمدگی اور خوش اسلوبی سے انتظام فرماتے رہے۔آپ نے ربوہ میں 26 دسمبر 1961ء کو ساڑھے 66 سال کی عمر میں وفات پائی۔آپ کی پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے آپ کی وفات پر لکھتے ہیں:

''اخلاقی اور روحانی لحاظ سے ہمارے بھائی کو بعض لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ خاص مشابہت تھی۔مثلاً اہم امور میں فیصلہ کرتے ہوئے یا مشورہ دیتے ہوئے ان کی رائے بہت متوازن اور صائب ہوتی تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرح ان کے مزاج میں ایک لطیف قسم کا توازن پایا جاتا تھا۔عفو وشفقت کے موقعہ پر پانی کی طرح نرم ہوتے تھے۔مگر سزا اور عقوبت کے جائز مواقع میں وہ

ایک چٹان کی طرح مستحکم تھے۔کیا عجب کہ ان کی اس جسمانی اور اخلاقی مشابہت کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں اشارہ ہو کہ:''اب تو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں۔''

(الفضل 9 جنوری 1962ء)

آپ کے متعلق حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:

''وہ ایک نہایت شریف اسم با مسمیٰ نہایت صاف دل، غریب طبیعت، دل کے بادشاہ، عالی حوصلہ، صابر، متحمل مزاج وجود تھے۔کوئی بطور سچی شہادت کے مجھ سے ان کی بابت سوال کرے تو میں یہی کہوں گی کہ وہ ایک ہیرا تھا نایاب، وہ سراپا شرافت تھا۔ایک چاند تھا۔''(الفرقان ربوہ جنوری فروری 1962ء)

خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری آپ کی سیرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''خاکسار کو حضرت مرزا شریف احمد کے ساتھ نظارت تعلیم و نظارت تبلیغ میں سالہا سال کام کرنے کا موقعہ ملا۔آپ کی ہمدردی اور سلسلہ کیلئے غیرت ایک نمونہ تھی۔آپ کو اپنے ماتحتوں کی تکلیف کا بہت احساس ہوتا تھا، آپ کو چین نہیں آتا تھا جب تک اس تکلیف کا ازالہ نہ کرلیں۔آپ بلاشبہ نظام کے بڑے قائل تھے۔مگر طبیعت میں نرمی غالب تھی۔آپ کو غریبوں کی غربت کا بہت احساس رہتا تھا اور ان کی امداد سے انہیں خوشی محسوس ہوتی تھی۔آپ کی طبیعت میں خدمت دین کرنے والوں کیلئے گہری محبت تھی۔

(الفرقان ربوہ جنوری فروری 1962ء)

درویشانِ قادیان

وقفِ زندگی کی ایک عدیم المثال داستان

آخر پر وقفِ زندگی کی ایک ایسی صورت بیان کی جاتی ہے، جو پچھلے صفحات میں بیان کردہ تمام صورتوں سے نرالی، ارفع تر اور عظیم تر ہے، کیونکہ اس میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے غلاموں نے اپنے محبوب آقا کے ایک اشارے پر اپنے جذبۂ ایثار وفدائیت اور اپنے ایمان اور خلوص کا ایسے رنگ میں مظاہرہ کیا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی اسے دیکھ کر عش عش کر اٹھے۔ بلکہ سلسلہ کے ایک ادیب کے ان کے حق میں یوں نذرانہ عقیدت پیش کیا:

''یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی عقل کو اپنے ہاتھوں ہمیشہ کیلئے موت کی گہری نیند سلا دیا اور اپنے جنون کو بروئے کار لا کر اپنی جانیں اپنی ہتھیلیوں پر رکھ لیں''

یہ وہ پُرآشوب زمانہ تھا، جب برصغیر ہندوستان کی تقسیم ہو چکی تھی اور درندہ صفت انسانوں نے شیطنت اور بہیمیت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا اور پھر ایسا بھیانک کھیل کھیلا کہ اُسے دیکھ کر انسانیت شرما اٹھی۔ بالخصوص صوبہ پنجاب کے دونوں اطراف میں تو بے حد وحساب مقتل کھل گئے اور ننگی تلواروں، نیزوں اور برچھیوں کی خونی جھنکار سے آنکھیں چندھیانے لگ گئیں۔ چنانچہ ایک تھوڑے سے عرصہ کے اندر اندر ایک کروڑ مسلمان نوک شمشیر کے ساتھ یا تو اپنے گھروں سے نکالے جا چکے تھے یا انہیں قتل کیا جا چکا تھا۔ خود قادیان احمدیوں سے خالی ہو چکا تھا۔ عین اس وقت جماعت کے اولوالعزم امام اور ہمارے پیارے اور محبوب خلیفہ، حضرت المصلح الموعودؓ نے اعلان فرمایا کہ قادیان کے مقدس مقامات کی حفاظت کیلئے مجھے 313 جاں فروشوں کی ضرورت ہے، جو بدری صحابہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدا کے مسیح کے پایۂ تخت کی حفاظت کیلئے وہی کردار ادا کریں گے، جو آج سے چودہ سو سال قبل آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اسلام کی حفاظت کیلئے ادا کیا تھا۔

اس اعلان کا ہونا تھا کہ جماعت احمدیہ کا ہر فرد اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہنے کیلئے تیار ہو گیا۔ مگر 313 کے عدد میں آخر میں کتنے عشاق سما سکتے تھے۔ بہرحال 313 کا انتخاب کر لیا گیا اور وہ بالفعل اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر آتش نمرود میں کود گئے۔ اور عقل لب بام پر کھڑی ہو کر ان کے ذوقِ جنوں اور شوق

قربانی کا تماشہ دیکھنے لگی۔

یہی وہ جنون تھا جس نے گذشتہ پچاس سالوں کے دوران جماعت احمدیہ کی تاریخ کا وہ سنہری باب رقم کیا، جسے پڑھ کر آئندہ آنے والی نسلیں اپنی ایمانوں کی شمعیں فروزاں کرتی رہیں گی۔ دراصل یہ جنون ہی تو ہے، جس سے تاریخ کے گیسو سنورتے اور عظیم قوموں کے روشن باب وا ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ 313 اصحاب جو ''درویشان'' کا اعزازی لقب پا کر آستانہ محبوب پر دھونی رما کر بیٹھ گئے، شاہراہ حیات پر عشق و وفا اور تسلیم و رضا کے ایسے ایسے سنگہائے میل نصب کرتے رہے کہ بھٹکی ہوئی انسانیت ابدالآباد تک ان سے رہنمائی حاصل کرتی رہے گی۔

قادیان میں اس درویشی کے زمانہ کا آغاز عملاً 16 نومبر 1947ء کو ہوا۔ یہ وہ دن تھا جب قادیان سے پاکستان آنے والا آخری قافلہ چلا۔ اس کے بعد صرف وہی اصحاب وہاں رہ گئے جنہیں اس اعزازی خدمت کیلئے چن لیا گیا تھا۔ ان میں سے 221 نوجوان تھے، 57 درمیانی عمر کے اور 35 بوڑھے تھے، جن میں 11 صحابہ کرام تھے۔ بعد میں 13 صحابہ اور تشریف لائے اور اس طرح پر صحابہ کی کل تعداد 24 ہو گئی۔ ان بعد میں آنے والوں کے بدلے بعض نوجوانوں کو واپس بلا لیا گیا، تاکہ 313 کی تعداد اپنی جگہ قائم رہے۔ ان 313 درویش اصحاب کے اپنے عزیز و اقارب بھی تھے، اہل و عیال بھی تھے، دوست اور احباب بھی تھے۔ مگر وہ ان سب سے بے نیاز ہو کر دیارِ محبوب میں یوں مستانہ وار بیٹھ گئے، جیسے انہیں دنیا کی ساری نعمتیں مل گئی ہوں۔ اس کیفیت کا صحیح ادراک کرنے کی غرض سے یہاں ان میں سے ایک درویش کا وہ بیان درج کیا جاتا ہے، جو اس نے کسی کے پوچھنے پر اپنے دوسرے درویش اصحاب کی نمائندگی میں دیا۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم درویش اپنے عزیز و اقارب سے جدا رہ کر اپنے جذبات محبت اور حسیات الفت سے عاری ہو چکے ہیں۔ نہیں، بلکہ ہم نے ایک الگ دنیا بسانے کا سلیقہ سیکھ لیا ہے۔ اس نئی اور انوکھی دنیا میں ہماری درویش برادری ہمارے لئے سب کچھ ہے۔ اس چھوٹی سی دنیا میں ہمیں وہ ساری نعمتیں میسّر ہیں، جن کی ہمیں خواہش ہے۔ جب ہم ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی خوشیوں میں شامل ہوتے ہیں، تو ہمیں ایک ایسا سکون میسر آجاتا ہے، جس کی مثال دنیا میں بہت کم ملے گی''

اُس وقت جبکہ قادیان کے سارے محلہ جات صوبہ پنجاب کے دوسرے حصہ کی طرف سے لُٹ پُٹ کر

آنے والے غیر مسلم مہاجرین سے آباد ہو چکے تھے۔ انکے بھی دل دکھے ہوئے تھے۔ وہ بھی ہزاروں تلخیاں اور کدورتیں لے کر وہاں پہنچے تھے۔ تو ان حالات میں 313 درویشوں کا ان کے اندر ایک مختصر سے علاقے میں محدود ہو کر بیٹھ جانا ایسا ہی تھا جیسے ایک جزیرہ ہو، جس کے چاروں طرف گہرا پانی ہو، اس کے اندر بڑے بڑے مگر مچھ بھی ہوں اور اس میں قدم رکھنا موت کے منہ میں جانے کے مترادف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان درویشان کو اپنے اس محدود علاقہ سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ صورت حال متواتر کئی سالوں تک جاری رہی۔ بلا شبہ اس عرصہ میں کئی اوقات ایسے بھی آئے جب محسوس کیا گیا کہ یہ انکا آخری وقت ہے۔ اور وہ اس آخری وقت کا ایسی زندہ دلی اور بشاشت سے انتظار کرنے لگتے، جیسے ایک دلہن اپنی برات کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔ مگر منشاء ایزدی سے وہ آخری اوقات ٹل جاتے رہے۔

ان خطرات کے ہوتے ہوئے ان عالی حوصلہ اور جواں ہمت درویشان کا اس قدر جرأت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں ثابت قدمی دکھانا اپنی نوعیت کا اتنا نرالہ، حیرت انگیز اور محیر العقول واقعہ تھا کہ جماعت احمدیہ عالمگیر تو جہاں بھی تھی اس پر رطب اللسان تھی ہی، حقائق پسند غیر مسلم افراد بلکہ بعض شدید ترین معاندین احمدیت بھی اس کا کھلے بندوں اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ بلکہ ان درویشان قادیان کو خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مثلاً رسالہ ''ریاست'' دہلی کے ایڈیٹر اور نامور اور بیباک صحافی، سردار دیوان سنگھ مفتون، جو اپنے حقیقت افروز تبصروں کی بدولت ادبی دنیا میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں، فرماتے ہیں:

> ''جب مشرقی پنجاب میں خوں ریزی کا بازار گرم تھا اور مسلمانوں کا مسلمان ہونا ناقابل تلافی جرم بن چکا تھا۔ جب مشرقی پنجاب کے کسی ضلع کے کسی مقام پر کوئی بھی مسلمان باقی نہ رہا تھا، تو ......قادیان میں چند درویش صفت احمدی تھے، جنہوں نے اپنے مقدس مذہبی مقامات کو چھوڑنے سے انکار کر دیا، جنہوں نے ننگ شرافت لوگوں کے ننگ انسانیت مظالم برداشت کئے اور جن کو بلا خوف تردید مرد مجاہد قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان پر آئندہ قوم فخر کرے گی......اب بھی قادیان کے درویشوں کے اسوۂ حسنہ کا خیال آتا ہے تو عزت اور احترام کے جذبات کے ساتھ گردن جھک جاتی ہے'' (اخبار ''ریاست'' 2 دسمبر 1957)

پھر جماعت احرار، جو اپنے زعم باطل میں جماعت احمدیہ کے وجود کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دینے کا ارادہ رکھتی ہے، اس نے اپنے روزنامہ ''آزاد'' مورخہ 26 مئی 1948ء کی اشاعت میں ''مشرقی پنجاب کے سجادہ نشین

‘‘ کے عنوان سے ایک ایسا اداریہ لکھا جس میں جہاں اس نے مشرقی پنجاب کی دیگر خانقاہوں کے محافظوں کو انکے بزدلانہ رویّے پر شرم دلائی، وہاں درویشان قادیان کی جرأت اور حوصلہ کی داد دیتے ہوئے لکھا:

’’ان گنت مساجد اپنی حرمت کھو کر...... غیر مسلم عبادت گاہوں، اصطبلوں اور پاخانوں میں بدل دی گئی ہیں...... مشرقی پنجاب کے عوام تو خیر عوام ہی تھے۔ اگر انہوں نے پولیس اور فوج اور انسانوں کے ہجوم سے گھبرا کر مہاجرت اختیار کی، تو ظاہر ہے، وہ مجبور تھے۔ مگر بزدلی سے مسجدوں کے اماموں، خانقاہوں کے مجاوروں اور ایں شریف اور آں شریف سجادہ نشینوں کا عمر بھر اوقاف کی کمائی کھا کر شعائر اللہ کو کافروں کے حوالے کر دینا اور بھاگ نکلنا کتنا قابل شرم فعل ہے...... کیا ان مساجد اور معابد کے ٹھیکیداروں کو علم ہے کہ ان کے اس اسلام پر خود کفر کی جبیں سے عرق ندامت کے قطرے چھلکتے ہیں...... مگر (دوسری طرف) مرزا غلام احمد کے مزار کی حفاظت کیلئے آج بھی جانثار مرزائی موجود ہیں اور اب بھی وہاں کی مسجدوں میں اذان دی جاتی ہے‘‘

یہاں آگے جانے سے پہلے اس اذان کا ایک نہایت دلچسپ بلکہ دلگداز پہلو بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جیسا کہ الفضل کی 28 مئی 1948ء کی اشاعت نے لکھا:

’’جب بعض مغویہ مسلمان عورتوں کو اذان کی آواز سن کر معلوم ہوا کہ یہاں مسلمان موجود ہیں، تو وہ موقع پا کر بھاگ کر ہمارے پاس پہنچ گئیں۔ بعض کو خود شریف مزاج سکھ ہمارے پاس پہنچا گئے۔ اسی طرح خوف کی وجہ سے مذہب تبدیل کرنے والے مسلمان جو اسّی ((80 کے قریب تھے، ہمارے پاس آئے، ہم نے ان کی رہائش اور خوراک کا انتظام کیا اور پھر جب ہمارے ٹرک قادیان آئے، تو ہم نے انہیں بحفاظت پاکستان پہنچا دیا‘‘

اسی طرح دہلی سے نکلنے والے ایک انگریزی اخبار سٹیٹسمین (Statesman)، نے اپنی 17/18 نومبر 1948ء کی اشاعت میں تحریر کیا:

’’قادیان (حضرت مرزا) غلام احمد کی جائے پیدائش ہے، جنہوں نے 1891ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا...... قادیان لاکھوں مسلمانوں کا جو جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں، مقدس مقام ہے...... قادیان کے 313 مؤمنین باوجود سرکاری افسران کی ابتدائی مخالفت اور غیر مسلم پناہ گزینوں کی عداوت کے قادیان میں مقیم رہے۔ اس کی وجہ ان کا اپنی

جماعت کے اصولوں پر غیر متزلزل ایمان، حکومت وقت کے ساتھ انکی وفاداری اور تمام مذاہب کے ساتھ رواداری پر مبنی انکی تعلیم ہے‘‘

پھر پشاور سے نکلنے والے ایک مسلم اخبار ’’تنظیم‘‘ نے باوجود مخالف ہونے کے محض للہ 313 کے بدری صحابہ کے عدد کے حوالے سے ’’درویشان قادیان‘‘ کے حق میں ایسے تعریفی کلمات لکھے، جنہوں نے واقعات کے تصویری خدوخال میں ایک بے پناہ رنگینی پیدا کرنے کے ساتھ جذبۂ حق پسندی اور صحافتی عظمت کو بھی چار چاند لگا دئے۔ چنانچہ اس نے لکھا:

’’رسول اللہ ﷺ کے تین سو تیرہ ساتھیوں نے مکہ والوں کو شکست دی۔ بعد میں مکہ بھی فتح کیا۔ آج آپ ہی کے نقش قدم پر مرزا غلام احمد قادیانی ولد مرزا غلام مرتضیٰ، قوم مغل سکنہ قادیان، تحصیل بٹالہ، ضلع گورداسپور، کے تین سو تیرہ مرید قادیان میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور ان کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل کر قادیان کی مسجد مبارک، جامعہ احمدیہ اور بہشتی مقبرہ، جہاں حضرت مرزا صاحب دفن ہیں، کی حفاظت کیلئے تن، من اور دھن سے مصروفِ یادِ خدا و امدادِ خدا ہیں۔ ان میں بہت سے عالم، حافظ اور صوفی ہیں‘‘

پھر رسالہ ’’چٹان‘‘ لاہور کے ایڈیٹر، جناب شورش کاشمیری جو دشمنان جماعت احمدیہ کے سرخیل کہلانا پسند کرتے تھے، 1961ء میں شائع ہونے والے ایک اخباری پرچہ میں اسلام کے دیگر ٹھیکیداروں کو غیرت دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’آدمی تو ہر شخص اکٹھا کر سکتا ہے، مرزا غلام احمد نے بھی اکٹھے کر لئے تھے..... مگر فضلاء کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی جانثار ہے۔ پھر کیا یہ واقعہ نہیں کہ ’’دارالسلام‘‘ کے چابی برداروں میں اکثر برقعہ پہن کر بھاگ نکلے تھے۔ مگر مرزا غلام احمد صاحب آج تک قادیان کی حفاظت تین سو تیرہ کی جتھہ بندی سے کر رہے ہیں‘‘

خود حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کا ان درویشان کو دیا جانے والا خراج تحسین بھی اس لائق ہے کہ اسے سنہری الفاظ میں لکھا جائے۔ آپ نے فرمایا:

’’اس وقت ساری دنیا کی نظریں تم پر ہیں۔ ہر دشمن تک حیرت سے تم لوگوں کے استقلال اور قربانی کو دیکھ رہا ہے اور تمہاری یہ قربانی سلسلہ کی عزت کو چار چاند لگا رہی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کم

فضل نہیں کہ تم لوگوں کو یہ ثواب مل رہا ہے۔آپ لوگ وہ ہیں جو ہزاروں سال تک احمدی تاریخ میں خوشی اور فخر کے ساتھ یاد کئے جائیں گے اور آپ کی اولادیں عزت کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی اور خدا کی برکات کی وارث ہوں گی، کیونکہ خدا کا فضل بلاوجہ کسی کونہیں پہنچتا‘‘

پھرفرمایا:

’’چاہیئے کہ جتنا خطرہ بڑھے تمہارے حوصلے بھی بڑھتے جائیں۔اورتمہارے دل میں خوشی کی لہر دوڑتی جائے کہ اس عظیم الشان قربانی کیلئے خدا تعالیٰ نے تم کو چنا۔اے قادیان کے ساکنو! آج آسمان کے فرشتے تمہارے استقلال پر خدا تعالیٰ کی حمد گا رہے رہیں۔آج اللہ تعالیٰ بھی تمہارے کام کو دیکھ کرخوش ہے کہ میرا مسیح کامیاب آیا۔اوراس نے ایسی جماعت بنادی، جو خدا تعالیٰ کی راہ میں فاقہ اور پیاس اور موت کوفخرسمجھتی ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل سے سرد ہے‘‘

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۱۱، نیز الفرقان ربوہ ’’درویشان قادیان نمبر‘‘)

یہی وہ حوصلہ افزا اور پُرشوکت الفاظ تھے، جنہوں نے لاکھوں خونخوار تلواروں کی موجودگی میں اور خطرات اور مصائب کی خوفناک آندھیوں میں 313 پھولوں کے اس حسین وجمیل گلدستہ کو زندہ و تابندہ رکھا۔اور ان صبر آزما ایام میں جبکہ ان سرفروشان قادیان کے پاس سوائے بے دست و پائی اور نیم شبی دُعاؤں کے اور کچھ بھی نہ تھا، وہ اپنے محبوب آقا (سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ) کے عشق اور محبت میں سرشار ہوکرمحض رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر اپنے دنیوی مفادات اور اپنے اہل وعیال اور اپنے مستقبل سے لاپرواہ ہوکر نہ صرف اپنے عزم وصمیم پر قائم رہے بلکہ فقیری پیرہن زیب تن کر کے عزم شاہانہ کے ساتھ زندہ رہتے ہوئے دنیاوالوں کو اطاعت، ایثار اور استقلال کا درس دیتے رہے، اب ان کا بیشتر حصہ اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو چکا ہے، تاہم ان کا قابل رشک اور قابل تقلید نمونہ زندہ جاوید بن چکا ہے ذیل میں ان میں سے بعض کے بعض واقعات درج کئے جاتے ہیں، یہ اندازہ کرنے کیلئے کہ انہوں نے دنیا اور مافیہا سے کٹ کر ایک صبح صادق کے انتظار میں یہ کڑا اور صبر آزما وقت کیسے گزارا، ان کے مشاغل کیا تھے، اور کس طرح وہ اتنے لمبے عرصہ تک محض خدا کی رضا کے حصول کی خاطر اپنی جانوں، اپنے جذبات اور اپنے احساسات کے نذرانے پیش کرتے رہے۔

باب دہم

واقفین زندگی کے ایمان افروز واقعات

اس آخری حصہ میں نموناً اُن واقفین زندگی کے چند ایک ایمان افروز واقعات درج کئے جاتے ہیں جنہوں نے خوشی خوشی اپنی زندگیاں اپنے رب کے حضور پیش کیں اور آخری دم تک صدق و وفا کے ساتھ اپنے عہدوں پر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضلوں اور نعماء کے حقدار ٹھہرے۔ نہ صرف وہ بلکہ ان کی نسلیں بھی ان نعمتوں سے حصہ پانے لگیں اور پا رہی ہیں۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ اولین واقفین زندگی تو انبیاء علیہم السلام کے مبارک وجود ہوتے ہیں۔ پھر وہ جو ان کے خلفاء اور جانشین ہوتے ہیں۔ قرآن کریم اور تاریخ اسلام نے ان کے بے شمار ایمان افروز واقعات ذکر کئے ہیں۔ مگر انہیں چھوڑ کر یہاں صرف ان واقفین زندگی کے ہزاروں لاکھوں ایمان افروز واقعات میں سے صرف چند ایک نموناً درج کئے جاتے ہیں جو صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مومنین کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی

آپ اپنی ذات میں ایک شگفتہ چمن تھے۔ اور اس کے ساتھ زمانہ مسیح موعودؑ کی ایک مقدس یادگار بھی۔ مامور زمانہ کا صحابی ہونا تو ویسے ہی ایک بہت بڑا اشرف ہے، جو روحانی دنیا میں ہمیشہ ایک خاص عزت اور عظمت کے ساتھ دیکھا اور یاد رکھا جاتا ہے، لیکن جہاں تک آپ کا تعلق ہے، آپ کو اس سے بڑھ کر یہ شرف بھی حاصل تھا کہ آپ نے ایک لمبا عرصہ حضرت مامور زمانہ (حضرت احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ و السلام) کے قدموں میں بسر کیا۔ سفر و حضر میں حضور کی معیت میں رہ کر بے شمار برکتیں حاصل کیں اور اس

بابرکت صحبت کے مصقل سے اپنے جسم وجان کو ایسے طور پر صیقل کیا کہ اس کی چمک دمک آخری دم تک قائم رہی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام درویشوں کیلئے ایک بہت بڑا تسلیہ تھے، ایک بہت بڑی رونق تھے۔ ان کے وجود سے ذکر حبیب کی ایسی محفلیں سجتیں کہ تمام سننے والے اپنے گرد وپیش کو بھول جاتے۔ آپؓ کو دارالمسیح کا ایک ایک کونا یاد تھا کہ کہاں خدا کا مقدس مسیح اور ان سب کا محبوب آقا بیٹھتا تھا اور کیا کرتا تھا۔ چنانچہ کسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ اچانک اٹھ کھڑے ہوتے اور سامعین کو ساتھ لیجا کر دکھاتے اور فرماتے: ''بس یہ وہ جگہ تھی''۔ اُس وقت حضرت بھائی جی کا چہرہ ایک خاص کیفیت کا حامل تھا۔ آواز میں ایک خاص رقت اور سوز اور آنسوؤں سے چھلکتی ہوئی آنکھوں میں ایک خاص نور اور سرور ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ سامعین بھی ایک لمحہ بھر کیلئے تصور جاناں میں کھو جاتے اور یوں محسوس کرتے، گویا وہ خدا کے مسیح کو اپنے دل کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں۔

آپ کو اپنی زندگی میں ایک یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ نہ صرف یہ کہ آپ حضورؑ کے وصال کے وقت لاہور میں موجود تھے بلکہ حضور کے جسد عنصری کی ہمراہی میں آپ قادیان پہنچے اور پھر آپ اس منظر کے بھی زندہ گواہ تھے کہ وہ مطہر تابوت کہاں اور کس رُخ رکھا گیا تھا۔ چنانچہ آپ کا ایک محبوب مشغلہ یہ بھی تھا کہ آپ کھرپہ بالٹی اور جھاڑو لے کر اپنے محبوب آقا کے سفر آخرت کے نقوش قدم کی تلاش میں قریباً روزانہ ہی عین اسی جگہ پہنچ جاتے۔ وہاں پہلے گھاس پھوس ہٹاتے، پھر مٹی لا لا کر اس جگہ کو ہموار کرتے اور پھر اس جگہ کو جھاڑو سے صاف کرتے اور یوں اپنے تصور میں اپنے محبوب سے قریب ہونے کی کوشش میں دن گزار دیتے۔ پھر خدا تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کہ جب آپ کی وفات ہوئی آپ اس وقت جلسہ سالانہ ربوہ میں شمولیت کیلئے پاکستان پہنچے ہوئے تھے۔ یہ 1960ء کی بات ہے۔ اُن ایام کے غیر معمولی اور کشیدہ حالات میں جس طرح آپ کی نعش قادیان لائی گئی، یہ اپنی ذات میں ایک معجزہ سے کم نہیں۔ لیکن اس میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ کا تابوت لاہور اور بٹالہ سے ہوتا ہوا قریباً انہیں راستوں سے گزر کر قادیان پہنچا جن راستوں سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا جسد اطہر لایا گیا تھا۔

حضرت حاجی محمد الدین صاحب تہالوی ؓ

آپ زمرۂ صحابہ سے تعلق رکھنے والے ان خوش بخت افراد میں سے تھے، جنہیں حضرت مسیح موعودؑ کے سفر جہلم کے دوران ''پگڑی والی بیعت'' میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ ایک روح پرور واقعہ ہے، کہ ایک ایسے موقع پر جبکہ حضورؑ ایک ملزم کی حیثیت سے اپنے اوپر بنائے جانے والے ایک مقدمہ کی پیروی کیلئے تشریف لائے ہوئے تھے، تو لوگ دیوانہ وار آپ کی بیعت میں شامل ہوئے۔ قریباً بارہ سو مرد و خواتین نے ایک دن میں بیعت کی، جو اُس وقت کی تاریخ احمدیت میں ایک انوکھا واقعہ تھا۔ چنانچہ بیعت کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے لوگوں نے اپنی پگڑیاں اتار کر پھیلا دیں، تا کہ بیعت کرنے والے پگڑیوں پر ہاتھ رکھ کر بیعت میں شامل ہو جائیں۔ آپ یہ واقعہ بھی درویشوں کو جب سناتے ہوئے یہ کہتے کہ ''ایتھے حضرت صاحب بیٹھے ہوئے سی''، یعنی اُس وقت حضرت مسیح موعودؑ یوں تشریف فرما تھے، تو سننے والوں کی وہی کیفیت ہو جاتی، جیسے کہتے ہیں:

''ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے''

بیعت کرنے کے بعد آپ پر تقویٰ اور طہارت کا ایک اور ہی رنگ چڑھا۔ یہ وہ وقت تھا، جب احمدی ہونا اپنی موت پر دستخط کرنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ آپ کے ساتھ بیتا ہوا ایک ایسا واقعہ اس قابل ہے کہ اسے یہاں درج کر دیا جائے۔ آپ کے متعلق آتا ہے کہ جب آپ بیعت کر کے واپس اپنے وطن پہنچے اور لوگوں کو آپ کے احمدی ہونے کا علم ہوا تو وہ آپ کی جان کے در پے ہو گئے۔ پہلے آپ کو دھمکاتے رہے کہ احمدیت چھوڑ دو ورنہ تمہاری جان کی خیر نہیں۔ جب آپ کسی طور بھی ان سے مرعوب نہ ہوئے، تو

> ''ایک دن قریبی بارہ دیہات سے لوگ اس نیت سے اکٹھے ہو گئے کہ آپ کو قتل کر دینگے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر مارنے ہی آئے ہو تو میں دو نفل پڑھ کر دعا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ قریبی مسجد میں چلے گئے۔ وہاں دعا میں ایسے مشغول ہوئے کہ انہیں وقت گزرنے کا احساس تک نہ رہا۔ باہر لوگوں نے سمجھا کہ آپ ڈر گئے ہیں۔ تاہم جب کافی دیر کے بعد آپ باہر نکلے تو ایک گھوڑ سوار آتا دکھائی دیا۔ اس نے للکار کر کہا کہ 'اس شخص کو کوئی ہاتھ نہ لگائے'۔ وہ شخص اتنا بارعب معلوم ہوتا تھا کہ مجمع یہ سنتے ہی منتشر ہو گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ

کے فضل سے آپ کی جان محفوظ رہی‘‘

آپ فرماتے تھے کہ آپ اس کے بعد کئی باران کے دیہات میں گئے مگر اس جیسا کوئی شخص نہ آپ نے دیکھا، نہ سننے میں آیا۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ کوئی فرشتہ تھا، جو خدا نے آپکی جان بچانے کی غرض سے عین اس وقت بھیجا، جب بظاہر کوئی وسیلہ باقی نہ رہا تھا۔

قادیان میں آپ کے ساتھ بھی درویشوں کی خوب محفل سجتی تھی۔ آپ کی سترہ سالہ درویشی کا زمانہ جہاں آپ کیلئے صدہا خیرات و برکات کا موجب بنا، وہاں آپ کے ساتھی درویشان کیلئے بھی ایک سدا بہار پھول کا سا رنگ رکھتا تھا۔ اس تمام عرصہ میں آپ کی رہائش مسجد مبارک کی چھوٹی سیڑھیوں سے ملحق اس کمرہ میں رہی، جو حضرت اماں جانؓ کا دالان کہلاتا ہے۔ چنانچہ تہجد، اشراق اور پنجگانہ نمازوں کا التزام آپ کی عادت ثانیہ بن چکا تھا۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ آپ ہمہ تن دعاؤں اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے۔ یہیں قادیان میں رہتے ہوئے آپ نے عدن میں مقیم اپنے ایک ڈاکٹری پیشہ سے منسلک بیٹے کی وفات کی خبر سنی۔ خبر سننے پر آپ کے منہ سے جو پہلا جملہ نکلا، وہ انا للہ وانا الیہ راجعون تھا۔ دوسرا جملہ یہ تھا: ’’اچھا خدا کی مرضی‘‘۔ کوئی جزع فزع نہیں تھی، کوئی چیخ و پکار نہ تھی۔

حضرت بابا صدر الدین صاحب قادیانیؓ

آپ بھی ان معماران احمدیت میں سے تھے، جنہوں نے اپنے خون پسینہ کے ساتھ احمدیت کی بنیادیں استوار کیں۔ پھر آپ بھی اس زمانے میں ایمان لائے تھے، جب ایمان لانے اور مصلوب ہونے کا ایک سا تصور ہوتا تھا۔ پھر ایمان لانے کے بعد آپ اسلام اور احمدیت کی ایسی چلتی پھرتی تصویر بن گئے کہ آپ کو دیکھ کر دوسرے احمدی اپنے ایمانوں کی نوک پلک سنوارنے لگ جاتے۔ آپ تقسیم ملک سے قبل قادیان میں آ گئے تھے اور آٹے اور دالوں کی ایک دوکان کھول کر اپنی روزی کمانے لگ گئے تھے۔ زمانہ درویشی میں بھی آپ کا یہی کاروبار رہا۔ اُس وقت وہ پہلے والی آسانیاں تو نہیں تھیں۔ چنانچہ آپ خود چکی چلا کر دالیں وغیرہ بناتے اور اپنے بوڑھے ہاتھوں سے انہیں صاف کر کے زیادہ تر جماعت کے لنگر خانہ کو سپلائی کرتے۔ وفات سے چار پانچ سال قبل آپ کی بینائی جاتی رہی مگر اس کے باوجود نورِ ایمان کو ہاتھوں

میں لئے پانچ وقتہ نمازوں میں مسجد میں پہنچ جاتے۔

آپ کو ایک یہ بھی شرف حاصل ہوا کہ آپ کے ایک بیٹے میاں محمد عبداللہ صاحب نے بھی درویشی کی سعادت پائی۔ اور وہ بھی جماعت کی خدمات میں مصروف رہ کر اپنا درویشی کا زمانہ بسر کرتے رہے۔

شیخ محمد یعقوب صاحب چنیوٹی

11 مئی 1948ء کو رتن باغ لاہور سے قادیان آنے والے قافلہ میں ایک ایسا شخص بھی تھا، جس کی پیشانی سے لمعات نور نکل نکل کر دلوں میں داخل ہو رہے تھے۔ جلد ہی معلوم ہوا کہ یہ وہ خوش قسمت نوجوان ہے، جسے قادیان کے 313 درویشان میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور وہ اب اپنے عزیزوں اور جگر گوشوں کو خیر باد کہہ کر ان سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو رہا ہے۔ یہ چنیوٹ کے ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ، شیخ محمد یعقوب صاحب تھے۔ ذکر الٰہی آپ کا ابتداء سے ہی محبوب مشغلہ تھا۔ چنانچہ یہ مشغلہ قادیان کے تقدس مآب ماحول میں بھی ایسے زور و شور اور ایسے تواتر سے جاری رہا کہ اسے دیکھ کر ذکر الٰہی کا مفہوم پوری شرح و بسط کے ساتھ ذہن میں مستحضر ہو جاتا، رات دن آپکا یہی مشغلہ رہتا، یہاں تک کہ آپ کے بارے میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ نے ساری درویشی کی راتیں جاگ کر اور ذکر الٰہی میں بسر کیں۔ تہجد کے اوّلین لمحات میں آپ مسجد مبارک میں پہنچ جاتے۔ پھر صبح کی نماز کی ادائیگی کے بعد واپس آ کر پہلے چارپائی کے اوپر بیٹھ کر نہایت سوز و گداز کے ساتھ قران کریم کی تلاوت کرتے۔ ان کی تلاوت کے دوران یوں معلوم ہوتا، جیسے ان کی آنکھوں کے پپوٹوں نے آنسوؤں کا ایک سیلاب روکا ہوا ہے اور جونہی تلاوت ختم ہوگی، وہ سیل رواں ہو کر بہہ نکلے گا۔ غرض تلاوت اور ذکر الٰہی آپ کے رگ و ریشہ میں اس قدر سما چکا تھا کہ آپ ''من تو شدم تو من شدی'' کی عملی تصویر بن چکے تھے۔ مسجد اقصیٰ ہو یا مسجد مبارک، آپ جب وہاں بیٹھتے ہوتے، تو وقار اور احترام کا ایک مجسمہ لگتے۔ اور اگر آپ سے کوئی بات کرنے لگتا تو بڑی آہستگی سے اور اس قدر سرگوشی کے انداز میں جواب دیتے، جیسے وہ اپنی زبان حال سے کہہ رہے ہوں کہ دیکھو، یہ وہ مقام ہے، جہاں خدا کے ایک فرستادہ کی آوازیں بلند ہو چکی ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہماری آواز اس مقدس فضا میں بکھری ہوئی ان آوازوں سے بلند ہو جائے۔

آپ میں ایک امتیازی صفت یہ تھی کہ آپ بہت ہی خوددار قسم کے انسان تھے، آپ نے اپنی درویشی کے صرف ابتدائی دو، تین سالوں میں وظیفہ لیا مگر اس کے بعد کوئی وظیفہ نہیں لیا۔ اپنا سالن خود تیار کرتے، صرف روٹی حضرت مسیح موعودؑ کے لنگر خانہ سے لاتے مگر اس کی بھی قیمت ادا کرتے۔ پھر چندوں کی ادائیگی میں بھی بہت با قاعدہ تھے۔ بلکہ تحریک جدید کے دفتر دوم کا بیس ((20 سالوں کا چندہ پہلے ہی ادا کر دیا تھا تا کہ اگر خدا کی طرف سے بلاوا آ جائے، تو تحریک جدید کے دفتر دوم کے سارے عرصہ کے چندہ گزار ثابت ہوں اور مرنے کے بعد بھی اس میں شرکت کا ثواب حاصل کرتے رہیں۔

آپ اپنی عمر کے آخری حصہ میں فالج سے بیمار ہو گئے۔ امرتسر میں علاج کروایا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آپ کے بیوی بچے ڈھاکہ میں تھے۔ ان کے پاس چلے گئے کہ شاید وہاں علاج کی کوئی بہتر صورت میسر آ جائے۔ مگر دل آپکا قادیان ہی میں اٹکا رہا۔ آپ کے درویش بھائیوں کے نام خط آتے، دعا کیلئے لکھتے نیز یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جلد قادیان لائے۔ مگر مشیت ایزدی میں آپ کا اپنے بچوں کے پاس وفات پانا مقدر ہو چکا تھا۔ آپنے 13 جولائی 1960ء کو وفات پائی۔ وہاں سے آپکا جنازہ لاہور اور پھر ربوہ لایا گیا۔ بہشتی مقبرہ قادیان تو نصیب نہ ہو سکا، البتہ بہشتی مقبرہ ربوہ نصیب ہو گیا۔

کرشمہ قدرت اور غیبی ضیافت

روایت حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ:

''برادرم عزیز میاں غلام حیدر صاحب رضی اللہ عنہ اور میں ایک دفعہ لاہور اپنے بعض رشتہ داروں سے ملنے کے لئے گئے۔ چند دنوں کے قیام کے بعد جب ہم نے گاؤں آنے کا ارادہ کیا تو ان لوگوں نے از راہ محبت یہ اصرار کیا کہ آپ ایک مہینہ اور ٹھہریں۔ مگر ہم دونوں کی طبیعت کچھ ایسی اچاٹ ہوئی کہ ہم نے مزید ٹھہرنا گوارا نہ کیا اور ان سے اپنا سامان اور دی ہوئی نقدی واپس مانگی۔ انہوں نے اس خیال سے کہ اگر ہم انہیں سامان اور نقدی نہ دیں گے تو شاید یہ گاؤں جانے سے رک جائیں ہمارا سامان ہمیں دینے سے انکار کر دیا۔ اور نقدی بھی نہ دی لیکن ہم نے صبح کا ناشتہ کرتے ہی گاؤں لوٹنے کا ارادہ کر لیا اور لاہور سے پیدل چل پڑے۔ نو 9 پیسے ہمارے پاس تھے۔ دریائے راوی کے پتن پر آئے تو کشتی میں دو پیسے

چراغی کے دے کر دریا عبور کیا۔ چلتے چلاتے جب موضع کاموںکے سے کوئی چار میل کے فاصلہ پر پہنچے تو سورج غروب ہو گیا۔ ادھر میاں غلام حیدر صاحب کو سفر کی تکان اور سردی کی شدت سے بخار محسوس ہونے لگا۔ پاس ہی سکھوں کا ایک گاؤں منیس نام تھا۔ ہم نے چاہا کہ رات وہاں بسر کر لیں مگر کوئی صورت نہ بنی۔ آخر افتاں وخیزاں رات کے دس بجے موضع کاموںکے پہنچے وہاں ایک ویران مسجد میں قیام کے لئے ڈیرے ڈال دیئے۔ مسجد کا ایک ہی کمرہ تھا جس میں کچھ کسیر بچھی ہوئی تھی اور اس کے ایک گوشہ میں ایک مسافر لیٹا ہوا تھا۔ میں نے میاں صاحب موصوف کو وہاں لٹا دیا اور اپنا کھیس اتار کر ان کے اوپر دے دیا اور خود نقدی لے کر کھانا وغیرہ مہیا کرنے کے لئے بازار کی طرف چل پڑا۔ جب بازار پہنچا تو دیکھا کہ تمام دکانیں بند تھیں اور سارے گلی کوچے سنسان پڑے تھے۔ کوشش کے باوجود جب کوئی سبیل نہ بنی تو میں مسجد میں واپس آ گیا۔ دیکھا تو میاں غلام حیدر صاحب کا بخار بہت ہی تیز ہو چکا تھا۔ اب میں حیران ہوا کہ اس غریب الوطنی میں اگر خدانخواستہ میاں غلام حیدر کی حالت زیادہ خراب ہو گئی تو کیا ہوگا۔ یہ خیال کر کے میرا دل بھر آیا اور میں خدا کے حضور سجدہ میں گڑگڑا کر خوب رویا اور بہت دعا کی۔ خدا کی قدرت ہے کہ دعا کے بعد جب میں ناک صاف کرنے کے لئے مسجد کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اجنبی آدمی ایک ہاتھ میں گرم گرم روٹیوں اور حلوے کا ایک طشت اٹھائے ہوئے اور دوسرے ہاتھ میں گوشت کے گرم گرم سالن کا پیالہ اُٹھائے ہوئے کھڑا ہے۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رات کے دو بجے کے قریب یہ شخص کھانا اٹھائے ہوئے یہاں کیسے کھڑا ہے۔ خیر میں نے پوچھا کہ آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا میں آپ ہی سے ملنا چاہتا ہوں آپ میرے ہاتھ سے یہ کھانے کے برتن لے لیں۔ میں نے پوچھا کہ کھانا کھانے کے بعد ان برتنوں کو کہاں رکھوں۔ کہنے لگا وہیں رکھ دینا۔ میں نے مسجد کے اندر آ کر جب اس کھانے میں سے میاں غلام حیدر کو کھلایا تو ان کی طبیعت سنبھل گئی اس کے بعد وہ کھانا میں نے بھی سیر ہو کر کھایا مگر پھر بھی ایک آدمی کا کھانا بچ گیا۔ وہ مسافر جو ہمارے ساتھ مسجد میں لیٹا ہوا تھا اس نے کہا میں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ چنانچہ وہ کھانا اسے دے دیا گیا اور اس نے بھی پیٹ بھر لیا تو اس کے بعد

ہم نے برتنوں کو وہیں ایک طرف رکھ دیا اور خود اس کمرہ کی کنڈی چڑھا کر سو گئے۔ صبح دیکھا تو اس کمرہ کی زنجیر اسی طرح لگی ہوئی تھی اور وہ مسافر پڑا اخراٹے لے رہا تھا مگر وہ برتن غائب تھے۔ سچ ہے جو خدائے ذوالجلال نے حضرت مسیح پاک کو فرمایا ''اگر تمام لوگ منہ پھیر لیں تو میں زمین کے نیچے سے یا آسمان کے اوپر سے مدد کر سکتا ہوں''۔

کار ساز ما بفکرِ کار ما فِکر ما درکار ما آزار ما

(حیات قدسی حصہ اول صفحہ 41 تا 43)

آسمانی کھانا

روایت حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ایک دفعہ فرمایا:

'' حافظ روشن علی نے میری تقریر ہوتے ہوئے آسمانی کھانا کھا لیا تھا۔ بیداری میں کباب اور پراٹھے کھاتا رہا'' (کلام امیر صفحہ 49 بدر 31/اکتوبر 1912ء)

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ ارشاد سن کر حافظ روشن علی صاحبؓ سے مفصل حال پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا:۔

''ایک دفعہ میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ سبق کی انتظار میں بیٹھے بیٹھے کھانے کا وقت گزر گیا حتّٰی کہ ہمارا حدیث کا سبق شروع ہو گیا۔ میں اپنی بھوک کی پرواہ نہ کر کے سبق میں مصروف ہو گیا۔ درانحالیکہ میں بخوبی سبق پڑھنے والے طالب علم کی آواز سن رہا تھا اور سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ یکا یک سبق کا آواز مدھم ہوتا گیا اور میرے کان اور آنکھیں باوجود بیداری کے سننے اور دیکھنے سے رہ گئے۔ اس حالت میں میرے سامنے کسی نے تازہ بتازہ تیار کیا ہوا کھانا لا رکھا۔ گھی میں تلے ہوئے پراٹھے اور بھنا ہوا گوشت تھا۔ میں خوب مزے لے لے کر کھانے لگ گیا۔ جب میں سیر ہو گیا تو میری یہ حالت منتقل ہو گئی۔ اور پھر مجھے سبق کی آواز سنائی دینے لگ گئی۔ اور میرے پیٹ میں سیری کی طرح ثقل محسوس ہوتا تھا اور سچ مچ

جس طرح کھانا کھانے سے تازگی ہو جاتی ہے وہی تازگی اور سیری مجھے میسر تھی۔ حالانکہ نہ میں کہیں گیا اور نہ کسی اور نے مجھے کھانا کھاتے دیکھا۔''

(کلام امیر صفحہ 50 بدر 31/اکتوبر 1912ء)

محترم ڈاکٹر میجر شاہنواز صاحب بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے بیان کیا۔

''ایک دفعہ سفر میں مجھ کو بہت تھکان ہو گئی اور فکر ہوا کہ آج تہجد کے لئے کیسے اٹھوں گا۔ اسی فکر میں سو گیا۔ آدھی رات کے بعد میرے منہ پر ایک خالی گلاس جو اوپر طاق میں پڑا تھا، زور سے گرا جس نے مجھ کو بیدار کر دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے عین دو بجے زور سے ہوا چلا کر گلاس کو گرا دیا تا اس کا بندہ نماز تہجد ادا کرے۔'' (الفضل 4/اکتوبر 1929ء صفحہ 7)

ضرورت پوری ہونے کا غیبی انتظام

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سے روایت ہے کہ:

''جب میں ہندوستان سے انگلینڈ کے لئے روانہ ہوا تو پاسپورٹ کی رو سے راستہ میں فرانس نہیں اتر سکتا تھا لیکن میرا بڑا دل چاہتا تھا کہ فرانس میں اُتروں۔ اس کا ذکر میں نے افسر جہاز سے کیا۔ اس نے کہا کہ تم فرانس میں صرف اس صورت میں اتر سکتے ہو جب تمہارے پاس اتنا خرچ ہو۔ جب میں نے اپنے سرمایہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جس قدر کپتان کہتا ہے کہ خرچ ہوگا میرے پاس اس سے دو پونڈ کم تھے۔ میں نے سوچا کسی سے یہ رقم قرض لے لوں۔ مگر جہاز میں میرا کوئی بھی شناسا نہ تھا۔ کس سے لیتا۔ آخر جب بالکل مایوس ہو گیا تو میں نے دعا کی کہ اے زمین اور آسمان کے مالک! اے خشکی اور تری کے خالق! تو ہر چیز پر قادر ہے اور تجھے ہر قسم کی قدرت اور طاقت حاصل ہے تو جانتا ہے کہ مجھے اس وقت دو پونڈ کی ضرورت ہے پس تو مجھے یہ دو پونڈ دیدے۔ خواہ آسمان سے گرا یا سمندر سے نکال مگر دے ضرور۔ میں نے بہت ہی الحاح اور زاری کے ساتھ خدا سے دعا مانگی۔ اور دعا مانگنے کے بعد مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ مجھے دو پونڈ ضرور مل جائیں گے۔ مگر میری یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بالکل اجنبی جگہ اور بالکل اجنبی آدمیوں میں یہ دو پونڈ کس طرح ملیں گے؟

یہ جنگ یورپ کا زمانہ تھا۔ جہاز چلتے چلتے یکدم ایک ایسی جگہ ٹھہر گیا۔ جہاں پہلے کبھی نہیں ٹھہرا تھا۔ میں نے اس خیال سے کہ جنگ کا زمانہ ہے ممکن ہے اس جگہ ہمارے کچھ احمدی دوست ہوں کپتان جہاز سے کہا کہ مجھے خشکی پر جانے کی اجازت دیں۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا آپ یہاں ہرگز نہیں اتر سکتے۔ ہم تو ویسے ہی یہاں محض سمندر کی حالت معلوم کرنے کے لئے اتفاقاً کھڑے ہو گئے ہیں ورنہ اس سے پہلے یہاں آج تک کبھی کھڑے نہیں ہوئے۔

تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ایک کشتی جہاز کی طرف آ رہی ہے میں نے کپتان سے کہا کہ یہ کشتی کیوں آ رہی ہے جب یہاں اترنے کی اجازت ہی نہیں؟ کپتان نے کہا مجھے پتہ نہیں کہ کیوں آ رہی ہے۔ پاس آئے تو حالات کا علم ہو۔

جب کشتی جہاز کے قریب آئی تو میں نے پہچانا کہ اس میں ہمارے بھائی حاجی عبدالکریم صاحب تھے۔ انہوں نے کسی طرح سن لیا تھا کہ میں فلاں جہاز سے انگلستان جا رہا ہوں اور فلاں وقت جہاز یہاں سے گذرے گا۔ ان کو معلوم تھا کہ جہاز یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ پھر بھی وہ ساحل پر آ گئے تھے۔ لیکن جب جہاز جزیرہ کے سامنے آ کر اچانک ٹھہر گیا تو وہ فوراً کشتی لیکر جہاز کے پاس آ گئے۔ کپتان نے ان کو دریافت حال کے لئے اوپر آنے کی اجازت دی خیر وہ مجھ سے ملے اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو یہ کہہ کر دو پونڈ میری جیب میں ڈال دیئے کہ ”مجھے کچھ مٹھائی آپ کے ساتھ کے لئے لانی چاہیئے تھی مگر مجھے تو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ جہاز ٹھہر جائے گا اور میں آپ سے مل سکوں گا اس لئے یہ دو پونڈ مٹھائی کے ہیں رکھ لیں۔“ (لطائف صادق صفحہ 65-66)

اس واقعہ میں سوال دو پاؤنڈ کا نہیں۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی جو ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح معجزانہ رنگ میں پوری کی اور غیب سے اس کے سامان مہیا فرما دیئے۔

خواب کے ذریعہ تائیدِ الٰہی

روایت حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر رضی اللہ عنہ

تبلیغی میدان میں اللہ تعالیٰ کی تائیدات اور نصرت کے بے شمار نظارے ملتے ہیں۔جن میں سے ایک رؤیا اور خواب کے ذریعہ نصرت کرنا ہے۔صرف ایک واقعہ پیش ہے۔

''مغربی افریقہ کے سب سے پہلے مبلغ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر رضی اللہ عنہ ایک روز نائیجیریا کے دارالحکومت لیگوس میں غیر احمدیوں کی مرکزی مسجد میں تشریف لے گئے۔یہ 1921ء کی بات ہے۔حاضرین مجلس میں سے ایک نے کہا کہ مسجد کے ایک سابق امام ''الفا ایانمو'' نے اپنی وفات سے قبل اپنا یہ خواب ہمیں سنایا تھا کہ انہوں نے ایک بار خواب میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی زیارت کی اور انہوں نے اسے بتایا کہ وہ خود تو اس ملک میں نہ آسکیں گے مگر ان کا ایک مرید یہاں پہنچ کر مسلمانوں کی ہدایت کا موجب بنے گا۔مسجد میں موجود سب حاضرین نے یک زبان ہو کر اس کی تصدیق کی۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر رضی اللہ عنہ جنہیں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے صحابہ میں شمولیت کا شرف حاصل ہے، فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کر اور اپنی خوش بختی کا تصور کر کے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس واقعہ سے اگلے روز مسجد کے دو نمائندے آپ کے پاس آئے اور یہ پیغام لائے کہ ان کی ساری جماعت احمدیت میں داخل ہونا چاہتی ہے۔آپ نے اس فرقہ کے چیف امام اور چالیس نمائندگان کو بلوا بھیجا کہ وہ سب کی طرف سے بطور نمائندہ بیعت کریں۔چنانچہ اس طرح اس فرقہ کے سارے افراد نے جن کی تعداد دس ہزار تھی بیک وقت بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔

(تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 9-10)

قبولیت دعا کا نشان

روایت حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال رضی اللہ عنہ

واقفین زندگی کی کامیابیوں کا انحصار ان کی دعاؤں پر ہوتا ہے۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایک دلچسپ رؤیا بیان فرماتے ہیں کہ:

''میں نے دیکھا ہے کہ میں ایک کمرہ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہوں اور مشکلات میں گھرا ہوا ہوں جو میرے اردگرد بتوں کی صورت میں ہیں۔ جو ایک قسم کے مصنوعی پتھروں کے بنائے ہوئے ہیں اور اس کثرت سے ہیں کہ میں دیکھ کر گھبرا گیا ہوں اور ب آواز بلند کہتا ہوں کہ ان مشکلات سے کس طرح نجات حاصل ہو اتنے میں میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی گود کے ان مشکلات سے اور کہیں پناہ نہیں۔

اسی رات صبح کے وقت میں نے شیطان کو ایک مضبوط عورت کی شکل میں دیکھا کہ ایک اونچی جگہ پر کھڑی ہے اور اس کے سامنے بہت سے کارندے اور گماشتے کھڑے ہیں اور وہ ان سے سخت خفا ہے اور زور زور سے کہہ رہی ہے کہ ''یہ میں کیا احمدیوں کا شور سنتی ہوں؟'' ہر طرف سے مجھے یہی آواز آ رہی ہے کہ احمدی لوگ ہمارے خلاف کامیاب ہو رہے ہیں۔ کیا تم لوگ ان کا کوئی انتظام نہیں کر سکتے؟'' اس پر شیاطین نے احمدیوں کے خلاف اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کیا کہ چونکہ احمدی لوگ ہر ایک کام دعا سے کرتے ہیں اس لئے ہم لوگ ان کی کوششوں میں خلل انداز نہیں ہو سکتے۔

(سیرت حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب صفحہ 240)

واقعہ قبولیت دعا

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ؓ کو 1947ء میں ایک جھوٹے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا آپ کے ساتھ قید کے ایام میں بٹالہ کے ایک دوست بھی جیل میں تھے انہوں نے چوہدری صاحب سے ایک مرتبہ پوچھا کہ آپ اس قدر مطمئن کس طرح ہیں آپ نے فرمایا:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنی بشارت دی ہے کہ ''بخیر و عافیت جیل سے رہا ہو جاؤ گے'' کہ اب مجھے یہ دعا کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ اب مزید میں اپنی رہائی کے لئے دعا کروں۔''

اس پر اس دوست نے کہا آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ایسا اطمینان بخش نظارہ دکھا دے تو میں بھی مطمئن ہو جاؤں اس پر آپ نے اس کے لئے دعا کرنے کا وعدہ کر لیا اور چند دن کے بعد ہی اس شخص نے ایک واضح رؤیا دیکھی جس میں اُس نے دیکھا کہ:

''ہم پاکستان چلے گئے ہیں اور جیل کے دروازے کھل گئے ہیں اور ہم سب کو اپنے اپنے رشتہ دار لینے آئے ہوئے ہیں اور مٹھائیاں تقسیم ہو رہی ہیں وغیرہ۔''

اس کے بعد وہ دوست بھی جماعت میں داخل ہو گئے۔

(سیرت حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب صفحہ 370)

قدرت الٰہی کا ایک عجیب نظارہ

روایات حضرت ماسٹر محمد شفیع اسلم

تحریک شدھی کے مجاہدوں میں حضرت ماسٹر محمد شفیع صاحب ؓ بھی تھے آپ ذکر فرماتے ہیں:

''گنگا پار ایک گاؤں نگریا جواہر تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ شدھ کی طرف مائل ہیں۔ چنانچہ میں نے اس گاؤں میں ایک جلسہ کرنے کا پروگرام بنایا مولوی جلال الدین صاحب شمس اس علاقے میں مناظر مقرر تھے۔ جہاں کہیں آریوں میں مناظرہ ہونا ہوتا مولوی صاحب کو آگرہ سے بلا لیا جاتا اس لئے میں نے احتیاطاً مولوی صاحب کو بھی بلا لیا۔ میں، مولوی صاحب، محمد یامین کتب فروش اور دیگر ایک دو احباب ہم شام کو نگریا جواہر پہنچ گئے۔ رات کو جلسہ ہوا میں نے اور مولوی صاحب نے تقریریں کیں۔ ایک غیر احمدی مولوی بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی کچھ بولے۔ جلسہ ختم ہونے پر ملکانوں نے کہا۔ یہاں کے ہندو بہت شریر قسم کے ہیں۔ ان کی نیت فساد کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ رات کو کچھ گڑ بڑ کریں۔ ہم کمزور ہیں آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ بہتر ہے ابھی آپ یہاں سے چلے جائیں۔ ویسے

حضرت صاحب کا حکم بھی تھا کہ خطرے والے مقام پر رات کو نہ ٹھہرا جائے۔

چنانچہ ہم پانچ چھ آدمی جلسہ ختم ہونے پر قریباً 12 بجے رات کو وہاں سے فرخ آباد کی طرف چل پڑے۔ فرخ آباد یہاں سے آٹھ دس میل پر تھا۔ جب ہم تین چار میل پر پہنچے تو راستہ بھول گئے۔ دو بجے رات کا وقت ہوگا کہ ہم راہ سے بھٹک کر کبھی نصف میل ادھر کبھی نصف ادھر گھومنے لگے اور راستہ پر نہ پڑ سکے اب ہم میں سے ہر ایک خدائے تعالیٰ کے حضور دعا میں مصروف ہوگیا۔ رات کا وقت اور اندھیرا گھپ، راستے میں نہ کوئی آدم نہ آدم کی زاد۔ ایسے وقت میں مسافر کی پریشانی بڑی قابل رحم ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو وہی سمجھ سکتا ہے جو کبھی اس حالت سے دوچار ہوا ہو۔ خدا تعالیٰ کی ذرہ نوازی تھی کہ اس نے ہم بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھانے کے لئے ایک عجیب نشان ظاہر فرمایا۔ دعائیں جاری تھیں کہ ہمارے دائیں ہاتھ ذرا فاصلے پر ایسا معلوم ہوا کہ گندم کے گٹھوں کو آگ لگ گئی ہے حالانکہ گندم کا موسم نہ تھا۔ یہ آگ وسیع رقبہ پر پھیل گئی اور بلند ہوتی گئی۔ اتنی بلند اور وسیع روشنی کہ ہم نہایت آسانی سے ٹھیک راستے پر جا پہنچے۔ زمین پر چاروں طرف وسیع روشنی پھیل گئی اور راستہ صاف صاف نظر آنے لگا۔ غیر احمدی مولوی صاحب تو بہت ڈرے کہ یہ شاید جن ہیں۔ اور ہمارے بیچوں بیچ چلنے لگے۔ لیکن ہم بہت خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عین وقت پر رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ گنگا کا پل یہاں سے دو اڑھائی میل پر تھا جب تک ہم لوگ پل پر نہ پہنچے۔ یہ روشنی بدستور رہی اور جونہی ہم پل پر پہنچے روشنی ختم ہوگئی۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کس طرح حفاظت کرتا ہے۔ کس طرح ان کی مدد کرتا ہے اور کس طرح سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ پل پر ہمیں دن چڑھ گیا اور ہم صبح کی نماز پڑھ کر ٹھنڈے ٹھنڈے فرخ آباد جا پہنچے۔ الحمد للہ علی ذالک۔

میں اور برادرم محمد یامین صاحب کتب فروش اور مہاشہ محمد عمر صاحب اس واقعہ کے عینی گواہ ہیں اور حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ یہ واقعہ اسی طرح ظاہر ہوا جیسا کہ یہاں کہا گیا ہے۔'' (میری کہانی، خودنوشت سوانح حضرت ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم صفحہ 70-71)

بندوق کی گولی نہ چل سکی

روایت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری

میں ایک بار ایک احمدی دوست کے ساتھ ایک تبلیغی پروگرام سے رات کے وقت واپس کبابیر آ رہا تھا کہ جنگل میں سے گزرتے ہوئے یہ محسوس ہوا کہ جیسے جھاڑیوں میں کچھ حرکت ہے لیکن یہ سمجھ کر کہ شاید کوئی جانور ہو، زیادہ توجہ نہ دی۔ آگے گزر گئے تو تھوڑی دیر بعد دو دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں لیکن اسے بھی اتفاقی واقعہ سمجھ کر کچھ توجہ نہ دی گئی۔ بظاہر بہت معمولی سا واقعہ تھا جو یاد بھی نہ رہا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ گویا یہ تو موت کا سفر تھا جو اللہ تعالیٰ کی تائید کے سایہ میں حفاظت سے طے ہو گیا۔

کافی عرصہ بعد اس واقعہ کی اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ کچھ معاندین احمدیت عرصہ سے مجھے قتل کرنے کی کوشش میں تھے۔ اس رات ان میں سے دو نوجوان بندوقوں سے مسلح ہو کر اور پوری تیاری کے ساتھ میری تاک میں جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اور میرا ساتھی باتیں کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے تو ان میں سے ایک نے مجھ پر بندوق چلائی لیکن نہیں چلی۔ پھر دوسرے نوجوان نے بندوق چلانے کی کوشش کی لیکن اس کی بندوق بھی نہ چل سکی۔ ہم دونوں ان قاتلانہ کوششوں سے کلیتہً بے خبر، اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور حفاظت کے سایہ میں آگے بڑھ گئے۔ ہمارے گزر جانے کے بعد جب ان دونوں نوجوانوں نے اپنی بندوقوں کو چلایا تو انہوں نے بالکل ٹھیک کام کیا۔ ان میں قطعاً کوئی خرابی نہ تھی۔ صرف یہ بات تھی کہ جب ان کا رخ دو مجاہدین اسلام کی طرف تھا تو اللہ تعالیٰ کی غالب تقدیر نے انہیں چلنے سے روک دیا۔ (تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 43-44)

غیبی دلائل

دورانِ تبلیغ اکثر داعیان اور مبلغین کا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ بسا اوقات دورانِ تبلیغ اللہ تعالیٰ فوراً دل میں کوئی نقطے کی بات ڈال دیتا ہے۔ جو بسا اوقات بہت سادہ اور معمولی ہوتی ہیں لیکن بہت ہی کارگر اور مسکت ثابت ہوتی ہیں۔ خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب روایت کرتے ہیں کہ:

''فلسطین میں ایک موقعہ پر نابلس کے چند استاد تبلیغی گفتگو کے لئے آئے۔ احمدیہ دارالتبلیغ میں اس وقت آپ کے علاوہ چند احمدی بزرگ بھی موجود تھے۔ وفات مسیح کا ذکر ہو رہا تھا۔ غیر احمدی عالم نے کہا کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام واقعی فوت ہو چکے ہیں تو ان کی قبر کہاں ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ ان کی قبر سری نگر، کشمیر میں ہے۔ کشمیر کا نام سن کر بے اختیار ان میں سے ایک کی زبان سے نکلا کہ اتنی دور! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی میں نے انہیں کوئی جواب نہ دیا تھا کہ ہمارے مرحوم بھائی علی القزق جو معمولی تعلیم یافتہ تھے نے جھٹ فرمایا کہ کیا کشمیر آسمان سے بھی دور ہے؟ یہ برجستہ جواب سن کر وہ غیر احمدی عالم اور باقی سب اساتذہ لاجواب ہو گئے۔''

''وفات مسیح ہی کے ضمن میں ربوہ کا ایک واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ چند غیر احمدی علماء ربوہ میں آئے۔ احمدی علماء کرام سے وفات مسیح علیہ السلام کے موضوع پر بہت تفصیلی بات چیت ہوئی۔ متعدد قرآنی آیات سننے پر بھی ان کی تسلی نہ ہوئی۔ اور بار بار یہ مطالبہ کرتے رہے کہ وفات مسیح پر کوئی واضح آیت بیان کی جائے۔ بالآخران کے احمدی ساتھی ان کو محترم مولانا احمد خان صاحب نسیم کے پاس ملاقات کے لئے لائے۔ غیر احمدی عالم نے یہاں بھی وہی بات دہرائی کہ وفات مسیح کے بارہ میں کوئی آیت وغیرہ سنائیں۔ مولانا صاحب نے بڑا پر حکمت انداز اختیار کیا اور بجائے آیت پیش کرنے کے اس سے بڑا سادہ سا سوال کیا کہ کیا تم نے باقی سارے انبیاء کو آیت قرآنی کی وجہ سے فوت شدہ سمجھا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے خاص طور پر آیت کا مطالبہ کر رہے ہو؟ ۔ یہ جواب ایسا تسلی بخش ثابت ہوا کہ وہ غیر احمدی عالم کہنے لگا کہ بس بس اب مجھے کسی آیت کی ضرورت نہیں۔ یہ مسئلہ مجھ پر خوب کھل گیا ہے۔''

(تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 18-19)

جہاز واپس لوٹ آیا

روایت ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب

مکرم ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب مرحوم تبلیغ کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ دن رات تبلیغ کرتے اور اس دوران باقی ہر چیز کو کلیتہً بھول جاتے۔ اس محویت کے ضمن میں ان کا ایک ایمان افروز واقعہ بیان کرتا ہوں۔

''آپ نے فرمایا کہ میں حاجیوں کے ایک جہاز میں بطور ڈاکٹر ملازم تھا۔ واپسی کے سفر پر جب جہاز عدن پہنچا تو تبلیغ کے شوق میں ادھر ادھر نکل گیا اور تبلیغ میں ایسا محو ہو گیا کہ جہاز کی روانگی کے وقت کا خیال تک نہ رہا۔ تبلیغ سے فارغ ہو کر بندرگاہ پر آیا تو دیکھا کہ جہاز تو روانہ ہو چکا ہے۔ یہ دیکھ کر میں سخت گھبرا گیا۔ حالت یہ تھی ایک رنگ آتا تھا اور ایک رنگ جاتا تھا۔ دل میں سوچتا کہ جہاز والے کیا کہیں گے۔ اور اگر کوئی مسافر مر گیا تو مجھ پر قانونی گرفت بھی ہو سکتی ہے۔ اسی پریشانی میں ساری رات دعاؤں میں گزری کہ خدایا! میں تیرا کام کر رہا تھا۔ عربوں کو پیغام حق پہنچا رہا تھا۔ یہ میرا ذاتی کام نہ تھا۔ اب جہاز نکل گیا ہے۔ میرے مولیٰ! مجھے کچھ علم نہیں۔ اب تو مجھے میرا جہاز مجھے واپس لا کر دے۔ میں یہ دعا کرتے کرتے سو گیا۔ رات خواب میں دیکھا کہ جہاز واپس آ گیا ہے۔ میں جن لوگوں کو شام تک تبلیغ کرتا رہا تھا وہ مجھ پر پہلے ہی ہنس رہے تھے کہ اس کا جہاز نکل گیا اور مصیبت میں پڑ گیا ہے۔ صبح جب میں نے یہ اعلان کیا کہ میرے خدا نے مجھے بتایا ہے کہ میرا جہاز واپس آ گیا ہے اس پر وہ اور بھی ہنسے کہ یہ کیسا مجنوں آدمی ہے۔ کیا کبھی بحری جہاز بھی یوں واپس آیا ہے؟۔

خدا تعالیٰ کی قدرتوں کی کوئی حد بست نہیں اور اس کے کام نیارے ہوتے ہیں۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے ایک عجیب اور ناقابل یقین واقعہ دیکھا۔ ایک شخص بھاگا بھاگا آیا اور بتایا کہ واقعی جہاز بندرگاہ پر واپس آ گیا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جہاز پر واپس پہنچ گیا۔

جہاز کی واپسی کا اصل سبب تو اللہ تعالیٰ کا غیر معمولی تصرف تھا۔ ظاہری وجہ یہ بن گئی کہ جنگ کی وجہ سے آبدوزوں کے حملہ کا خطرہ تھا اور اس جہاز پر امن کا جھنڈا موجود نہیں تھا۔ یہ جھنڈا لینے کے لئے جہاز واپس پورٹ پر آن لگا تھا۔ عام مشاہدہ تو یہ ہے کہ سفر میں گاڑی یا

بس چھوٹ جائے تو کبھی واپس نہیں آتی اور یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا کہ ایک پر جوش داعی الی اللہ کی خاطر عظیم سمندری جہاز واپس آ گیا!''

(تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات)

قرآنی نقطہ

روایت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ

خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ 1926ء میں دمشق میں ان کی ایک انگریز پادری کے شامی وکیل سے لمبی مذہبی گفتگو ہوئی۔ اس نے بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن مجید کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے افضل ثابت ہوتے ہیں۔ جب دلیل کا مطالبہ کیا تو کہنے لگا کہ قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں آیا ہے غُلٰماً زَکِیًّا (مریم:20)۔ لفظ زَکِیًّا کسی اور نبی کے حق میں استعمال نہیں ہوا جو اس امر کی دلیل ہے کہ کوئی اور نبی اس صفت میں ان کا شریک نہ تھا لہٰذا وہ سب نبیوں سے بشمول آنحضرت ﷺ افضل قرار پائے۔

''حضرت مولانا کو خدا تعالیٰ نے خوب جواب سمجھایا۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق زَکِیًّا تو قرآن میں نہیں لیکن یُزَکِّی کا لفظ متعدد بار آیا ہے (البقرہ:152، آل عمران:165، الجمعہ 3) جو نہ صرف آپؐ کی پاکیزگی کی دلیل ہے اور زکی کے مفہوم پر خوب حاوی ہے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر آپ کا یہ مقام بتاتا ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بھی پاکیزگی عطا فرمانے والے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت مسیح علیہ السلام ایک شاگرد ثابت ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ ان کے استاد ہیں۔ شامی وکیل یہ جواب سن کر دم بخود رہ گیا!''

(تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 20)

مخالف کی چالاکی اس پر الٹ گئی

روایت ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم

محترم ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم مرحوم بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار ان کا ایک پنڈت جی سے مناظرہ ہونے والا تھا۔ اس نے یہ چالاکی کی کہ انگریزی زبان میں ایک تحریر لکھ کر میری طرف بھیج دی کہ پہلے اس کا جواب دو۔ مقصد یہ تھا کہ یہ مولوی انگریزی نہیں پڑھ سکے گا اور شرمندہ ہوگا اور میں لوگوں سے کہہ سکوں گا کہ دیکھو تمہارا مولوی تو میرا لکھا ہوا پڑھ بھی نہیں سکتا۔ یہ مجھ سے بات کیا کرے گا۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص تصرف سے مجھے اس کا توڑ سمجھا دیا۔ میں نے ایک کاغذ لیا اور اس پر عربی زبان میں دو سطریں لکھ کر پنڈت جی کو بھجوا دیں کہ لیجئے یہ آپ کے رقعہ کا جواب ہے۔ پنڈت جی چونکہ عربی نہیں جانتے تھے دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور بولے کہ یہ کیا لکھا ہے؟ میں نے فوراً لوگوں سے کہا'' بھائیو! یہ تو میرا لکھا ہوا پڑھ بھی نہیں سکتا۔ یہ بات کیا کرے گا؟'' پنڈت جی کی چال اللہ تعالیٰ کی تائید سے اسی پر الٹا دی گئی۔''

(تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات)

مخالف کی دلیل اس پر الٹا دی

روایت حضرت قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری

حضرت قاضی محمد نذیر صاحب فاضل مرحوم ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ''ایک دفعہ ضلع سیالکوٹ میں ان کا پیر نادر شاہ صاحب سے ایک مناظرہ ختم نبوت کے موضوع پر ہو رہا تھا۔ پیر صاحب جب بحث میں عاجز آ گئے تو انہوں نے ایک مولوی کو کھڑا کر دیا اور اسے کہا کہ تم اعلان کر دو کہ میں اسی طرح خدا کا نبی ہوں جس طرح مرزا صاحب نبی ہیں۔ اور پیر صاحب حضرت قاضی صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اب اسے جھوٹا ثابت کرو۔

اس پر قاضی صاحب اٹھے اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا کہ دوستو! خدا کا شکر ہے کہ جو مسئلہ ان کے اور پیر صاحب کے درمیان زیر بحث تھا وہ حل ہو گیا ہے۔ بحث یہ تھی کہ رسول کریم ﷺ کے بعد آپ کی امت میں نبی آ سکتا ہے یا نہیں۔ پیر صاحب نے عملاً ثابت کر دیا ہے کہ آ سکتا ہے۔ یہ دیکھئے پیر صاحب کا نبی آپ کے سامنے کھڑا ہے! اب وہ چاہتے ہیں کہ میں اسے جھوٹا ثابت کروں تو مجھے اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اسے خدا تعالیٰ نے نہیں بھیجا بلکہ ابھی ابھی پیر صاحب نے آپ کے سامنے اس سے نبوت کا دعویٰ کروایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو جھوٹا ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ جواب سن کر پیر صاحب مبہوت رہ گئے اور جس غیر از جماعت دوست کو انہوں نے اپنی طرف سے مناظرہ میں ثالث بنایا ہوا تھا اس نے اسی وقت اپنے احمدی ہونے کا اعلان کر دیا!''

(تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 21-22)

قہری تجلّی

روایات حضرت مولوی محمد الیاس صاحب

حضرت مولوی محمد الیاس صاحب مرحوم نے بیان فرمایا کہ چارسدہ میں تین اشخاص نے احمدیت کی وجہ سے شدید مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان کہ یہ تینوں خدا تعالیٰ کے قہر کے نیچے آ کر رسوا ہوئے۔ ان واقعات کی تفصیل بہت دردناک مگر ایک پہلو سے بہت ایمان افروز ہے۔ آپ کا دشمن مُلّا محمود تھا جو اپنے تعویذوں کے ذریعہ یہ کوشش کیا کرتا تھا کہ آپ کی بیوی آپ سے متنفر ہو جائے اور چھوڑ کر چلی جائے۔ اس کا اپنا انجام یہ ہوا کہ وہ اپنی ایک رشتہ دار عورت کے ساتھ بدنام ہوا اور گھر سے ایسا بھاگا کہ پھر کبھی اپنے گھر کا رخ نہ کیا۔ دوسرا دشمن اکبر شاہ تھا جو زبردست تیراک تھا اور کہا کرتا تھا کہ محمد الیاس جب دریا پر نہانے آئے گا تو میں اسے دریا میں غرق کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ وہ خود دریا میں نہاتے ہوئے ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ تیسرے معاند کی داستان عبرت اس طرح ہے کہ مکرم خان چارسدہ کا ایک بااثر

زمیندار اور نمبر دار تھا اس نے سوشل بائیکاٹ کے ذریعہ ظلم کی انتہا کر دی۔ اس پر خدا تعالیٰ کی گرفت اس رنگ میں آئی کہ پہلے اس کی بیوی تپ دق سے فوت ہوئی، پھر تین بیٹے یکے بعد دیگرے اسی بیماری سے اس کی نظروں کے سامنے رخصت ہوئے۔ جائیداد جوئے میں لُٹ گئی۔ نمبر داری بھی جاتی رہی اور اتنا تنگ دست ہوا کہ بالآخر تانگہ چلا کر گزر اوقات کرنے لگا۔ ایک روز عجیب واقعہ ہوا کہ حضرت مولوی صاحب ایک تانگے میں سوار ہوئے اور تانگے والے سے چارسدہ کے لوگوں کا حال ایک ایک کر کے پوچھنے لگے۔ مکرم خان کا حال دریافت کیا تو تانگے والے نے جو نیچے پائیدان پر بیٹھا ہوا تھا نظر اٹھا کر اوپر دیکھا اور ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ کہنے لگا کہ میں ہی وہ بدبخت ہوں جس نے حق کی مخالفت کر کے دین و دنیا دونوں کو اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا۔

اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کی قہری تجلی کا یہ سلوک انہی لوگوں سے ہوتا ہے جو اپنی بداعمالیوں کے سبب اپنے آپ کو اس کا مستحق بنا لیتے ہیں۔ خاص طور پر وہ لوگ جو اپنی بدبختی میں اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ حق کے مقابل پر تکبّر اور خدا کے پیاروں کی اہانت کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسے بدنصیبوں پر خدائی پکڑ بڑی شدت اور سرعت سے نازل ہوتی ہے اور ان کا وجود دوسروں کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا جاتا ہے۔

(حیات الیاس صفحہ 34 تا 36)

روایات حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علیؒ

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علی مرحوم و مغفور نے مغربی افریقہ میں اسلام اور احمدیت کی جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں وہ تاریخ احمدیت کا ایک زرّیں باب ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ 1938ء میں سیرالیون مسلم کانگرس نے ایک جلسہ عام میں ان کا خطاب کروایا جس کی صدارت ملک کی ایک معروف شخصیت شیخ حیدر الدین نے کی۔ انہیں جے۔ پی اور ایم۔ بی۔ ای، کے اعزازات مل چکے تھے اور ملک کا ہر طبقہ ان کا لوہا مانتا تھا۔ مولانا موصوف کے نہایت مؤثر خطاب کے بعد شیخ حیدر الدین نے اپنے صدارتی ریمارکس میں بڑے تکبّر سے کہا:

''سامعین! میں آپ سب سے زیادہ عالم ہوں اور دینی علوم میں یدطولیٰ رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک اس انڈین حاجی کی باتیں اور دلائل محض ملمع سازی اور جھوٹ کا پلندہ ہیں۔''

تکبّر کی انتہا کرتے ہوئے اس شخص نے اس حد تک کہہ دیا:

''میں تو اس کے جھوٹے مسیح کو ماننے کی نسبت یہ پسند کروں گا کہ میرا دماغ کام کرنا چھوڑ دے تا کہ اس انڈین مشنری کی باتوں پر غور ہی نہ کرسکوں اور اس فتنہ سے بچا رہوں۔''

خدا تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ اس کے جلال اور جبروت کے آگے بڑے سے بڑے انسان کا تکبّر اور غرور پاش پاش ہوجاتا ہے۔ یہی انجام اس متکبّر مخالف حق کا ہوا۔ جس انجام کی اس نے تمنا کی تھی بالکل وہی اس کا نصیب بن گیا۔ چند مہینوں کے اندر اندر اس شخص نے منہ مانگی سزا پائی۔ اس کا دماغی توازن بگڑ گیا اور اس کی حالت اتنی غیر ہوئی کہ دیکھی نہ جاتی تھی۔ قریباً اڑھائی سال تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد انتہائی عبرتناک حالت میں اس جہان سے چل بسا۔

اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور اس کی قہری تجلی کا اس سے بھی زیادہ دلدوز واقعہ سنگاپور میں ہوا۔ وہاں کے ایک مخلص احمدی مکرم محمد علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز مرحوم ضلع ہزارہ کے ایک پٹھان دوست کے چھوٹے سے ہوٹل پر کھانا کھایا کرتے تھے۔ ایک روز جب اسے ہمارے احمدی ہونے کا پتہ لگا تو یہ شخص آپے سے باہر ہوگیا اور سخت بدزبانی کرتے ہوئے ہمیں اپنی دوکان سے نکال دیا۔ اس پر بھی اس کا غصّہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اس نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف نہایت گھٹیا زبان استعمال کی، کاذب ودجال کہا اور کہا کہ ان کی وفات نعوذ باللہ بیت الخلاء میں ہوئی تھی۔

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ **''انی مھین من اراد اھانتک''**

یعنی جو بھی تیری بے عزتی کے درپے ہوگا وہ خود ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔ اس بدزبان شخص کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو کیسے پورا کیا؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ چند سال کے اندر اندر یہ شخص اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت میں آ گیا۔ اور جس قسم کی گندی موت وہ نعوذ باللہ حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کیا کرتا تھا بالآخر ایک دن خود اسی گندی موت کا شکار ہوگیا۔

ہوا یوں کہ پہلے اسے شوگر کی معمولی بیماری ہوئی جو بڑھتے بڑھتے اس حد تک جا پہنچی کہ اس کی ایک ٹانگ پر پھوڑا نکل آیا جس کی وجہ سے وہ ٹانگ کاٹ دی گئی۔ پھر دوسری ٹانگ پر پھوڑا نکل آیا اور وہ بھی کاٹنی پڑی۔ اس پر وہ اتنا محتاج ہو گیا کہ اس کے لواحقین اسے ہاتھوں پر اٹھا کر بول و براز کراتے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ اس کے اپنے لڑکوں نے اس کی بیماری سے تنگ آ کر اپنی دوکان کے پیچھے ایک کونے میں اسے ڈال دیا جہاں وہ دو چار فٹ رینگ کر اپنے قریب ہی بول و براز سے فارغ ہو لیتا۔ آخر کار جب وہ از خود چلنے کے بھی قابل نہ رہا تو ایک روز اپنے ہی کئے ہوئے گند کے اوپر مرا ہوا پایا گیا۔

یہ ایسا دلدوز واقعہ ہے کہ اسے بیان کرتے ہوئے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی غالب تقدیر کے تصور سے دلوں پر ہیبت چھا جاتی ہے۔ کیا کوئی ہے جو ان واقعات سے نصیحت حاصل کرے؟۔

(تبلیغی میدان میں تائیدالٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 29 تا 31)

اچانک موسلا دھار بارش ہونے اور تھم جانے کے دونشانات

روایات حضرت مولانا رحمت علی صاحب مرحوم

آپ پاڈانگ شہر کے محلہ یاسر مسکین میں رہتے تھے۔ علاقہ کے اکثر مکانات لکڑی کے اور بالکل ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً اس محلہ میں آگ لگ گئی جو اردگرد کے مکانات کو راکھ بناتی ہوئی آپ کی رہائش گاہ کے قریب پہنچ گئی حتیٰ کہ اس کے شعلے آپ کے مکان کے چھجّے کو چھونے لگے۔

یہ نازک صورت حال دیکھ کر احباب نے پرزور اصرار کیا کہ آپ مکان کو فوری طور پر خالی کر دیں۔ لیکن آپ نے پورے یقین اور وثوق سے فرمایا:

''یہ آگ انشاء اللہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ یہ مکان اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک غلام اور مجاہد فی سبیل اللہ کی رہائش گاہ ہے اور حضور سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے

کہ ’’آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔‘‘

راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولانا رحمت علی صاحب ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ اچانک بادل امڈ آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی جس نے آناً فاناً اس آگ کو بالکل ٹھنڈا کر کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت نے آگ کو واقعی مسیح محمدی کا غلام بنا دیا!

(تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 33 تا 34)

اے بارش تھم جا!

روایات حضرت مولانا رحمت علی صاحب مرحوم

خدا تعالیٰ کی قدرتوں کی کوئی انتہاء نہیں۔ ہر چیز اس کے اشارہ پر حرکت کرتی ہے۔ اس واقعہ میں موسلا دھار بارش نے اچانک برس کر تائید الٰہی کا نمونہ دکھایا۔ اب ایک اور واقعہ سنئے جس میں اس بارش کے برعکس ظہور میں آیا اور بہت ہی غیر معمولی حالات میں بارش اچانک رک کر میدان تبلیغ میں خدائی تائید و نصرت کا نشان بن گئی۔ حضرت مولانا رحمت علی صاحب مرحوم ایک بار اسی شہر پاڈانگ میں ہالینڈ کے ایک عیسائی پادری سے اسلام اور عیسائیت کے بارہ میں تبلیغی گفتگو کر رہے تھے جسے سننے کے لئے لوگ بکثرت وہاں جمع تھے۔ اسی اثناء میں اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ اس علاقہ میں یہ معمول ہے کہ بارش شروع ہو جائے تو کئی کئی گھنٹے مسلسل برستی رہتی ہے اور رکنے کا نام نہیں لیتی۔

تبلیغی گفتگو میں جب وہ پادری دلائل کے میدان میں عاجز آ گیا تو اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لئے اچانک یہ عجیب و غریب مطالبہ کر ڈالا کہ اگر واقعی عیسائیت کے مقابل پر تمہارا مذہب اسلام سچا ہے تو ذرا اپنے اسلام کے خدا سے کہیئے کہ وہ اپنی قدرت کا کرشمہ دکھائے اور اس موسلا دھار بارش کو اسی وقت بند کر دے۔ بظاہر اس پادری نے اپنے زعم میں ایک ناممکن بات کا مطالبہ کیا اور بارش کے معمول پر قیاس کرتے ہوئے اسے کامل یقین ہوگا کہ ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا۔ لیکن دنیا نے اس موقع پر خدائی غیرت اور تبلیغی میدان میں

تائیدونصرت کا ایک حسین کرشمہ دیکھا۔ پادری کے مطالبہ کرتے ہی حضرت مولانا موصوف نے اپنے زندہ خدا پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے بڑی پر اعتماد اور جلالی آواز میں بارش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

''اے بارش! تو اس وقت خدا کے حکم سے تھم جا اور اسلام کے زندہ اور سچے خدا کا ثبوت دے!''

اسلام کے قادر وتوانا اور زندہ خدا پر قربان جایئے کہ ابھی چند منٹ بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ موسلا دھار بارش خلاف معمول تھم گئی اور وہ پادری اور سب حاضرین اللہ تعالیٰ کے اس عظیم نشان پر انگشت بدنداں رہ گئے!

(تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 33 تا35)

موت کے منہ سے بچالیا

روایات حضرت مولانا محمد صادق صاحب سماٹری

حضرت مولانا محمد صادق صاحب سماٹری مرحوم اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائیدونصرت اور معجزانہ حفاظت کا ایک ایمان افروز واقعہ بیان کرتے ہیں۔ یہ بھی اسی زمانہ کی بات ہے جب جنگ عظیم ثانی کے دوران جاپان نے اپنا تسلط انڈونیشیا تک وسیع کرلیا تھا۔ ان کے کامل اقتدار کا یہ عالم تھا کہ اپنی من مانی کارروائیاں کرتے۔ کسی کے متعلق ذرا سی بھی شکایت پہنچتی تو فوراً اس کی موت کا بہانہ بن جاتا۔ نہ کوئی تحقیق ہوتی نہ کوئی تفتیش۔ بس فیصلہ سنا دیا جاتا بلکہ عموماً فیصلہ سنانا بھی ضروری نہ سمجھا جاتا۔ فوراً ہی سزائے موت نافذ کردی جاتی۔ آپ بیان فرماتے ہیں۔ کہ دو شکایات کی بناء پر میرے متعلق جاپانی حکومت نے قتل کا فیصلہ کیا۔ اور مذکورہ بالا پس منظر میں نہ اپیل کی گنجائش تھی اور نہ بچنے کی کوئی امید۔ ایک مومن اور مجاہد کا واحد سہارا اس کا خدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی تو اس نے بذریعہ خواب یہ اطلاع دی کہ جاپانی حکومت اپنے برے انجام کو پہنچنے والی ہے۔ یہ خواب اپریل 1945ء کی

ہے۔ چند ماہ کے اندر اندر 14 اگست کو جاپانی حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس فیصلہ کا اعلان انڈونیشیا میں 22 اگست کو ہوا۔

جاپانی حکومت کی شکست کے بعد حکومت جاپان کے کاغذات سے معلوم ہوا کہ 23 اور 24 اگست کی درمیانی رات 65 آدمیوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور ان میں مولانا محمد صادق صاحب سماٹری کا نام سرفہرست تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا کرشمہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکومت کو اپنا فیصلہ نافذ کرنے کی مہلت تک نہ دی اور اللہ تعالیٰ کے طاقتور دستِ قدرت نے ایک مجاہد فی سبیل اللہ کو کس طرح موت کے منہ سے بچالیا جب کہ موت کے سائے اس کے سر پر منڈلا رہے تھے اور فیصلہ کے نفاذ میں صرف چند گھنٹے باقی تھے!

(تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 43،42)

خونی دشمن کے دل موم ہو گئے

روایت مولانا عبدالمالک خان صاحب

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب مرحوم کو پاک وہند کے علاوہ غانا میں بھی خدمت اسلام کی توفیق ملی۔ غانا میں ایک بار آپ ایک تبلیغی سفر کے بعد کماسی واپس آرہے تھے کہ کار کا ٹائر پھٹ گیا۔ ٹائر بدل کر دوبارہ سفر پر روانہ ہوئے۔ بیس پچیس میل چلے ہوں گے کہ دوسرا ٹائر بھی پھٹ گیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب آگے جانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ ''اچانک جنگل میں سے دو آدمی نکل کر ہماری طرف بڑھنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں خنجر تھے اور ان کا تعلق خونخوار قبائل سے معلوم ہوتا تھا۔ ان کے چہروں سے وحشت ٹپکتی تھی اور ان کے خنجر چاندنی رات میں خوب چمک رہے تھے۔ اس خوفناک حالت میں اللہ تعالیٰ نے ہوش وحواس قائم رکھنے کی توفیق دی۔ اپنے ساتھی عبدالواحد صاحب ریٹائرڈ پولیس آفیسر کے ذریعہ میں نے ان کو حالات بتا کر پوچھا کہ کیا آپ ہماری کچھ مدد کرسکتے ہیں؟

تبلیغی میدان میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا کرشمہ دیکھیئے کہ جو دشمن خنجر اٹھائے ہمارا خون بہانے اور ہمیں لوٹنے کے ارادہ سے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہی کے دلوں کو موم کر کے ،ان کے دلوں میں ہمارے لئے محبت اور ہمدردی پیدا کردی۔ وہ دونوں باپ بیٹا تھے۔ باپ نے ہماری بات سن کر اپنے بیٹے کو کہا کہ ابھی دونوں ٹائر کندھے پر اٹھاؤ اور قریبی گاؤں سے مرمت کروا کے لاؤ۔ اور جب تک بیٹا واپس نہیں آیا اس کا باپ جو ہمارے خون کا پیاسا بن کر آیا تھا اسی جنگل میں ہماری مہمان نوازی کرتا رہا۔ اس نے اپنی جھولی سے اناس نکالا اور اسی خنجر سے جس کے ساتھ ہمیں مارنے کی نیت رکھتا تھا اناس کاٹ کر خود بھی کھایا اور ہمیں بھی کھلایا۔ جس محبت سے اس نے مہمان نوازی کی وہ نا قابل فراموش ہے۔ آخر رات کے ساڑھے تین بجے اس کا بیٹا دونوں ٹائر مرمت کروا کر لایا اور ہم اپنی منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید ونصرت نے قتل کے ارادہ سے آنے والے کو ہمارا مہمان نواز اور خادم بنا دیا۔ (تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات صفحہ 40، 41)

معجزانہ طور پر جان بچائی گئی

روایت حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز

حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز مرحوم نے لمبا عرصہ سنگاپور میں تبلیغ اسلام کی سعادت پائی۔ جاپانیوں کے تسلط کے زمانہ میں کسی شخص کو زبان کھولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر آپ بے دھڑک ہر جگہ تبلیغی کاموں میں مصروف رہتے اور دنیا حیران ہوتی تھی کہ آپ ان جاپانیوں کے ہاتھ سے کس طرح بچ جاتے ہیں۔

درحقیقت یہ سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا کرشمہ تھا جو ایک داعی الی اللہ کو قدم قدم پر نصیب ہوتی ہے۔

’’ایک بار سنگاپور کی ایک مسجد میں تقریر کرتے ہوئے ایک غیر احمدی مولوی نے یہ الزام لگایا کہ احمدی لوگ جس قرآن پر یقین رکھتے ہیں وہ مسلمانوں کے قرآن سے مختلف ہے۔ آپ نے اسی وقت بڑی جرأت کے ساتھ مجمع میں کھڑے ہو کر اس الزام کی پرزور تردید کی۔ ملاؤں نے عوام الناس کو پہلے سے مشتعل کر دیا ہوا تھا۔ آپ کی بات سن کر بعض لوگوں نے

وہیں پر آپ کو مارنا شروع کر دیا۔ اور اَدھ موا کر کے گھسیٹتے ہوئے مسجد کی سیڑھیوں تک لے گئے اور وہاں سے نیچے دھکیل دیا۔ آپ سر کے بل نیچے گرے جس سے آپ کے سر اور کمر پر شدید چوٹیں آئیں اور نیچے گرتے ہی آپ بیہوش ہو گئے۔

آپ اسی طرح بیہوشی کے عالم میں سڑک کے کنارے پڑے رہے۔ نہ کسی نے پولیس کو اطلاع کی نہ خود اٹھا کر ہسپتال پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید ونصرت کا یہ کرشمہ دکھایا کہ حسن اتفاق سے ایک احمدی فوجی افسر کرنل تقی الدین احمد صاحب کا وہاں سے گزر ہوا۔ انسانی ہمدردی کے جذبہ سے سڑک کے کنارے ایک شخص کو مردے کی طرح پڑا دیکھ کر آپ نے اپنی جیپ روکی اور دیکھتے ہی پہچان لیا۔ فوری طور پر ہسپتال پہنچایا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر آپ کی جان بچائی ورنہ غیر احمدی دشمنوں نے تو اپنی طرف سے مار کر یہ یقین کر لیا تھا کہ ان کا کام تمام ہو چکا ہے۔ (تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات)

آزادی آخر کار

روایت حضرت مولانا ظہور حسین صاحب مجاہد اول روس و بخارا

حضرت مصلح موعودؓ کے عظیم دور کے عظیم سپوتوں میں حضرت مولانا ظہور حسین صاحب کا نام بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔ آپ حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک روس میں تبلیغ حق کے لئے چل پڑے۔ وہاں آپ کو پکڑ لیا گیا اور انگریز کے ایجنٹ ہونے کا الزام لگا کر دو سال قید خانے کی سخت اذیتوں اور تکلیفوں میں رکھا گیا۔ آپ نے اپنے حالات خود تحریر فرمائے۔

آپ کی آپ بیتی پڑھنے والے ہر قاری کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

> ''پیٹھ پر تیزابی مادے میں کئی گھنٹے تک بھیگے رہنے کی وجہ سے بڑے بڑے چٹاخ اور زخم بن چکے تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) نے بچپن اور آغاز جوانی میں کئی مرتبہ میری پیٹھ پر وہ زخم دیکھے تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھیں۔'' (مولوی ظہور حسین مجاہد اول روس و بخارا صفحہ 84)

بارہا ایسی گھڑیاں آئیں کہ آپ کی زندگی کی شمع گل ہوتی دکھائی دینے لگی۔مگر اس کے پیچھے خدا کے خلیفہ کی متضرعانہ دعائیں تھیں جنہوں نے ہر بار اس شمع کی لَو کو بجھنے سے بچایا۔بالآخر آپ معجزانہ طور پر رہا ہو گئے اور قادیان پہنچے۔آپ کے اپنے الفاظ میں رہائی کا واقعہ درج ذیل ہے:

(آپ بیتی مجاہد اول روس و بخارا صفحہ 84)

ہسپتال میں چند ماہ نہایت امیرانہ ٹھاٹھ کے ساتھ گذار کر جب واپس جیل خانہ میں آیا تو مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ میری رہائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔چنانچہ آخری بار جب میں بورڈ کے سامنے پیش ہوا تو اس میں تقریباً دو درجن روسی افسر کرسیوں پر بیٹھے تھے میں نے حاضری کے بعد سب حضرات کو السلام علیکم کہا اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ بھی روسی زبان میں کر دیا۔ایک افسر نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اس اثنا میں سب سے بڑا افسر جو درمیان میں بیٹھا تھا وہ میری طرف متوجہ ہوا اور مجھ سے پوچھا کیا تم خدا کی ہستی کے قائل ہو؟ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کسی قدر بلند اور جذباتی آواز میں کہا ''میں نہ صرف خدا کو مانتا ہوں بلکہ ذاتی طور پر اس کی قدرت اور طاقت سے واقف ہوں۔وہاں ہال میں لینن کی ایک بڑی تصویر لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے اس تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا۔جب اس نے خدا کی ہستی کا انکار کیا۔میرے یہ الفاظ سن کر تمام افسروں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے'' ان میں سے ایک نے پوچھا، ''کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں ذاتی طور پر لینن کو نہیں جانتا، لیکن میں نے بہت سی کتابوں میں اس کے بارے میں پڑھا ہے۔بے شک لینن دنیاوی لحاظ سے ایک بہت بڑا انسان تھا وہ نہ صرف روسی انقلاب کا باپ تھا بلکہ ایک ایسے نظریہ کا موجد بھی تھا جو اس کے خیال میں غریب اور امیر کے فرق کو مٹانے والا تھا۔اس کے خیالات آزادی اخوت اور مساوات کے بارے میں تو کسی حد تک سمجھے جا سکتے تھے لیکن اس نے دنیاوی برائیوں کا جو علاج تجویز کیا تھا وہ میرے خیال میں صحیح نہیں تھا۔نیز خدا تعالیٰ کی ہستی کے انکار سے دنیا میں نہ برائی پہلے کبھی مٹی اور نہ آئندہ کبھی مٹ سکے گی ہمارا خدا ازلی ابدی ہے۔وہ رحیم و کریم ہے انسان کے قصور معاف کرتا ہے وہ ہمارا آسمانی باپ ہے اور تمام مخلوق اس کی عیال کی طرح ہے۔اس کی نظر میں تمام انسان،

مرد عورت، بچے بوڑھے سب برابر ہیں۔ایک افسر نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے روسی زبان کہاں سے سیکھی؟ میں نے جواب دیا کہ جیل میں سیکھی جب میں اشک آباد اور تاشقند میں قید تھا تو وہاں یہ زبان سیکھنے کا موقع مل گیا۔ایک افسر بولا کہ اپنے متعلق کچھ بیان کرو! میں نے ان کو بتایا کہ میں احمدی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں اور احمدیہ مشنری ہوں۔ ہمارا کام یہی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں جانا اور لوگوں کو بتانا کہ ان کا ایک زندہ خدا ہے جواب بھی اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔ یہ انگریز کی جاسوسی کا معاملہ نہ صرف مضحکہ خیز ہے بلکہ حقیقت سے بھی کوسوں دور ہے۔ایک نوجوان لڑکا جو صرف عربی اور اردو جانتا ہے کسی یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ بھی نہیں ہے، وہ فارسی جانتا ہے نہ روسی زبان انگریز حکومت اتنی بے وقوف اور نااہل نہیں کہ اپنے جاسوسوں کو پاسپورٹ بھی مہیا نہ کر سکے کہ سرحد پار کرتے ہی پکڑے جائیں۔ میں نے روس میں دو سال گذارے ہیں میں تجربہ سے جانتا ہوں کہ روسی لوگ فطرۃً شریف آزاد خیال اور متصعب نہیں ہیں۔ان میں سے اکثر ایسے ہیں، جو عدل اور انصاف سے محبت رکھتے ہیں اور ظلم سے نفرت۔

میں جب تقریر ختم کر چکا تو تمام روسی افسران کھڑے ہو گئے اور اکثر نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ان میں ایک خاتون بھی تھی اس سے میں نے ہاتھ ملانے سے پرہیز کیا تو وہ ناراض ہوئی لیکن میرے وجہ بتانے پر خوش ہو گئی۔معلوم ہوتا ہے کہ افسروں پر میری تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا اور اکثر ان میں سے میری باتوں سے مطمئن نظر آتے تھے۔میں شاید پہلے بتانا بھول گیا کہ جب میں ہسپتال میں تھا تو ایک دن چھ سات نوجوان عورتیں میرے پاس آئیں پہلے تو الٹے سیدھے سوال کرتی رہیں لیکن آخر میں انہوں نے بتایا کہ تمہاری رہائی کا فیصلہ ہو گیا ہے اور عنقریب تم اپنے وطن واپس جاؤ گے۔

روسی سرد موسم ہر ایک شہری کے منہ میں ایک تلخ ذائقہ چھوڑ کر اب آہستہ آہستہ رخصت ہو رہا تھا۔سردی کا موسم روس میں ایک بڑا عذاب ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی ہیں کہ فلاں کام جلدی سے کر لو ورنہ جب برف پڑنی شروع ہو گئی تو گرم کپڑے نہیں ملیں گے۔سڑکوں پر اور بازاروں میں لوگ خال خال ہی نظر آتے ہیں، سینما اور تھیٹر بھی اپنی رونقیں کھو بیٹھتے ہیں

اور ایسا معلوم ہوتا کہ سارا ملک یکدم بوڑھا یا بیمار ہو گیا ہے۔لیکن جونہی فروری کے اواخر اور مارچ کی ابتدا میں درختوں پر چھوٹی چھوٹی پتیاں نمودار ہوتی ہیں لوگ گھروں سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں اور جب مئی کا مہینہ آتا ہے تو جیسے ہمارے ملک میں کہتے ہیں ؎

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ
لگا بہنے پسینہ ہی پسینہ

تو روس میں بھی مئی میں میلے کا سماں ہوتا ہے۔ بازار اور شہر کی گلیاں لوگوں سے بھر جاتی ہیں۔ اور زندگی دوبارہ لوٹ آتی ہے۔ آج کل میں بھی مزے میں تھا۔ پوچھ نہ کچھ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ جیل کا عملہ اب بالکل لاتعلق سا ہو گیا تھا۔ میری نگرانی میں جو سختی تھی اس کا اب نام ونشان بھی نہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ سب کچھ ایک آنے والی بہار کا پیش خیمہ ہے۔ میری جسمانی حالت کچھ ایسی اچھی نہیں تھی ہسپتال میں جو گلچھڑے اڑائے تھے وہ جیل میں آتے ہی ختم ہو گئے تھے۔ میں بالکل دبلا پتلا نظر آتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی لمبی بیماری سے شفایاب ہوا ہوں۔ میں اپنی رہائی کے لئے اب بھی راتوں کا اکثر حصہ دعاؤں میں گذارتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بار بار مجھے خبر دی کہ گھبراؤ نہیں تمہاری رہائی قریب ہے بلکہ دروازے پر ہے۔ پھر سب کچھ یکا یک آناً فاناً ہو گیا ایک دن صبح کے وقت جبکہ سورج ابھی نکلا ہی تھا کہ میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور وارڈن اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اس نے میرا نام پکارا اور اعلان کیا کہ تمہاری رہائی کا حکم ہو گیا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے مجھے 50 روبل دیئے اور کہا کہ اپنی ضروریات کی چیزیں خریدلو۔

اس نے کاغذ پر میرے دستخط لئے اور پھر مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ میرے لئے آج عید کا دن تھا۔ احمدیت محض ایک عقیدے کا نام نہیں ہے۔ یہ دراصل خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی عہد کا نام ہے۔

''جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو''

(مولوی ظہور حسین مجاہد اول روس و بخارا صفحہ 111 تا 114)

بابِ یازدہم

وقف زندگی کے نتائج اور ہماری ذمہ داریاں

امت محمدیہ کی اصلاح کے لیے دعائیں

آپ کی زندگی کا سب سے عجیب اور بے نظیر وہ حصہ ہے جس میں آپ رات کی سنسان گھڑیوں اور دن کے اوقات میں اپنے ہر قسم کے مالوفات سے الگ ہو کر امت محمدیہ کی اصلاح کے لیے اپنے دلی جوش سے دعائیں کرتے تھے یہ دعائیں کن الفاظ میں کی جاتی تھیں اور کتنی لمبی اور مسلسل ہوتی تھیں ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا اتنا پتہ چلتا ہے کہ بدوشباب بلکہ اس سے بھی پہلے سے یہ جوش آپ کی فطرت میں رکھا گیا تھا جو دعاؤں کے ذریعہ ظاہر ہوتا تھا جیسا کہ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:

''اکثر دلوں پر حُبّ دنیا کا گرد بیٹھا ہوا ہے خدا اس گرد کو اٹھا دے خدا اس ظلمت کو دور کرے دنیا بہت ہی بے وفا اور انسان بہت ہی بے بنیاد ہے مگر غفلت کی سخت تاریکیوں نے اکثر لوگوں کو اصلیت کے سمجھنے سے محروم رکھا ہے..... خداوند کریم سے یہی تمنا ہے کہ اپنے عاجز بندوں کی کامل طور پر دستگیری کرے اور جیسے انہوں نے اپنے گذشتہ زمانہ میں طرح طرح کے زخم اٹھائے ہیں ویسا ہی ان کو مرہم عطا فرمائے اور ان کو ذلیل اور رسوا کرے جنہوں نے نور کو تاریکی اور تاریکی کو نور سمجھ لیا ہے اور جن کی شوخی حد سے زیادہ بڑھ گئی اور نیز ان لوگوں کو بھی نادم اور منفعل کرے۔ جنہوں نے حضرت احدیت کی توجہ کو جو عین اپنے وقت پر ہوئی غنیمت نہیں سمجھا اور اس کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ جاہلوں کی طرح شک میں پڑے سو اگر اس عاجز کی فریادیں رب العرش تک پہنچ گئی ہیں تو وہ زمانہ کچھ دور نہیں جو نور محمدی اس زمانہ کے اندھوں پر ظاہر ہو اور الٰہی طاقتیں اپنے عجائبات دکھلاویں۔''

(مکتوبات احمدیہ جلد اول مکتوب نمبر 4 بنام میر عباس علی صاحب محررہ 9/فروری 1883ء)

بیت اللہ شریف اور میدان عرفات میں حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کی زبان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دردانگیز دعا

''اے ارحم الراحمین ایک تیرا بندہ عاجز اور ناکارہ پر خطا اور نالائق غلام احمد جو تیری زمین ملک ہند میں ہے اس کی یہ عرض ہے کہ اے ارحم الراحمین تو مجھ سے راضی ہو اور میری خطیات اور گناہوں کو بخش کہ تو غفور و رحیم ہے اور مجھ سے وہ کام کرا جس سے تو بہت ہی راضی ہو جائے مجھ میں اور میرے نفس میں مشرق اور مغرب کی دوری ڈال اور میری زندگی اور میری موت اور میری ہر یک قوت اور جو مجھے حاصل ہے اپنی ہی راہ میں کر اور اپنی ہی محبت میں مجھے زندہ رکھ اور اپنی ہی محبت میں مجھے مار اور اپنے ہی کامل متبعین میں مجھے اٹھا۔ اے ارحم الراحمین جس کام کی اشاعت کے لیے تو نے مجھے مامور کیا ہے اور جس خدمت کے لیے تو نے میرے دل میں جوش ڈالا ہے اس کو اپنے ہی فضل سے انجام تک پہنچا اور اس عاجز کے ہاتھ سے حجت اسلام مخالفین پر اور ان سب پر جو اب تک اسلام کی خوبیوں سے بے خبر ہیں پوری کر اور اس عاجز اور اس عاجز کے تمام دوستوں اور مخلصوں اور ہم مشربوں کو مغفرت اور مہربانی کی نظر سے اپنے ظل حمایت میں رکھ کر دین و دنیا میں آپ ان کا متکفل اور متولی ہو جا اور سب کو اپنی دارالرضاء میں پہنچا اور اپنے نبی ﷺ اور اس کی آل اور اصحاب پر زیادہ سے زیادہ درود سلام و برکات نازل کر۔ آمین یا رب العالمین۔'' (تاریخ احمدیت جلد اوّل صفحہ 265)

آسمانی شہادت اور فیصلہ کے لیے دعا

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اس کی عالی بارگاہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اس سے قربت کو
اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

اس عاجز غلام احمد قادیانی کی آسمانی گواہی طلب کرنے کے لیے ایک دعا اور حضرت عزت سے اپنی نسبت آسمانی فیصلہ کی درخواست

''اے میرے حضرت اعلیٰ ذوالجلال قادر قدوس حیّ وقیوم جو ہمیشہ راستبازوں کی مدد کرتا ہے تیرا نام ابدال آباد مبارک ہے تیرے قدرت کے کام کبھی رک نہیں سکتے۔ تیرا قوی ہاتھ ہمیشہ عجیب کام دکھلاتا ہے۔ تو نے ہی اس چودھویں صدی کے سر پر مجھے مبعوث کیا اور فرمایا کہ اُٹھ میں نے تجھے اس زمانے میں اسلام کی حجت پوری کرنے کے لیے اور اسلامی سچائیوں کو دنیا میں پھیلانے کے لیے اور ایمان کو زندہ اور قوی کرنے کے لیے چنا'' اور تو نے ہی مجھے کہا کہ ''تو میری نظر میں منظور ہے۔ میں اپنے عرش پر تیری تعریف کرتا ہوں'' اور تو نے ہی مجھے فرمایا کہ ''تو وہ مسیح موعود ہے جس کے وقت کو ضائع نہیں کیا جائے گا'' اور تو نے ہی مجھے مخاطب کر کے کہا کہ ''تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید'' اور تو نے ہی مجھے فرمایا کہ ''میں نے لوگوں کی دعوت کے لیے تجھے منتخب کیا ان کو کہہ دے کہ میں تم سب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور سب سے پہلا مومن ہوں'' اور تو نے ہی مجھے کہا کہ ''میں نے تجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تا اسلام کو تمام قوموں کے آگے روشن کر کے دکھلاؤں اور کوئی مذہب ان تمام مذہبوں میں سے جو زمین پر ہیں برکات میں معارف میں تعلیم کی عمدگی میں خدا کی تائیدوں میں خدا کے عجائب غرائب نشانوں میں اسلام سے ہمسری نہ کر سکے'' اور تو نے ہی مجھے فرمایا کہ ''تو میری درگاہ میں وجیہہ ہے۔ میں نے اپنے لیے تجھے اختیار کیا'' مگر اے میرے قادر خدا تو تو جانتا ہے کہ اکثر لوگوں نے مجھے منظور نہیں کیا اور مجھے مفتری سمجھا اور میرا نام کافر اور کذاب اور دجال رکھا گیا۔ مجھے گالیاں دی گئیں اور طرح طرح کی دل آزار باتوں سے مجھے ستایا گیا اور میری نسبت یہ بھی کہا گیا کہ ''حرام خور لوگوں کا مال کھانے والا وعدوں کا تخلف کرنے والا حقوق کو تلف کرنے والا لوگوں کو گالیاں دینے والا عہدوں کو توڑنے والا اپنے نفس کے لیے مال کو جمع کرنے والا اور شریر اور خونی ہے'' یہ وہ باتیں ہیں جو خود ان لوگوں نے میری نسبت کہیں جو مسلمان کہلاتے اور اپنے تئیں اچھے اور اہل عقل اور پرہیز گار جانتے ہیں۔ اور ان کا نفس اس بات کی طرف مائل ہے کہ درحقیقت جو کچھ وہ میری نسبت کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور انہوں نے صدہا آسمانی نشان تیری طرف سے دیکھے مگر قبول نہیں کیا وہ میری جماعت کو نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہر ایک ان میں سے جو بدزبانی کرتا ہے وہ

خیال کرتا ہے کہ بڑے ثواب کا کام کر رہا ہے سوائے میرے مولا قادر خدا! اب مجھے راہ بتلا اور کوئی ایسا نشان ظاہر فرما جس سے تیرے سلیم الفطرت بندے نہایت قوی طور پر یقین کریں کہ میں تیرا مقبول ہوں اور جس سے ان کا ایمان قوی ہو اور وہ تجھے پہچانیں اور تجھ سے ڈریں اور تیرے اس بندے کی ہدایتوں کے موافق ایک پاک تبدیلی ان کے اندر پیدا ہو اور زمین پر پاکی اور پرہیزگاری کا اعلیٰ نمونہ دکھلاویں اور ہر ایک طالب حق کو نیکی کی طرف کھینچیں اور اس طرح پر تمام قومیں جو زمین پر ہیں تیری قدرت اور تیرے جلال کو دیکھیں اور سمجھیں کہ تو اپنے اس بندے کے ساتھ ہے اور دنیا میں تیرا جلال چمکے اور تیرے نام کی روشنی اس بجلی کی طرح دکھلائی دے کہ جو ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب تک اپنے تئیں پہنچاتی اور شمال وجنوب میں اپنی چمکیں دکھلاتی ہے۔ لیکن اگر اے پیارے مولیٰ میری رفتار تیری نظر میں اچھی نہیں ہے تو مجھ کو اس صفحہ دنیا سے مٹا دے تا میں بدعت اور گمراہی کا موجب نہ ٹھہروں۔ میں اس درخواست کے لیے جلدی نہیں کرتا تا میں خدا کے امتحان کرنے والوں میں شمار نہ کیا جاؤں لیکن میں عاجزی سے اور حضرت ربوبیت کے ادب سے یہ التماس کرتا ہوں کہ اگر میں اس عالی جناب کا منظور نظر ہوں تو تین سال کے اندر کسی وقت میری اس دعا کے موافق میری تائید میں کوئی ایسا آسمانی نشان ظاہر ہو جس کو انسانی ہاتھوں اور انسانی تدبیروں کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہ ہو جیسا کہ آفتاب کے طلوع اور غروب کو انسانی تدبیروں سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ اگرچہ اے میرے خداوند یہ سچ ہے کہ تیرے نشان انسانی ہاتھوں سے بھی ظہور میں آتے ہیں لیکن اس وقت میں اسی بات کو اپنی سچائی کا معیار قرار دیتا ہوں کہ وہ نشان انسانوں کے تصرفات سے بالکل بعید ہو تا کوئی دشمن اس کو انسانی منصوبہ قرار نہ دے سکے۔ سوائے میرے خدا تیرے آگے کوئی بات انہونی نہیں اگر تو چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو میرا ہے جیسا کہ میں تیرا ہوں تیری جناب میں الحاح سے دعا کرتا ہوں کہ اگر یہ سچ ہے کہ میں تیری طرف سے ہوں اور اگر یہ سچ ہے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے تو تو میری تائید میں اپنا کوئی ایسا نشان دکھلا کہ جو پبلک کی نظر میں انسانوں کے ہاتھوں اور انسانی منصوبوں سے برتر یقین کیا جائے تا لوگ سمجھیں کہ میں تیری طرف سے ہوں۔ اے میرے قادر خدا! اے میرے توانا اور سب قوتوں کے مالک خداوند! تیرے ہاتھ کے برابر کوئی ہاتھ نہیں اور کسی جن اور بھوت کو تیری سلطنت میں شرکت نہیں۔ دنیا میں ہر ایک فریب ہوتا ہے اور انسانوں کو شیاطین بھی اپنے جھوٹے الہامات سے دھوکہ دیتے ہیں مگر کسی شیطان کو یہ قوت نہیں دی گئی کہ وہ تیرے نشانوں اور تیرے ہیبت ناک ہاتھ

کے آگے ٹھہر سکے یا تیری قدرت کی مانند کوئی قدرت دکھلا سکے کیونکہ تو وہ ہے جس کی شان لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور جو اَلْعَلِیُّ الْعَظِیْم ہے۔ جو لوگ شیطان سے الہام پاتے ہیں ان کے الہاموں کے ساتھ کوئی قادرانہ غیب گوئی کی روشنی نہیں ہوتی جس میں الوہیت کی قدرت اور عظمت اور ہیبت بھری ہوئی ہو وہ تو ہی ہے جس کی قوت سے تمام تیرے نبی تحدی کے طور پر اپنے معجزانہ نشان دکھلاتے رہے ہیں اور بڑی بڑی پیشگوئیاں کرتے رہے ہیں جن میں اپنا غلبہ اور مخالفوں کی درماندگی پہلے سے ظاہر کی جاتی تھی۔ تیری پیشگوئیوں میں تیرے جلال کی چمک ہوتی ہے اور تیری الوہیت کی قدرت اور عظمت اور حکومت کی خوشبو آتی ہے اور تیرے مرسلوں کے آگے فرشتہ چلتا ہے تا ان کی راہ میں کوئی شیطان مقابلہ کے لیے ٹھہر نہ سکے۔ مجھے تیری عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے تیرا فیصلہ منظور ہے۔''

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم 5/نومبر 1899ء)

ہم اپنا کام ختم کر چکے ہیں

ہم نے اپنی زندگی میں کوئی کام دنیوی نہیں رکھا ہم قادیان میں ہوں یا لاہور میں جہاں ہوں ہمارے انفاس اللہ ہی کی راہ میں ہیں معقولی رنگ میں اور منقولی طور سے تو اب ہم اپنے کام کو ختم کر چکے ہیں۔ کوئی پہلو ایسا نہیں رہ گیا جس کو ہم نے پورا نہ کیا ہو۔ البتہ اب تو ہماری طرف سے دعائیں باقی ہیں۔ خدا نے بھی کوئی امر باقی اُٹھا نہیں رکھا معجزات اس کثرت اور ہیبت سے دکھائے ہیں کہ دشمن ان کی عظمت اور شوکت کو مان گئے ہیں۔ اب کوئی ہدایت نہ پاوے تو یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے۔ اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص:57) (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 579)

حقیقت یہ ہے کہ آج جماعت احمدیہ جس عظیم الشان دور میں داخل ہو چکی ہے اور روزانہ ہی ہم خدا تعالیٰ کے بے شمار فضلوں اور رحمتوں کے نظارے دیکھتے ہیں، جماعت کے نفوس میں، اس کے اموال میں، اس کی عزت میں، اس کے وقار میں، اس کے رعب میں، اس کی وسعت میں، اس کی اشاعت میں، اس کی تعداد میں، اس کی تبلیغ میں، اس کے لٹریچر میں اور اس کے میڈیا میں جس قدر حیرت انگیز ترقیات ہوئی ہیں اور مسلسل بڑھ رہی ہیں۔ یہ سب مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء کی دعاؤں اور وقف زندگی کی برکت کی وجہ سے ہے۔ اُن بے لوث قربانیوں کے طفیل جو واقفین نے خدا کے حضور پیش کیں۔ وہ واقفین جنہوں نے خواہ ظاہری

طور پر وقف کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ہمیشہ وقف کی روح کے ساتھ قربانیاں کرنے میں پیش پیش رہے۔ جن کی دعاؤں، انتھک محنت اور قربانیوں کے طفیل آج ہم اُس عظیم الشان غلبے کے دور میں داخل ہو چکے ہیں جس کی نسبت مسیح الزماں علیہ السلام نے کتنے واضح اور پُرشوکت الفاظ میں خبر دی تھی کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان پیشگوئی

''اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر اُن کو غلبہ بخشے گا وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی۔...................... یادرکھو! کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جواب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہیگی وہ بھی مرے گی۔ اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا اُن کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آ گئی۔ مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اِس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دینگے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔'' (تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 66-67)

پس یہ غلبہ تو لازماً ہوگا اور ہو رہا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پہلے سے بڑھ کر اپنی زندگیوں کا نذرانہ اپنے رب کے حضور پیش کریں۔ اور پہلے سے بڑھ کر وقف کی روح کے ساتھ کام کریں تا کہ خدا

تعالیٰ کے یہ ان گنت فضل اور زیادہ موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کرتے چلے جائیں۔ جن سے ہماری روحیں بھی سیراب ہوں اور ساری دنیا کی خشکی دور ہو اور انہیں نئی پاکیزہ زندگی عطا ہو۔ جو خدا کی اطاعت اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہو۔ اس شدید خواہش کا اظہار حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کے نام اپنی وصیت میں فرمایا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیت

''میں خود جو اس راہ کا پورا تجربہ کار ہوں اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیض سے میں نے اس راحت اور لذت سے حظّ اٹھایا ہے یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کیلئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے۔

پس میں چونکہ خود تجربہ کار ہوں اور تجربہ کر چکا ہوں اور اس وقف کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ جوش عطا فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں ہے بلکہ تکلیف اور دکھ ہوگا تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رک نہیں سکتا، اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ **اپنی جماعت کو وصیت کروں** اور یہ بات پہنچا دوں۔ آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اُسے سنے یا نہ سنے! اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیات طیبہ یا ابدی زندگی کا طلبگار ہے، تو وہ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی، میری موت، میری قربانیاں، میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اُس کی روح بھی بول اُٹھے۔ اَسلَمتُ لِرَبِّ العَالَمِینَ (بقرہ:132) جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا، خدا میں ہو کر نہیں مرتا وہ نئی زندگی پا نہیں سکتا۔

''پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو، تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لئے زندگی کا وقف میں اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھتا ہوں۔ پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اس فعل کو اپنے لئے پسند کرتے اور خدا کے لئے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں۔''

(الحکم 31/ اگست 1900ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

جامعہ احمدیہ کینیڈا کا دورہ کیا۔ ماشاء اللہ انتظامی لحاظ سے ہر چیز بہترین نظر آئی۔ خوبصورت عمارت، صاف ستھرے کلاس روم، پڑھنے کی ترغیب دلانے والا لائبریری کا ماحول۔ اللہ تعالیٰ اس ظاہری صفائی اور خوبصورتی کو پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں دونوں کے ذہنوں اور دلوں کو صاف رکھنے کا باعث بنائے۔ (آمین)

مزید صاف اور سیقل کر کے واقفین نو کی اس خوبصورت لڑی کو مزید خوشنما اور خوبصورت بنانا ہے۔ جماعت نے اعتماد کرتے ہوئے آپ کے سپرد جو کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جو امانت آپ کے سپرد کی گئی ہے۔ اللہ کے حضور جھکتے ہوئے اس سے دُعائیں کرتے ہوئے اس کی مدد چاہتے ہوئے اس کی حفاظت کرنی ہے۔ انشاء اللہ۔

طلباء جامعہ احمدیہ ہمیشہ اپنے ذہنوں میں یہ بات رکھیں کہ انہوں نے اپنے والدین کا خدا تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کیلئے شعور کی عمر کو پہنچ کر اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے تو آئندہ ہمیشہ وفا کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ کے اس جواب پر بھی عمل کرتے رہیں کہ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِينَ۔ تعلیم کے دوران بھی اور میدان عمل میں بھی شائد بعض کٹھن مراحل آئیں بعض مشکلات آئیں لیکن آپ نے اللہ سے مدد مانگتے ہوئے صبر اور ایمان کی اعلیٰ مثالیں رقم کرنی ہیں۔ انشاء اللہ۔

یاد رکھیں کہ آپ خدا کے مسیح کی خاص فوج میں شامل ہو چکے ہیں۔ آج اس بھٹکی ہوئی دنیا کو آپ نے ہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لیکر آنا ہے۔ تا کہ دنیا اپنے مقصد پیدائش کو سمجھے اور اپنے پیدا کرنے والے خدا کے حضور جھکنے والی ہو۔ یاد رکھیں یہ سب کام خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں ہوں گے۔ اس لئے خدا کے حضور گڑگڑاتے ہوئے اپنی سجدہ گاہوں کو تر کرتے ہوئے اس کے حضور جھکتے رہیں۔ تا خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنی تائید ونصرت اور اپنے فضلوں کی بارش آپ پر برساتا رہے۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اللہ آپ کو توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمام اساتذہ وطلباء جامعہ احمدیہ کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین۔

خاکسار　مرزا مسرور احمد

23-08-2004　　　　فرینکفرٹ (جرمنی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فارم معاہدہ وقف زندگی

مَیں اپنی ساری زندگی برضاء ورغبت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بغیر کسی قسم کی شرط کے وقف کرتا ہوں۔

1۔ میں ہر قسم کی خدمت کو جو میرے لئے تجویز کی جائیگی بغیر کسی معاوضہ کے اُن ہدایات کے مطابق بجالاؤں گا جو میرے لئے تجویز ہوں گی۔

2۔ مَیں کسی وقت بھی نظام سلسلہ کے خلاف عملاً یا قولاً کوئی حرکت نہیں کروں گا بلکہ ہمیشہ جملہ ہدایات مرکزیہ کی پابندی کروں گا۔اسی طرح نظام وقف تحریک جدید کا بھی پورا احترام کروں گا اور لفظاً اور معناً اُس کی اتباع کروں گا۔

3۔اگر میرے لئے یا میرے اہل وعیال کے گذارہ کے لئے کوئی رقم دفتر تحریک جدید کی طرف سے منظور کی جائیگی تو اُسے بطور اپنے حق کے شمار نہیں کروں گا بلکہ اُسے انعام سمجھتے ہوئے قبول کروں گا۔

4۔ جو صورت میری تعلیم وتربیت کے لئے تجویز کی جائے گی اُس کی پورے طور پر پابندی کروں گا۔

5۔کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام سے بھی جو میرے لئے تجویز کیا جائے گا روگردانی نہیں کروں گا۔ بلکہ نہایت خندہ پیشانی اور پوری کوشش سے سرانجام دوں گا۔

6۔اگر میرے لئے کسی وقت کوئی سزا تجویز کی جائے گی تو بلا چوں وچرا اور بلا عذر اُسے برداشت کروں گا۔

7۔تحریک جدید کی طرف سے خواہ اندرون پاکستان یا بیرون پاکستان جہاں بھی مقرر کیا جائے گا وہاں بخوشی دفتر کی ہدایات کے مطابق کام کروں گا۔

8۔اگر کسی وقت مجھے کسی وجہ سے وقف سے علیحدہ کیا جائے گا تو اُس میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔لیکن مجھے یہ اختیار نہ ہوگا کہ کسی وقت بھی اپنی مرضی سے اپنے آپ کو اُن فرائض سے علیحدہ کرسکوں جو میرے سپرد کئے گئے ہوں گے۔

9۔ میں ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں۔خواہ وہ مالی ہو یا جانی ہو،عزت کی ہو یا جذبات کی ہو۔

10۔جس شخص کے ماتحت مجھے کام کرنے کے لئے کہا جائے گا اُس کی کامل تابعداری کروں گا۔

11۔ میں نے فارم معاہدہ وقف زندگی کی جملہ شرائط کو خوب سوچ کر اور اُن کی پابندی کا پورا عزم کر کے پُر کیا ہے۔

دستخط

تاریخ	نام و مستقل مکمل پتہ
فون نمبر	قومی شناختی کارڈ نمبر

حوالہ نمبر وقف نو__________　　　　فارم مکمل کوائف

1. نام اور مکمل پتہ
2. تاریخ پیدائش (لفظوں اور ہندسوں میں)
3. والد صاحب کا نام اور مکمل پتہ

4. سرپرست کا نام اور مکمل پتہ

پرائمری مڈل میٹرک ایف۔اے ایف۔اے ایس۔سی بی۔اے بی۔ایس۔سی ایم۔اے۔ایم۔ایس۔سی مولوی فاضل، منشی فاضل، ادیب فاضل

رول نمبر

کُل نمبر

حاصل کردہ نمبر

گریڈ

5. تعلیم کس قدر ہے؟

6. اگر تعلیم جاری ہے تو کس کلاس میں پڑھ رہے ہیں؟ مضامین کس اسکول یا کالج میں

7. اگر تعلیم جاری نہیں تو آج کل کیا کام کر رہے ہیں؟

8. کن مضامین میں زیادہ دلچسپی ہے؟

9. دینی معلومات کس قدر ہے؟ دینیات اور سلسلہ کی کون کون سی کتب پڑھی ہیں؟

10. قرآن کریم کا مطالعہ کس قدر ہے؟ ناظرہ/ باترجمہ۔

11. کیا پیدائشی احمدی ہیں؟ اگر نہیں تو تاریخ بیعت لکھیں۔

12. اگر آپ موصی ہیں تو نمبر وصیت کیا ہے؟

13. کیا آپ تحریک جدید اور وقف جدید کے مالی جہاد میں شامل ہیں؟

14. مجرد ہیں یا شادی شدہ؟

15. اگر شادی ہو چکی ہے تو کتنے بچے ہیں اور اُن کی عمریں کیا ہیں؟

16. پیشہ کیا ہے؟

17. اصل وطن کون سا ہے؟

18. موجودہ مستقل رہائش کہاں ہے اور کتنے عرصہ سے ہے؟

19. گزارہ کی موجودہ صورت کیا ہے؟ اپنی/ والد یا سرپرست کی۔

20. والد یا سرپرست کی ماہوار آمد کتنی ہے اور ذریعہ آمد کیا ہے؟

21. اگر خود برسرروزگار ہیں تو ماہوار آمد کتنی ہے اور ذریعہ آمد کیا ہے؟

22. ملازمت کی صورت میں کہاں ملازم ہیں؟ اور کس قسم کے کام کا تجربہ ہے؟

23. ملازمت کے علاوہ کس کام کا تجربہ ہے؟ صنعت، کاروبار وغیرہ (تفصیل لکھیں)

24. کیا کبھی تقریر کرنے کا موقعہ ملا ہے؟ کس زبان میں، کس موضوع پر؟

25. طبیعت کا ذاتی رجحان کس طرف ہے۔ جیسے تعلیم، زمینداری، تبلیغ، دفتری کام، تجارت وغیرہ۔

26. کس مجلس خدام الاحمدیہ یا انصار اللہ سے تعلق ہے؟

27. کیا جماعتی یا کسی مجلس کا کوئی عہدہ آپ کے سپرد ہے یا کبھی رہا ہے؟

28. عام صحت کیسی رہتی ہے؟

29. امیر جماعت یا پریزیڈنٹ کا نام و مکمل پتہ

30. اپنے خاندان کے چند معروف احمدی احباب کے نام و پتہ لکھیں۔ ان سے کیا رشتہ ہے؟

31. کیا کبھی قادیان یا ربوہ میں قیام رہا ہے۔ (الف) کب اور کتنے عرصہ کیلئے (ب) کس سلسلہ میں

32. انگریزی، عربی یا کوئی غیر ملکی زبان جانتے ہیں؟ کس حد تک؟

33. کیا مضامین وغیرہ لکھتے رہتے ہیں؟ کس زبان میں؟ کس قسم کے موضوع پر؟

34. کیا کبھی بیرون پاکستان قیام رہا ہے؟ کتنا عرصہ؟ کس غرض کیلئے؟

35. کیا آپ جامعہ احمدیہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں؟

36. کوئی خاص قابل ذکر امر۔

دستخط وقف کنندہ مع تاریخ دستخط والد/سرپرست

تصدیق پریزیڈنٹ مقامی جماعت

نوٹ: یہ فارم پُر کر کے وکالت دیوان تحریک جدید ربوہ کو ارسال فرمائیں۔

کتابیات

BIBLIOGRAPHY

قرآن کریم

تفسیر کبیر۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ
کلام امیر۔ (تفسیر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ)

کتب احادیث

بخاری، مسلم، ترمذی، سنن ابن ماجہ

کتب حضرت مسیح موعود

فتح اسلام، آئینہ کمالات اسلام، نشان آسمانی
تذکرۃ الشہادتین، حقیقت الوحی، ملفوظات جلد اول تا پنجم
مجموعہ اشتہارات

کتب علماء سلسلہ

ذکر حبیب مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ
حیات قدسی مولفہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ
حیات نور مولفہ مولانا عبد القادر صاحب سوداگرمل
سوانح فضل عمر جلد اول مولفہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب
جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات
حیات ناصر۔ مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب جلد اول
مشعل راہ شائع کردہ خدام الاحمدیہ پاکستان جلد اول تا پنجم
تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات۔
مولانا عطاء المجیب راشد صاحب
سیرت حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب امۃ الشافی سیال صاحبہ
میری کہانی۔ خودنوشت ماسٹر محمد شفیع اسلم صاحب
حیات الیاس سوانح عبد السلام خان صاحب
آپ بیتی مجاہد بخارا و روس حضرت مولانا ظہور حسین صاحب
مجاھد بخارا و روس۔
مطالبات تحریک جدید شائع کردہ دفتر تحریک جدید
رپورٹ نظارت اصلاح وارشاد و تعلیم القرآن پاکستان
رپورٹ دفتر وقف جدید پاکستان
تاریخ احمدیت جلد اول تا 19 مولفہ مولانا دوست محمد شاہد
صاحب مورخ احمدیت۔
رپورٹس مجلس مشاورت شائع کردہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری

کتب لغت

المنجد۔ اقرب الموارد۔ لسان العرب۔ الرائد معجم لقوی عصرٌ
القاموس العصری
جامع عملی لغت مولفہ وارث سرہندی علمی کتب خانہ لاہور
اردو جامع انسائیکلوپیڈیا۔ مولانا حامد علی خان صاحب

اخبارات

الحکم قادیان ایڈیٹر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی
البدر۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ
الفضل روزنامہ۔ قادیان۔ ربوہ۔ لندن
الفرقان۔ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری
زمیندار۔ لاہور، ہمدم لکھنوء
ہندو دیوسماجی اخبار (جیون تت) لاہور، اخبار تیج دہلی

رسائل

ماہنامہ انصار اللہ پاکستان
ماہنامہ مصباح پاکستان
ماہنامہ خالد پاکستان
ماہنامہ تحریک جدید پاکستان
Guidance۔ نائیجیریا

ڈاکٹر افتخار احمد ایاز

آپ نے ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔ چھوٹی عمر میں تنزانیہ تشریف لے گئے۔ثانوی تعلیم وہاں حاصل کی۔ بعدۂ کامن ویلتھ فیلوشپ پر انگلستان اعلیٰ تعلیم کیلئے گئے۔ وہاں نیوکیسل یونی ورسٹی سے بی. ایڈ جنرل کی ڈگری حاصل کی اور پھر لنڈن سے پوسٹ گریجوایٹ ڈپلومہ ان ٹیچنگ آف انگلش اور کمپیوٹر ایجوکیشن حاصل کرنے کے بعد ایم .اے کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں امریکہ سے ہیومن ڈیویلپمنٹ میں پی. ایچ. ڈی کی۔ تنزانیہ قیام کے دوران مختلف جماعتی عہدوں پر خدمت کی توفیق ملی۔ بحرالکاہل کے جزائر طوالو، کیری باس ناؤرو اور وانوآٹو میں احمدیت کا پودا لگانے کی توفیق ملی۔طوالو قیام کے دوران احمدیہ مسجد اور مشن ہاؤس کی تعمیر ہوئی۔قران کریم کا طوالو زبان میں ترجمہ ہوا جو جماعت نے شائع کیا۔انگلستان میں شعبہ تبلیغ کے ساتھ کام کرنے اور پھر بحیثیت قائد تبلیغ ،صدر مجلس انصاراللہ وامیر جماعت احمدیہ یو. کے خدمت کی توفیق ملی۔قضاء بورڈ کے ممبر اور قائم مقام صدر رہے۔مرکزی مجلس افتاء کے اعزازی رکن بھی رہے۔اب سیکرٹری امور خارجہ یو. کے،ڈائریکٹر طاہر فاؤنڈیشن اور وکالت تصنیف کی انگریزی تراجم کی ٹیم کے ساتھ کام کی توفیق مل رہی ہے۔

ایک عرصہ تک تنزانیہ کے محکمہ تعلیم میں کام کرنے کے بعد یو. این. او کے اداروں ایف. اے. او، یونیسکو اور یو .این. ڈی. پی میں اعلیٰ عہدوں پر کام کیا۔کامن ویلتھ کے فیلڈ ایکسپرٹ کی حیثیت سے بحرالکاہل ریجن میں متعین رہے۔اب کونسل جنرل اور انٹرنیشنل کمیشن آف پیس کے مشیر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ہیومن رائٹس اور کامن ویلتھ کے مختلف ترقیاتی اداروں کے ساتھ منسلک ہیں۔1998ء میں ملکہ برطانیہ کی طرف سے او.بی.ای Officer of the Excellent Order of the (O.B.E) British Empire کا اعزاز حاصل کیا۔علاوہ ازیں الفریڈ نوبل میڈل اعزازی ڈاکٹریٹ ان ایجوکیشن ایمبیسیڈر آف پیس کے اعزازات حاصل کئے۔انڈیا کی طرف سے ہندرتن اور نورتن کے ایوارڈ و گولڈ میڈل ملے۔امریکن بائیوگرافیکل انسٹی ٹیوٹ نے Great Minds of 21lst Centuary کا ایوارڈ دیا اور 2004ء کی شخصیت کے اعزاز سے نوازا۔

In the name of Allah, the Gracious, the Merciful

VAKALAT-E-TASNEEF

"Islamabad" 2 Sheephatch Lane. Tilford, Farnham, Surrey GU10 2AQ UK
Tel: 01252 783823 Fax: 01252 781028

Ref. AVT- 5066 Date: 13-4-2011

مکرم ومحترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے خیریت ہوگی۔آپ نے اپنی کتاب Devotion of Life کے نسخے مختلف جامعات احمدیہ کی لائبریری اور استعمال کیلئے بھجوانے کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا۔میں نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں عرض کر دیا تھا۔

آپ بخوشی اس کتاب کے نسخے جامعات احمدیہ کو بھجوا سکتے ہیں۔انشاء اللہ اُمید ہے کہ اس سے طلباء و اساتذہ کے علم وایمان میں اضافہ ہوگا اور بہتوں کی راہنمائی کا موجب ہوگا۔

والسلام خاکسار

منیرالدین شمس

ایڈیشنل وکیل التصنیف

Respected and Revered Dr. Iftikhar Ahmad Ayaz Sahib

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

Hope all is well. You had expressed the desire to send copies of your book, 'Devotion of Life' to different *Jamiat Ahmadiyya*, for their benefit and Reference Libraries. I conveyed your request to *Hadhrat Ameerul Momineen Khalifatul Masih* V [atba].

Accordingly, you are welcome to send copies of this book to *Jamia Ahmadiyyas*. It is hoped that Allah willing the book will be a source of strengthening their knowledge and faith and will also be a source of guidance for many.

Wasslam

Muniruddin Shams

Additional Wakil ut Tasneef